هِدایۃ المُستفید

اُردُو ترجمہ

فتح المجید

شرح

کتابُ التوحید

نام کتاب : مختصر ھدایۃ المستفید

تألیف : علامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ : شیخ العرب والعجم ابو محمد علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت اوّل : شعبان ۱۴۲۶ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۰۵ء

الناشر

دائرہ نور القرآن

فہرس

مُقدّمۃ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين ولا عدوان الاعلى الظالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين و على اله و صحبه اجمعين اما بعد

توحید باری تعالیٰ ہی ایسا مسئلہ ہے جسے سمجھانے کے لئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت ہوئی، فرمایا:

ولقد بعثنا فی کل امة رسولاً ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت

''ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیج دیا اوراس کے ذریعہ سے سب کوخبردار کردیا کہ اللہ کی بندگی کرواور طاغوت کی بندگی سے بچو''۔ (النحل:۳۶)

اسی دعوت کو عام کرنے کے لئے کتب اور صحیفے نازل ہوئے اور سب سے آخری رسول سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر آخری کتاب قرآن کریم نازل ہوا۔جس کا مقصد وحید بھی یہی ہے کہ دعوتِ توحید کو پھلایا اور عام کیا جائے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هذا بلاغ الناس ولينذروا وليعلموا انما هو اله واحد و ليذكر اولو الالباب

یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لئے اور بھیجا گیا ہے اس لئے کہ انسانوں کواس کے ذریعہ سے خبردار کردیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں معبودِ برحق ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آجائیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی جو بڑی بڑی تکلیفوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا اس کا سبب بھی یہی دعوتِ توحید تھی۔فرمانِ الٰہی ہے:

كذالک ما اتى الذين من قبلهم من رسول الا قالوا ساحرا و مجنون

یونہی ہوتا رہا ہے اُن سے پہلے کی قوموں کے پاس بھی کوئی رسول ایسا نہیں آیا جسے انہوں نے یہ نہ

کہا ہو کہ یہ جادوگر ہے یا مجنون۔

یہی سلوک رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بھی روا رکھا گیا، ارشادِ الٰہی ہے:

و قال الکفرون ھذا سحر کذاب اجعل الالھۃ الھا واحد ان ھذا لشیٔ عجاب وانطلق الملا منھم ان امشوا و اصبروا علی الھتکم ان ھذا لشی یراد ما سمعنا بھذا فی الملۃ الاخرۃ ان ھذا الا اختلاق

منکرین کہنے لگے کہ یہ ساحر ہے، سخت جھوٹا ہے کیا اس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی معبود بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے اور سردارانِ قوم یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ چلو اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں کی عبادت پر، یہ بات تو کسی اور غرض سے کہی جا رہی ہے یہ بات ہم نے زمانہ قریب کی ملت میں کسی سے نہیں سنی۔ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک من گھڑت بات۔ (ص: ۴ تا ۷)۔

توحید ہی سے عمل صالح کی طرف رغبت ہوتی ہے کیونکہ ایک اللہ پر ایمان رکھنے سے دوسروں کا خوف دِل سے نکل جاتا ہے اور جن سے اُمیدیں وابستہ تھیں وہ ختم ہو جاتی ہیں پھر یہ دو یعنی وجہیں خوف اور اُمید عمل صالح کے لئے دل میں رغبت اور میلان پیدا کرتی ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو صحیح طور پر نہیں جانتے جس طرح کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے رسول مقبول ﷺ کی زبانی اپنی شان بیان فرمائی ہے، وہ دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح غیر اللہ کو مددگار یا مشکل کشا جاننے والے، یا ان کے توسل سے نجات یا حاجت روائی یا ان امراض سے شفاء حاصل کرنے کا عقیدہ رکھنے والے اللہ تعالیٰ سے بالکل بے خوف ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے بناوٹی معبودوں یا وسیلوں کا خیال رہتا ہے، وہ اُن ہی کی بددعا سے ڈرتے اور ان کی سفارش کے اُمیدوار رہتے ہیں۔ اسی طرح ان کے لئے گناہوں اور برائیوں کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور ان کے پاؤں راہِ حق سے پھسلتے رہتے ہیں۔ توحید ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی بدولت ایک مومن نیکی، عمل صالح، اخلاق حسنہ، ایمانداری اور راست بازی پر قائم رہ سکتا ہے۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے:

فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لانفصام لھا

اور جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ (البقرۃ: ۲۵۶)۔

بلکہ اسی توحید سے انسانیت کا نظام برقرار رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لا تعبدوا الا اياه ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون

اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ٹھیک سیدھا طریق زندگی ہے مگر اکثر لوگ جانتے ہی نہیں۔

اور اسی سے اُمت کے درمیان اتحاد واتفاق قائم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا والذی اوحینا الیک و ما وصینا به ابراهیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدین لا تتفرقوا فیه کبر علی المشرکین ما تدعوهم الیه

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جسے (اے محمد ﷺ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے۔

توحید ہی کی بدولت آپس میں بگڑے ہوئے دل ملیں گے، بغض، حسد اور کینہ سے صاف ہوں گے جیسا کہ فرمایا:

قد کانت لکم اسوة حسنة فی ابراهیم والذین معه اذ قالوا لقومهم انا براؤاء منکم و مما تعبدون من دون الله کفرنا بکم و بدا بیننا و بینکم العداوة والبغضاء ابدا حتی تومنوا بالله وحده

تم لوگوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا، ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

توحید کی طرف دعوت دینا رسول اللہ ﷺ کے متبعین کا شیوہ ہے جو کہ دعوت وتبلیغ میں ان کے سچے جانشین ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

قل هذه سبیلی ادعوا الی الله علی بصیرة انا و من اتبعنی و سبحان الله و ما انا من

المشرکین

آپ ان سے صاف کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔ اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

توحید کی حقانیت جب لوگوں کے دلوں میں بیٹھنے لگی تو ہر آنے والی مصیبت ان کے لئے سہل ہونے لگی۔ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا گرم پتھروں اور کوئلوں پر احد احد پکارنا، سیدنا خبیب جہنی رضی اللہ عنہ کا شہادت سے قبل دو رکعت پڑھنے کی اجازت طلب کرنا، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بوقت وفات شہادت کی حسرت میں رونا حالانکہ ان کے جسم کا ہر حصہ اللہ کی راہ میں دشمن کے وار کا نشانہ بن چکا تھا۔ اسی طرح غزوۂ تبوک میں مالی و معاشی مشکلات پر صبر و استقامت سے رہنا، نیز صحابیات کا اپنے بیٹوں کی شہادت پر صبر کرنا بلکہ خوش ہونا اور اس قسم کے بیشمار واقعات جو تاریخ اسلام کے شاہکار ہیں سب اس حقیقت پر دلالت کناں ہیں کہ وہ توحید کو دل کی گہرائیوں سے جان چکے تھے اور اس کی عاقبت محمودہ پر ایمان رکھتے تھے یہی وہ حلاوۃ الایمان ہے جس کا ذکر صحیحین کی روایات میں موجود ہے کہ وہی شخص ایمان کی لذت کو پا سکتا ہے جو تین صفات کا حامل ہو، ان میں سے ایک صفت یہ ہے

و یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی النار

جب اللہ نے اس کو کفر کی حالت سے نکال دیا تو وہ اس میں دوبارہ جانے کو اس طرح برا سمجھے جس طرح کہ آگ میں ڈالنے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس سلسلہ کو ہمیشہ قائم رکھے اور اس باغ کو سرسبز و بارونق اور شاداں رکھے اور موحدین کے دل کو شاد و آباد رکھے اور تا ابد الاباد توحید کی طرف دعوت کا چرچا باقی رہے۔

دل شاد باد مراد رہیں مہربان میرے
آباد حشر تک رہیں سب قدردان میرے

ابو محمد **بدیع الدین شاہ** الراشدی السندی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب کو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے اس لئے شروع کیا ہے تا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان عالی مقام کی اتباع ہو جائے: (ترجمہ) ہر اہم کام جو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع نہ کیا جائے وہ ادھورا رہتا ہے۔ (ابن حبان)۔ ایک حدیث میں ہے: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور ذکر بہت ہی زیادہ پایا جاتا ہے۔

لفظ اللہ کا مطلب ان معنوں میں مستعمل ہے جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، وہ فرماتے ہیں: (ترجمہ) اللہ تعالیٰ وہ ذاتِ کبریا ہے جس کو ہر شے اِلٰہ مانتی ہے اور جس کی تمام مخلوق عبادت کرتی ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اسم الجلالۃ کے دس لفظی خصائص ذکر کرنے کے بعد اس کے معنوی خصائص کے بارے میں لکھتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ: (ترجمہ) ''اے اللہ! میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کرسکتا، تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے خود اپنی شان بیان کی''۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اللہ تعالیٰ کی صفت ''الرحمٰن'' کا تعلق تمام مخلوقِ رب سے ہے وہ جن ہو یا انسان، مسلمان ہو یا کافر، کوئی بھی ہو، ہر قسم کی مخلوق پر اس کی صفت ''رحمانیت'' کا وسیع تر شامیانہ ہر آن سایہ فگن ہے۔ رہی اس کی صفت ''الرحیم'' تو یہ مومنوں کے لئے خاص ہے۔

صفاتِ احسان، جوُد، نیکی، حنانیت، منت، رأفت، اور لطف وکرم صرف اس کے اسم ''رحمٰن'' کے ساتھ مخصوص ہیں۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ بیشک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفق ومہربانی کا ہے۔ یاد رہے کہ ایسے مواقع پر کبھی ''رحمٰن'' کا لفظ نہیں آئے گا۔

كِتَابُ التَّوحِيدِ

توحید کی کتاب

توحید کی دوقسمیں ہیں ﷺ۔توحید در معرفت واثبات ۔ یہ توحید ربوبیت واسماء اور صفات ہے۔ا۔ توحید درطلب وقصد۔ یہ توحید الوہیت وعبادت سے موسوم ہے۔

پہلی یہ کہ: اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کے افعال اور اس کے اسماء کی حقیقت کا اثبات، اپنی کتب کے ذریعہ اس کا تکلم، اپنے بندوں میں سے جس سے چاہے اس کی تکلیم، اس کی قضا وقدر اور حکمت کا اثباتِ عمومی۔ قرآن کریم نے توحید کی اس نوع کو نہایت وضاحت سے بیان فرمایا۔

توحید کی دوسری قسم یعنی توحید الوہیت وتوحید عبادت کا حکم قرآن مجید میں ہے۔ قرآن مجید کی اکثر سورتیں بلکہ قرآن کریم کی ہر سورت توحید کی دونوں قسموں کو متضمن ہے اور ان کی شاہد اور ان کی داعی ہے۔

وہ توحید جو انبیائے کرام علیہم السلام لے کر دنیا میں تشریف لائے وہ اللہ تعالیٰ کے اثباتِ الوہیت کو متضمن ہے اور وہ ہے ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت دینا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ: صرف اُسی کی عبادت کی جائے، اُسی پر توکل کیا جائے، اُسی کی رضا کے لئے دوستی کی جائے، اُسی کے لئے دشمنی کے پیمانے مقرر کیئے جائیں، اُسی کی طرف رجوع کیا جائے صرف اسی کی وجہ سے عمل کی دیواریں اُستوار کی جائیں۔ یہ سب صرف اس لئے ہے کہ اُسی سے ان اسماء وصفات کا اثبات ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ثابت کیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

تمہارا معبود ایک اللہ ہی ہے اس رحمٰن ورحیم کے سواء کوئی معبود نہیں ہے۔

توحید یہ نہیں ہے جیسا کہ فلسفیوں اور اہل تصوف کا نظریہ ہے کہ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ بات دلیل سے ثابت کردی تو غایت توحید کا اثبات کر دیا۔ جب انہوں نے اس کی شہادت دی تو غایت توحید میں فنا ہو گئے۔ پس جب انسان ان صفات کا اقرار کر لیتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ مستحق ہے اور اس کی تنزیہہ

ثابت کرتا ہے اور اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے کہ وہی اکیلا ہر شے کا خالق ہے تو اس سے وہ موحد نہیں ہو جاتا جب تک کہ ''لا اِلٰہ الا اللہ'' کی شہادت نہ دے اور ساتھ ہی اس بات کا اقرار نہ کرے کہ وہی اِلٰہ ہے جو عبادت کا مستحق ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اس کی وحدانیت اور عام شراکت غیر کا التزام نہ کرے۔

یاد رکھئے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اس حقیقی توحید کو نہیں پہچانا جس کی تبلیغ کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ یہ تو مشرکین عرب بھی کہتے تھے اور اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے مگر اس کے باوجود وہ مشرک تھے، جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے: ترجمہ: ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں'' (یوسف:۱۰۶)۔

ضروری نہیں کہ جو شخص یہ اقرار کرے کہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق اور رب ہے، وہ شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتا ہو، اس کے سوا کسی کی طرف دعوت نہ دیتا ہو، اس کے سوا کسی سے ڈرتا نہ ہو اور نہ کسی دوسرے پر بھروسہ کرتا ہو، اُسی کے لئے دوستی اور دشمنی رکھتا ہو، اس کے پیغمبروں کی اتباع کرتا ہو، جس چیز کا اللہ حکم دے اس کی تبلیغ کرتا ہو، جس چیز سے اللہ نے روکا ہے اس سے دوسروں کو روکتا ہو، کیونکہ اکثر مشرکین کا یہ عقیدہ ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے مگر وہ اپنے شرکاء کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی مانتے ہیں اس طرح وہ ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں۔ انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ترجمہ: کیا اس اللہ کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے؟۔ (الزمر)۔ ترجمہ: یہ لوگ اللہ کے سوا اُن کی پرستش کر رہے ہیں جو اُن کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

ان مشرکانہ اعمال کے باوجود وہ کہتے ہیں کہ یہ شرک نہیں ہے، یہ اس صورت میں شرک سمجھا جائے گا جب ہم ان کو مدبر امر خیال کریں۔ اگر ہم ان کو صرف ذریعہ اور وسیلہ سمجھیں گے تو یہ شرک نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کی رُو سے یہ شرک ہی ہے۔

وقول اللہ تعالیٰ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّٰریٰت : ۵۶)

میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

عبادت ایک ایسا جامع اسم ہے جس سے وہ تمام ظاہر اور باطنی اقوال و اعمال مراد ہیں جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور جن پر وہ راضی ہوتا ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جن اُمور کے انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے، ان پر عمل پیرا ہونا اور جن سے روکا گیا ہے اُن کو ترک کر دینے کا نام عبادت ہے۔

وقول اللّٰه تعالیٰ: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ ''اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو''۔(النحل:۳۶)۔

طاغوت: طغیان سے مشتق ہے، اس کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''طاغوت کا اطلاق شیطان پر ہوتا ہے''۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: طاغوت ہر اس شے کا نام ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہو۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے طاغوت کی ایک ایسی تعریف کی ہے جو بڑی جامع و مانع ہے، وہ فرماتے ہیں: ''طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان حد سے تجاوز کر جائے، خواہ عبادت میں، یا تابعداری میں، یا اطاعت میں۔ ہر قوم کا طاغوت وہی ہے جس کی طرف وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے فیصلہ کے لئے رجوع کرتے ہیں، یا اللہ کے سوا اس کی پرستش کرتے ہیں، یا بلا دلیل اس کی اتباع کرتے ہیں، یا اس کی اطاعت بغیر اس علم کے کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جس کسی کے پاس بھی اپنا فیصلہ لے جایا جائے یا اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ترک کر کے کسی دوسری شخصیت کی اطاعت کی جائے، اُسے اس قوم کا طاغوت سمجھا جائے گا''۔ ارشادِ الٰہی ہے:

(ترجمہ) ''صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو''۔ **(النحل:۳۶)**۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے: ترجمہ: اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں (البقرۃ:۲۵۶)۔ حقیقت میں کلمہ ''لا اِلٰہ الا اللہ'' کا مطلب یہی ہے۔ کیونکہ ''مضبوط سہارا'' ''لا اِلٰہ الا اللہ'' ہی ہے۔

وقول اللّٰه تعالیٰ: وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلاَ تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْھَرْ ھُمَا وَ قُلْ لَّھُمَا قَوْلاً کَرِیْماً وَ اخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا

تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُسی کی۔ اور والدین کے

ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہوکر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔ اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ ''پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا''۔ **(بنی اسرائیل: ۲۳،۲۴)**۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''محض نفی یا اثبات بلا نفی توحید نہیں ہے، بلکہ حقیقی توحید یہ ہے کہ وہ نفی اور اثبات دونوں کو متضمن ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح بلاشرکت غیرے تنہا اپنی عبادت کا فیصلہ کیا ہے اسی طرح یہ فیصلہ بھی کردیا ہے کہ تم اپنے والدین کے ساتھ احسان کیا کرو۔ لفظ اُفّ کا مفہم یہ ہے کہ جب کبھی ماں باپ کی طرف سے کوئی ایسا عمل ظہور پذیر ہوجائے جو اولاد کو ناپسند ہو تو اولاد میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ ''آپ کو یہ کام نہیں کرنا چاہیئے تھا''۔ اور نہ ان کے سامنے ہاتھ اٹھاؤ۔ بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور انسانیت کے دائرہ میں رہ کر بات کیا کرو۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خطبہ جمعہ میں فرمایا:......اس شخص کا منہ خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ کو یا اُن میں سے ایک کو زندہ پایا لیکن پھر بھی (ان کی خدمت کرکے) جنت میں نہیں جاسکا۔ **(بخاری ومسلم)**۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی رضا ماں باپ کی رضامندی میں مضمر ہے اور اس کی نافرمانی ماں باپ کی ناراضی میں مضمر ہے۔ (رواہ الترمذی)۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا: کیا میرے ماں باپ کے فوت ہوجانے کے بعد بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے کی کوئی صورت باقی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ہے! اُن کے لئے دعا کرتے رہنا اور ان کے لئے مغفرت کی التجا کرنا اور ان کے وعدوں کو اُن کی وفات کے بعد بھی پورا کرنا، محض اُن کے تعلقات کی بنا پر صلہ رحمی کرنا اور اُن کے دوستوں کی عزت وتکریم کرنا۔ **(ابوداؤد، ابن ماجہ)**۔

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا (النساء: ۳۶)۔

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَ اِيَّاهُمۡ وَ لَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ

مِنۡهَا وَ مَا بَطَنَ وَ لَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ وَ لَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡیَتِیۡمِ اِلَّا بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ وَ اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ وَ الۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا وَ اِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَ لَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی وَ بِعَهۡدِ اللّٰہِ اَوۡفُوۡا ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡہُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ (الانعام:۱۵۱،۱۵۲،۱۵۳)۔

اے محمد (ﷺ)! ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں۔ ۱۔ یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ۲۔ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ ۳۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دینگے۔ ۴۔ اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی ہوئی۔ ۵۔ اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو، مگر حق کے ساتھ۔ یہ باتیں ہیں جن کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے، شاید کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔ ۶۔ اور یہ کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سنِ رُشد کو پہنچ جائے۔ ۷۔ اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو، ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اس کے اِمکان میں ہو۔ ۸۔ اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتے دار ہی کا کیوں نہ ہو۔ ۹۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔ ۱۰۔ نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے، یہ وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم کج روی سے بچو۔

مشرکین مکہ سے جب پوچھا جاتا کہ "یہ نیا رسول ﷺ تم کو کیا کیا باتیں بتاتا ہے جو تم اس کی اتنی زبردست مخالفت کر رہے ہو؟ تو وہ یہ جواب دیتے کہ ہم کو کہا ہے: ترجمہ: تم صرف اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور اپنے آباءواجداد کی رسموں کو چھوڑ دو۔ یہ وہی بات ہے جو ابوسفیان نے ہرقل کے دربار میں، اس کے ایک سوال کے جواب میں کہی تھی اور ابوسفیان اور ان کے ہمنواؤں نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کہ قُوۡلُوۡا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ تُفۡلِحُوۡا سے یہی سمجھا تھا کہ جب تک ہم اپنے باپ دادا کے رسم و رواج کو نہیں

چھوڑیں گے، اس وقت تک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار فائدہ مند ثابت نہ ہوگا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنائے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ اس کے بعد کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنے بچے کو فقر و فاقہ اور تنگیٔ رزق کے خوف سے قتل کرے۔

سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: ہر اُس مسلمان کا جو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرتا ہے، خون حلال نہیں ہے۔ ہاں تین اُمور کی پاداش میں اس کا خون حلال ہوسکتا ہے: ۱۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو، ۲۔ بلاوجہ کسی مسلمان کو قتل کرنے کے بدلہ میں یا دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے اور جماعۃ المسلمین سے الگ ہو جائے۔

یتیم بچے کے مال میں ہر قسم کے تصرف کی نفی کی گئی ہے۔ معمولی قسم کے ذرائع تصرف کو بھی مسدود کر دیا گیا ہے تاکہ یتیم کا مال محفوظ رہے۔ مگر یہ کہ اگر کوئی شخص یتیم کے مال کو بڑھانے اور اس میں اضافہ کی خاطر اس میں تصرف کرے تو یہ جائز ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں لکھتے ہیں: ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جو تم کو وصیت کی ہے اُسے پورا کرو اور اُسے پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے اس پر عمل کرو اور جس بات سے تم کو روکا جاتا ہے اس سے رُک جاؤ۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی اتباع میں زندگی بسر کرو بس یہی ہے اللہ کے عہد کو پورا کرنے کا مطلب۔

''صراط'' سے دین اسلام کا سیدھا راستہ مقصود ہے جو مستقیم ہے۔ یعنی دین اسلام ایک ایسا راستہ ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اسی سیدھے راستے کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جس کی حدود اس کے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ نے متعین کر دی ہیں اور جس کی آخری منزل جنت ہے۔ اس صراطِ مستقیم سے کئی راستے نکلتے ہیں، جو شخص جادۂ مستقیم کو اختیار کرے گا وہ جنت میں جائے گا، جو غلط راستوں پر قدم زن ہوگا وہ لامحالہ جہنم میں جا گرے گا۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ سے بدعت اور شہوات انسانی مراد ہیں کہ انسان نیک

اعمال وافعال کو چھوڑ کر بدعات پر عمل کرنا شروع کرے اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں زندگی برباد کر ڈالے۔

وعن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ رَدِيفَ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى حِمَارٍ فَقَالَ لِيْ يَا مُعَاذُ! اَتَدْرِيْ مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ وَ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ قُلْتُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَ لَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَ حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَفَلَا اُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا اَخْرَجَاهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آپ ﷺ کے خچر پر سوار تھا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے معاذ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ اگر وہ مشرک نہ ہوں تو ان کو عذابِ جہنم سے بچالے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں لوگوں کو اس کی خوشخبری سنادوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ کرنا۔ کیونکہ پھر وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے موقعہ پر اس حدیث کو بیان کر دیا تھا مبادا کتمان حق کے گناہ میں مبتلا ہو جائیں۔

آج کل لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اللہ اپنا حق معاف کر دے گا مگر حقوق العباد معاف نہیں کرے گا۔ حقوق العباد کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر اللہ کا حق پہلے ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اگر اس حق میں کوتاہی ہوئی تو اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (ترجمہ) ''بیشک اللہ تعالیٰ شرک معاف نہیں کرے گا''۔

عبادت کے معنی ہی توحید ہیں۔ مشرکین سے اسی مسئلہ میں اختلاف تھا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے لیکن توحید کے قائل نہ تھے۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ:

''میں اور جن وانس ایک عجیب معاملے میں ہیں، پیدا میں کرتا ہوں لیکن عبادت کسی دوسرے کی ہو رہی ہے۔ رزق میں دیتا ہوں لیکن اظہارِ شکر دوسروں کا ہوتا ہے، میں اپنے بندوں پر احسان ہی کرتا ہوں لیکن ان کی طرف سے بغاوت و نافرمانی کے سوا کچھ نہیں ہو پاتا۔ میں اپنے بندوں پر احسان کر کے محبت کا اظہار کرتا ہوں

لیکن وہ میری نافرمانی کر کے مجھے غصہ دلاتے ہیں''۔

حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ وہ افعال اور اعمل ہیں جن کے کرنے کا انسان کو مکلّف قرار دیا گیا ہے۔

حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لازماً اپنے وعدے پورے کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں سے جو اس کی توحید پر قائم رہیں گے پکا وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو احسن جزا دی جائے گی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک مطیع اور فرمانبردار کا مستحق اجر ہونا یہ ہے کہ اسے انعام واکرام سے نوازا جائے۔ یہاں وہ استحقاق مقصود نہیں ہے جو ایک انسان دوسرے انسان پر کسی خاص معاملے میں کرتا ہے بلکہ اس سے اہل سنت کے نزدیک وہ استحقاق مراد ہے جس کا ذکر ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے کیا ہے کہ: ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے''۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازخود رحمت اور حق کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ اس میں بندے کے اعمال و کردار کو کوئی دخل نہیں ہے۔ کتاب وسنت سے اسی مفہوم کی تائید وحمایت ہوتی ہے۔ یہ رحمت اللہ تعالیٰ نے ازخود خاص کی ہے، مخلوق (کے اعمال) نے نہیں۔ معتزلہ اس مسئلے میں اہل سنت سے اختلاف کرتے ہیں، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ: ''انسان کی اطاعت وفرمانبرداری کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ لازم ہے کہ وہ انسان کی مدد ونصرت کرے کیونکہ انسان اطاعت ہی کی بنا پر جزا کا مستحق ٹھہرتا ہے''۔ معتزلہ کا یہ مسلک غلط ہے۔

اس باب میں چند فوائد ایسے ہیں جن کا تذکرہ پہلے نہیں ہوا جیسے: ☆ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اخلاص سے کرنا۔ ☆ عبادتِ الٰہی شرک کے ہوتے ہوئے فائدہ مند نہیں بلکہ یہ عبادت کی نفی ہوگی اور اس کو شرک سے تعبیر کریں گے۔ ☆ والدین کے حقوق کی عظمت اور ان کی نافرمانی پر صرف تنبیہ ہی نہیں کی گئی بلکہ اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ ☆ کسی خاص مصلحت کی بنا پر کسی کو مسئلہ نہ بتایا جائے تو گناہ نہ ہوگا۔

فیہ مسائل

☆ جن وانس کی پیدائش میں حکمتِ الٰہی کا بیان۔ ☆ عبادت ہی دراصل توحید ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور مشرکین میں باعث نزاع مسئلہ یہی تھا۔ ☆ جو شخص توحید کا اقرار نہیں کرتا گویا اس نے اللہ کی عبادت ہی نہیں کی۔ آیت **وَلَآ أَنتُمْ عَابِدُونَ مَآ أَعْبُدُ** کا مطلب بھی یہی ہے۔ ☆ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت میں جو حکمتیں پنہاں ہیں ان کا ذکر۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کی رسالت تمام امتوں کے لئے عام ہے۔

☆ (سیدنا نوح علیہ السلام سے لے کر امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ تک) تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا۔ ☆ سب سے بڑا مسئلہ اس میں یہ ہے کہ جب تک طاغوت کا انکار نہ کیا جائے تب تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تصور ممکن نہیں۔ آیت کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ''جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کو مانا اس نے عروۃ الوثقیٰ کو مضبوطی سے پکڑ لیا''۔ ☆ طاغوت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے۔ ☆ سلف صالحین کے نزدیک سورہ الانعام کی مذکورہ تین آیات بڑی محکم اور پُرعظمت ہیں۔ ان میں دس مسائل کا تذکرہ ہے۔ ان دس مسائل میں پہلا مسئلہ نہی عَنِ الشِّرک ہے۔ ☆ سُورۂ الاسراء کی محکم آیات میں اٹھارہ مسائل بیان کیے گئے ہیں، جن میں سب سے پہلا مسئلہ یہ بیان ہوا کہ: ''تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا ورنہ ملامت زدہ اور بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائے گا''۔ اور سب سے آخری مسئلہ یہ ہے کہ: ''دیکھ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا بیٹھنا ورنہ تو جہنم میں ڈال دیا جائے گا، ملامت زدہ اور ہر بھلائی سے محروم ہو کر''۔ حقیقت میں یہی مسائل سب سے اہم ہیں جن کی خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو وصیت فرمائی۔ ☆ سورۂ نساء کی آیت جس کا نام ہی اٰيَةُ الْحُقُوقِ الْعَشَرَةِ رکھا گیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے یہی مسئلہ بیان فرمایا کہ: دیکھو! صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے وفات کے وقت جو وصیت فرمائی تھی، اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ ☆ اللہ کو پہچاننا اور ان پر کاربند ہونا۔ ☆ جب لوگ حقوق اللہ کی ادائیگی پوری طرح کر لیں گے تو پھر انہیں ان حقوق کا علم ہو گا جو ان کے اللہ تعالیٰ پر عائد ہوتے ہیں۔ ☆ کسی خاص مصلحت کی بنا پر اگر کوئی مسئلہ کسی وقت نہ بتایا جائے تو یہ جائز ہے۔ ☆ کسی مسلمان کو کوئی اچھی اور خوش کن خبر ملے تو اس کا اپنے ساتھیوں کو بتانا مستحب ہے۔ ☆ بلا عمل، صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرنے سے انسان کو ڈرنا اور بچنا چاہیے۔ ☆ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے متعلق ''اَللّٰہُ و رسولُہٗ اعلمُ'' کہنا۔ ☆ بعض لوگوں کو علم سکھا دینا اور بعض کو نہ سکھانا جائز ہے۔ ☆ اس بات سے رسول اللہ ﷺ کی تواضع کا پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ خچر پر سوار ہیں اور دوسرے شخص کو بھی پیچھے بٹھائے ہوئے ہیں۔ ☆ سواری پر دوسرے شخص کو پیچھے بٹھانے کا جواز۔ ☆ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے شرف و فضیلت کی وسعتیں۔ ☆ مسئلہ توحید کی عظمتِ شان۔

۞۞۞۞۞۞

باب

فضل التوحید ومایکفر من الذنوب

اس باب میں توحید کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ توحید تمام گناہوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتی ہے۔

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَہُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ الۡاَمۡنُ وَ ہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ (۸۲)

حقیقت میں تو امن انہی کے لیے ہے اور راہِ راست پر وُ ہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مذکورۃ الصدر آیت کریمہ نازل ہوئی تو ہم سب نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے کبھی ظلم نہ کیا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا مطلب جو تم نے سمجھا ہے وہ صحیح نہیں۔ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔(صحیح بخاری)۔

سورۂ فاطر آیت: ۳۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ:''پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں برگزیدہ کیا تو اُن میں کچھ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں، کچھ میانہ روی اختیار کرتے ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جاتے ہیں اور یہی بڑا فضل ہے''۔ اس آیت میں مسلمانوں کے تین گروہ بیان کئے گئے ہیں: ۔**ظالم لنفسه**: یہ وہ گروہ ہے جنہوں نے اعمال صالحہ کے ساتھ ساتھ چند اعمالِ سیئہ کا بھی ارتکاب کیا۔ یہ گروہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو بالکل معاف فرمادے اور اگر چاہے تو گناہ کی مناسبت سے ان کو سزا دے کر جنت میں داخل کر دے۔ ۔**مقتصد**: یہ وہ گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے جن اعمال کا حکم ہوا تھا، ان کو بجالائے اور جن برے اور حرام کاموں سے روکا گیا تھا، ان سے دامن کشاں رہے۔ یہ ابرار اور صالحین کی پاکیزہ جماعت تھی۔ ۔**سابق بالخیرات**: یہ وہ گروہ ہے جن کو ایمان کامل نصیب ہوا چنانچہ انہوں اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزاردی۔ پس یہی وہ سعید گروہ ہے جن کو دنیا اور آخرت میں امن تام اور ہدایت کامل نصیب

ہوگی کیونکہ ایمان کامل کا یہ خاصہ ہے کہ جس خوش نصیب کو یہ دولت مل گئی وہ جرائم کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے، پس ایسا خوش نصیب شخص اپنے مالک حقیقی کے سامنے اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کا کوئی گناہ نہ ہوگا جس کی سزادی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ترجمہ: آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزادے اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو اللہ بڑا اقدردان اور سب کے حال سے واقف ہے۔

عن عبادة بن الصّامت رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ .وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ.وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.وَ أَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ. وَ كَلِمَتُهٗ. اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ.وَ رُوْحٌ مِّنْهُ. وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَ النَّارُ حَقٌّ.أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ (اخرجاہ)

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور شہادت دے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور شہادت دے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور یہ بھی شہادت دے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں جو کہ بھیجا اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف۔ اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) اسی کی طرف سے روح ہے۔ اور اس کی بھی شہادت دے کہ جنت اور دوزخ حق ہیں۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بہر حال جنت میں داخل کر دے گا اگر چہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)۔

لا إلٰہ إلاّ اللہ کی تشریح: یعنی جو شخص اس کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے معنی کو سمجھتے ہوئے اور جانتے ہوئے زبان سے اقرار کرے اور اس کے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو عملی جامہ پہنائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ”جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں“۔ (محمد: ۱۹)۔ ”ہاں! جو علم و یقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں“۔

لیکن کلمہ طیبہ کا ایسا اقرار جس سے نہ تو اس کے مفہوم و معانی کا علم ہو نہ یقین ہو، نہ اس کے تقاضوں کے مطابق علم ہو نہ شرک سے بیزاری ہو نہ قول و عمل میں اخلاص ہو، نہ دل اور زبان میں ہم آہنگی ہو اور نہ دل اور اعضاء کے کردار میں یگانگت ہو تو ایسی شہادت بالا جماع غیر نافع اور غیر مفید ہے۔

کلمہ طیبہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ نفی اور اثبات دونوں کو متضمن ہے۔ جملہ لَا اِلٰہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے اُلوہیت کی نفی کرتا ہے اور اِلَّا اللہ اللہ تعالیٰ کے لئے اُلوہیت کو ثابت کرتا ہے۔ کلمہ طیبہ کی حقیقت سے بے خبری اور

جہالت کی وجہ سے اکثر لوگ گمراہ ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے صفتِ اُلوہیت کو ان افراد میں ثابت کرنے کی کوشش کی جن سے اس صفتِ اُلوہیت کی نفی کی گئی ہے۔قرآن کریم میں جہاں انبیاء ومرسلین کا ذکر فرمایا وہاں کلمہءتوحید کی بھی وضاحت کی ہے۔اصحاب القبور کی جہالت کس درجہ بڑھ گئی ہے اور وہ کس قدر شرک عظیم میں مبتلا ہیں کہ جو کلمہ لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کے بالکل منافی ہے۔مشرکین عرب اور ان کی طرح کے دوسرے مشرک بھی لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کا لفظاً ومعنیً انکار کرتے تھے لیکن موجودہ مشرک لفظاً تو اس کا اقرار کرتے ہیں مگر معنیً اس کے منکر ہیں۔ اگر آپ ان کی حالت پر غور کریں تو دیکھیں گے کہ وہ غیر اللہ کی مختلف قسم کی عبادتیں کر رہے ہیں مثلاً محبت، تعظیم، خوف، اُمید، توکل اور دعائیں وغیرہ عبادات میں وہ غیر اللہ کی طرف مائل ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کا شرک کئی اعتبار سے مشرکین عرب کے شرک سے کئی گناہ زیادہ ہے۔

مشرکین عرب کی تو یہ حالت تھی کہ جب کسی قسم کی تکلیف اور مصیبت میں گرفتار ہو جاتے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہی بہت جلد ان کی تکلیفیں دور کرنے والا ہے۔ وہ آسان اُمور میں ارتکابِ شرک کرتے تھے، شدائد وسختی میں صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کو پکارتے تھے، جیسے قرآن کریم میں ان کی حالت بیان کی گئی ہے کہ: ترجمہ: جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں۔ پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکا یک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔(العنکبوت:۶۵)۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ موجودہ دور کے مشرک اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کو سمجھنے میں مشرکین عرب اور ان سے قبل کے لوگوں سے بھی زیادہ ناواقف اور جاہل ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اُن عظیم احادیث میں سے ایک ہے جن کو جوامع الکلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ حدیث عقائد کے تمام مسائل کو محیط ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اختصار کے ساتھ وہ تمام پہلو بیان فرما دیئے ہیں جن سے ایک انسان کفر کے مذاہب سے کٹ کر اسلام کے حصار میں آ جاتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اِلٰہ کا مطلب ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: ''اِلٰہ اس معبود کو کہتے ہیں جس کی عبادت واطاعت کی جائے، کیونکہ اِلٰہ وہ ہے جس کی عبادت کی طرف دل از خود مائل ہو جائے، حقیقت میں یہی ذات عبادت کے قابل ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایسی صفات کاملہ موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ محبوب خلائق ہو جاتا ہے اور مخضوع وہ ہے جس کے سامنے انتہائی خضوع کے ساتھ جھکا جائے۔ وہ ایسا محبوب

اور معبود اِلٰہ ہے جس کی طرف قلوب پوری محبت سے کھنچ جاتے ہیں۔ اسی کے سامنے دل جھکتے ہیں، اسی کے سامنے عجز و انکساری کا مظاہرہ کرتے ہیں، اُسی سے ڈرتے ہیں اور اُسی سے اُمیدین وابستہ کرتے ہیں، مصائب و آلام اور مشکلات کے وقت اُسی کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، مشکل اوقات میں اُسی سے فریاد کرتے ہیں، اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے اُسی سے فریاد کرتے ہیں، اُسی کے ذکر سے دل اطمینان حاصل کرتے ہیں، اُسی کی محبت میں سکون پاتے ہیں۔ ان تمام صفات کی مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یہی وجہ ہے کہ تمام کلاموں میں سچا کلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والے حزب اللہ ہیں۔ اس کے منکر اور اس سے سرکشی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے دشمن اور اُس کے غضب وقہر کا شکار ہیں۔ جب یہ کلمہ صحیح ہو گیا تو اس کے ساتھ ہی تمام مسائل از خود حل ہو جائیں گے اور جس شخص کا یہ کلمہ ہی صحیح نہ ہوا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے علم اور عمل میں فساد پیدا ہو جائے گا۔

محمد رسول اللہ کی وضاحت: وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ:

العبد کے معنی ہیں ایسا غلام جو عابد ہو۔ معنی یہ ہوں گے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں جن کا خاصہ اور وصف عبودیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ترجمہ: ''کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں''؟ بارگاہِ الٰہی میں ایک انسان کا سب سے بلند مقام اور مرتبہ یہ ہے کہ وہ رسالت اور عبودیت خاصہ سے متصف ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ میں یہ دونوں صفتیں بدرجہء اَتم پائی جاتی ہیں۔ رہی ربوبیت اور اُلوہیت تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں اور یہ اسی کا حق ہے۔ جس میں کسی بھی صورت میں کوئی نبی و رسول شریک ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ۔ عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ: رسولِ کریم ﷺ کی یہ دو صفتیں ایک ہی جگہ بیان کی گئی ہیں جو افراط و تفریط کو ختم کرتی ہیں۔ اکثر لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اُمت محمدیہ میں داخل ہیں لیکن وہ قول و عمل میں انتہائی افراط کا ثبوت دیتے ہیں اور آپ ﷺ کی پیروی کو ترک کر کے تفریط سے کام لیتے ہیں اور آپ ﷺ کے احکام و فرامین پر عمل کے بجائے آپ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی ایسی ایسی غلط تاویلیں کرتے ہیں جن کو حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللہ ﷺ کی شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان رسول اللہ ﷺ پر: ایمان لائے، جو آپ ﷺ بتائیں اس کی تصدیق کی جائے، جس کام کا آپ ﷺ حکم دیں اس کی تعمیل کی جائے، جس کام سے روک دیں اُسے چھوڑ دیا جائے اور آپ ﷺ کے امر و نہی کو ایسی اہمیت دی جائے کہ اس کے

مقابلے میں کسی بات کو ترجیح نہ دی جائے۔افسوس کہ ایسے قاضی اور مفتی جو کہ صاحب علم بھی ہیں وہ بھی اس کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔

ان عیسیٰ عبداللہ و رسولہ کا مفہوم: اس حدیث میں کفار عیسائیوں کی تردید بھی موجود ہے۔اس سلسلے میں عیسائیوں کے تین گروہ ہیں: ۔ایک گروہ کا کہنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہی اللہ ہیں۔ ۔دوسرے گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ ۔تیسرے گروہ کا قول یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تین میں سے تیسرے ہیں یعنی اللہ، عیسیٰ اور اُمّ عیسیٰ۔رب ذوالجلال نے ان تینوں عقیدوں کی تردید فرمائی۔حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیا۔ارشاد فرمایا: ترجمہ:''اور نہ کہو کہ ''تین'' ہیں۔باز آ جاؤ۔یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔معبود تو بس ایک اللہ ہی ہے، وہ بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اُس کا بیٹا ہو'' (النساء:۱۷۱)۔اور فرمایا:''یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے''۔ (المائدہ:۱۷)۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی وہ بات بھی نقل کی جو انہوں نے اپنے بچپنے میں گھوارے میں کی تھی: ترجمہ:''میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا......''

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن بعض یہودیوں کا (اللہ ان پر لعنت کرے) اُن پر یہ بھی ایک بہتان تھا کہ وہ صحیح النسب نہیں۔نعوذ باللہ من ذٰلک۔

ایک بندہ مومن کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ یہودیوں کے اس بہتان کی تردید کرے۔عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور یہودیوں کے ان تمام لغو اور باطل عقائد سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بری الذمہ قرار دے۔نیز اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ایمان اور یقین رکھے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔

''وکلمتہٗ'' پر نوٹ: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نام کلمہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے لفظ کُن کہہ کر پیدا فرمایا جیسا کہ سلف مفسرین کرام کا بیان ہے۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف جس کلمہ کو القا فرمایا وہ کلمہ ''کُن'' تھا۔چنانچہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کلمہ ''کُن'' سے پیدا ہوئے، وہ خود کلمہ ''کُن'' نہ تھے۔لہٰذا لفظ ''کُن'' اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور اللہ کا کلمہ مخلوق نہیں ہوسکتا۔سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں اور فرقہ جہمیہ دونوں نے اللہ پر جھوٹ اور افتریٰ باندھا۔

رُوح کے بارے میں صحیح موقف: سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رُوح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اُن ارواح میں سے ایک ہیں جن کو اللہ کریم نے پیدا فرمایا اور جن سے **اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** کہہ کر اپنی ربوبیت کا اقرار کروایا تھا۔ اسی روح کو اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف بذریعہ روح الامین جبریل علیہ السلام بھیجا۔ پس جبریل علیہ السلام نے پھونک ماری اور اللہ تعالیٰ نے لفظ ''کُن'' سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا۔

قولہ: وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ: یعنی اس بات کی گواہی دے اور اقرار کرے کہ جس جنت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خبر دی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے لئے بنایا ہے وہ برحق اور موجود ہے۔ اس میں شک نہیں۔ اور اس بات کا بھی اقرار کرے کہ وہ دوزخ جس کو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے تیار کیا ہے اور جس کی خبر قرآن کریم میں دی گئی ہے وہ بھی برحق اور موجود ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ جنت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ''دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان وزمین جیسی ہے جو تیار کی گئی ہے اُن لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ کریم بڑے فضل والا ہے''۔ اور دوزخ کے بارے میں فرمایا: ''ڈرو اُس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر، جو تیار کی گئی ہے منکرین حق کے لئے''۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث اُن لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو ایمان اور توحید کی بیک وقت شہادت دیتے ہیں۔ یہ شہادت اُن کے اعمال سیئہ کو مغلوب کر دے گی جس کی بنا پر وہ مغفرت، رحمت اور دخول جنت کے حقدار ہو جائیں گے۔

ولھمافی حدیث عتبان: فَاِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِىْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ

بخاری ومسلم میں سیدنا عِتبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لآ اِلٰہ اِلّا اللّٰہ کا اقرار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کے عذاب کو حرام کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کلمہ طیبہ دو ہی چیزوں پر دلالت کرتا ہے: ۱۔ اخلاص۔ ۲۔ شرک کی نفی۔ شرک کی نفی اور اخلاص، یہ دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ جو شخص مخلص نہیں وہ مشرک ہے اور جو سچا نہیں وہ منافق ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مذکورہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو صمیم قلب،

یقین اور بغیر کسی شک اور تردد کے کلمہ کا اقرار کرے اور اسی پر اُس کا خاتمہ ہو کیونکہ توحید کی حقیقت اور اصل یہ ہے کہ کلمہ کے بعد انسان کی رُوح بتمامہ اللہ کریم کی طرف متوجہ ہو جائے اور کھنچ جائے۔ پس جس شخص نے صمیم قلب سے لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کی شہادت دے دی وہ جنت میں داخل ہوگا کیونکہ اخلاص کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان کا دل ربِّ کریم کی بارگاہ میں جھک جائے اور تمام گناہوں سے سچی توبہ کر لے۔ جب انسان اس حالت میں فوت ہوگا تو ان شاءاللہ یہ رُتبہء بلند اُس کو ضرور ملے گا۔

لیکن یہ بات ہرگز نہ بھولنی چاہیئے کہ کلمہ شہادت کا صرف اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اس کلمہ کو انتہائی مشکل اور ثقیل قیود سے مقید کر دیا گیا ہے جن کی پابندی کرنا اور اُن پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔

اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اخلاص کے مفہوم سے بالکل نابلد ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو رسم ورواج کے مطابق یا تقلیداً اور عادۃً کلمہ توحید کا اقرار کر لیتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں توحید کی شیرینی اور بشاشت اثر انداز نہیں ہو پاتی۔ اسی قسم کے افراد کو موت کے وقت اور قبر میں تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب قبر میں سوال ہوگا کہ اسلام کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ ہے؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ: ''میرا عقیدہ تو سنی سنائی باتوں پر تھا، جو کچھ لوگوں نے کہا میں نے وہی کچھ دُہرایا''۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال تقلیداً اور محض اپنے آباؤ اجداد کی اقتداء کے نتیجے میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں: ترجمہ: ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم اُسی کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں''۔ (سورۂ یوسف)۔

پس جو شخص لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کا اقرار تو کرتا ہے لیکن اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا بلکہ گناہوں پر گناہ کیئے چلا جاتا ہے اگر وہ لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ کے اقرار میں سچا ہے، تاہم اس کے گناہوں کی گٹھڑی اتنی بھاری ہے کہ جس نے اس کے صدق اور یقین کو عملی طور پر شرک اصغر سے ملا دیا ہے اور اعمال صالحہ پر گناہ غالب آ گئے ہیں اور گناہوں پر اصرار ہی کی حالت میں فوت ہوا تو ایسے شخص کا یہ اقرار اس کے گناہوں کو نہیں مٹا سکتا بلکہ اُس کے اعمالِ صالحہ پر اُس کے اعمالِ بد غالب آ گئے۔

زیرِ نظر حدیث اس بات کی شاہد ہے کہ ایمان کے لئے صرف زبان سے شہادت کافی نہیں ہے جب تک کہ اس پر اعتقاد نہ ہو اور نہ ہی بلا اعتقاد شہادت کام آئے گی۔ دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ کامل توحید والے شخص پر جہنم حرام ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ عمل اُسی وقت تک کارآمد ہوگا جب تک کہ وہ خالص لوجہ

اللہ اور سنت کے مطابق ادا کیا گیا ہو۔

عن ابن سعید الخدری رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَالَ مُوْسٰ یَا رَبِّ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْکُرُکَ وَ اَدْعُوْکَ بِهٖ قَالَ قُلْ یَا مُوْسٰی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ قَالَ یَارَبِّ کُلُّ عِبَادِکَ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا قَالَ یَا مُوْسٰی لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَ عَامِرَهُنَّ غَیْرِیْ وَ الْاَرْضِیْنَ السَّبْعَ فِیْ کَفَّةٍ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فِیْ کَفَّةٍ مَالَتْ بِهِنَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ رواہ ابن حبان و الحاکم و صححه و للترمذی و حسنه

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے ایسی چیز بتا جس سے تیری یاد کروں اور تجھ سے دُعا کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! لا اِلٰہ اِلَّا اللہ پڑھا کر۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے رب: اسے تو تیرے سب بندے پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! سوائے میرے اگر ساتوں آسمان اور ان کے باشندے اور ساتوں زمینیں، ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں صرف لا اِلٰہ اِلَّا اللہ رکھ کر وزن کیا جائے تو لا اِلٰہ اِلَّا اللہ والا پلڑا بھاری ہوگا۔ اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

قوله قُلْ یَا مُوْسٰی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ :۔ اس جملے سے واضح ہوا کہ لا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا پورا ورد کرنا چاہیئے۔ صرف لفظ ''اللہ'' یا صرف لفظ ''ھو'' پر اکتفا کرنا غلط ہے جیسا کہ غُلات وجُہال صوفیا کرتے ہیں۔ اُن کا یہ عمل بدعت اور گمراہی پر مبنی ہے۔ چونکہ پورے عالم کو کلمہ طیبہ لا اِلٰہ اِلَّا اللہ کی اشد ضرورت تھی اس کے علاوہ کسی بھی وظیفہ کی اتنی حاجت اور ضرورت نہ تھی اس بنا پر اس ذکر کو کثرت سے بیان کیا گیا۔ اس کو یاد کرنا بھی آسان بنا دیا گیا اور اس کا معنی بھی جامع ہے۔ لیکن افسوس کہ جاہل عوام اور صوفیوں نے اس عظیم اور بابرکت ذکر کو چھوڑ کر ایسے نئے نئے وظیفے اور وِرد ایجاد کر لئے ہیں جن کا کتاب وسنت میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔

زیر بحث حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لا اِلٰہ اِلَّا اللہ افضل الذکر ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ترجمہ: تمام دعاؤں سے افضل ترین عرفہ کی دعا ہے اور تمام ادعیہ سے بہتر وہ دعا ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی بادشاہ ہے سب قسم کی حمدیں اُسی کو لائق ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (مسند احمد، ترمذی)۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک اور مرفوع روایت منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ترجمہ: قیامت کے دن پوری کائنات کے سامنے ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کے سامنے اُس کے ۹۹ دفتر برائیوں کے رکھ دیئے جائیں گے۔ ہر دفتر اتنا لمبا چوڑا ہوگا کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے وہ پھیلا ہوا دکھائی دے گا۔ اس شخص سے سوال ہوگا کہ ان برائیوں میں سے کسی ایک کی تردید کرسکتا ہے؟ آیا میرے محافظوں نے کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ گناہ گار جواب دے گا مجھے انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اس سے پھر سوال ہوگا کہ کوئی عذر ہو تو پیش کرو؟ یا کوئی عمل صالح ہو تو پیش کرو۔ بندہ ڈرتے ڈرتے جواب دے گا کہ مجھے کوئی عذر نہیں اور نہ میرے پاس کوئی عمل صالح ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا کہ تمہاری ایک نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے تم پر آج ظلم نہیں کیا جائے گا، اس کا ایک کاغذ کا پرزہ نکالا جائیگا جس پر لکھا ہوگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے سچے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ گنہگار بندہ عرض کرے گا کہ یا اللہ! اتنے بڑے بڑے دفتروں کے مقابلے میں ایک کاغذ کے پرزے کی کیا حیثیت ہے؟ جواب ملے گا کہ آج تجھ پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا۔ چنانچہ بڑے بڑے دفتر ترازو کے ایک پلڑے میں اور کاغذ کا ایک پرزہ دسرے پلڑے میں رکھ کر جب وزن کیا جائے گا تو لا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے کاغذ والا پلڑہ بھاری ہو جائیگا۔ (ترمذی)۔

عن انس رضی اللہ عنہ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَابْنَ اٰدَمَ لَوْ اَتَیْتَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَایَا ثُمَّ لَقِیْتَنِیْ لَا تُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا لَاَتَیْتُکَ بِقُرَابِھَا مَغْفِرَۃً

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ابن آدم! اگر تو میرے پاس گناہوں سے پوری زمین بھر کر لے آئے پھر اس میں شرک نہ ہو تو میں اسی مقدار میں بخشش کی بارش کروں گا۔ (ترمذی)۔

اللہ رب العزت نے مغفرت کے لئے بڑی زبردست اور بھاری شرط لگائی ہے کہ شرک قلیل ہو یا کثیر، شرک اکبر ہو یا شرک اصغر، بہرحال شرک سے صحیح سلامت رہنا مغفرت کے لئے شرط اوّل ہے اور اس سے وہی انسان محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم سے نوازا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ''جب کہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لئے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو''۔ (الشعراء:۸۸تا۸۹)۔

زیر بحث حدیث کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ابن رجب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جس شخص کے

گناہوں کا عالم یہ ہو کہ ان سے زمین کا چپہ چپہ بھرا ہوا ہو، لیکن وہ اپنے نامہ ءاعمال میں توحید کی دولت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے سب گناہ معاف فرما دے گا۔ اگر انسان توحید میں کامل ہے، اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے اور توحید کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، دل، زبان اور جوارح سے اس کے شروط کا پابند ہے یا موت کے وقت صرف دل اور زبان سے اس کو ماننے کا اقرار کرتا ہے تو اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دے گا اور اس کی لازماً مغفرت فرمائے گا۔ اس کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ پس جس شخص نے کلمہ ءتوحید کو دل سے تسلیم کر لیا تو اس کے قلب سے غیر اللہ کی محبت، تعظیم، اس کی بڑائی، اور اس کا ڈر، خوف اور توکل یکسر نکل جائے گا اور یہ کلمہ اُس کے تمام خطایا و معاصی کو جلا کر رکھ دے گا اگر چہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں''۔

فیہ مسائل

☆ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وسعت۔ ☆ رب کریم کے ہاں توحید کے اجر و ثواب کی کثرت۔ ☆ اجر و ثواب کے علاوہ توحید گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔ ☆ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو پانچ باتیں ہیں اُن پر غور۔ ☆ اگر سیدنا عبادہ بن صامت اور سیدنا عتبان رضی اللہ عنہما کی احادیث کو جمع کرو گے تو لَا اِلٰہ اِلَّا کے معنی سمجھ میں آ جائیں گے اور جو لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں ان کی غلطی واضح ہو جائے گی۔ ☆ سیدنا عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو شرط ہے اس پر خوب غور کرنا چاہیئے۔ ☆ انبیائے کرام علیہم السلام بھی لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کی فضیلت جاننے کے محتاج تھے۔ ☆ اس بات پر بطورِ خاص غور کرنا ضروری ہے کہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ تمام چیزوں سے بھاری ہے مگر بہت سے بدقسمت لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کہنے والوں کی ترازو ہلکی ہوں گی۔ ☆ اس بات کی صاف تصریح موجود ہے کہ آسمانوں کی طرح زمین کے بھی سات طبقے ہیں۔ ☆ زمینوں اور آسمانوں میں آبادیاں ہیں۔ ☆ اللہ کریم کی صفات کا ثبوت بخلاف اشعریہ کے (وہ صفات الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں)۔ ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دونوں کو اللہ کا بندہ اور رسول کہنے میں غور و فکر کرو۔ ☆ اس بات کی معرفت کہ (صاحب توحید کا لازمی جنت میں جانا) اگر چہ وہ کیسے ہی عمل کرتا ہو۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے لفظ ''وجہ'' یعنی ''چہرہ'' کا استعمال ہونے کو سمجھنا۔

بابُ

مَنْ حَقَّقَ التَّوحِيْدَ دَخَلَ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٌ

اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص توحید خالص پر عمل پیرا ہوا، وہ بلا حساب جنت میں داخل ہو گیا۔

مَنْ حَقَّقَ التَّوحِيْدَ دَخَلَ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٌ

تحقق کے معنی یہ ہیں کہ انسان توحید کو اپنے عمل میں سمو لے اور اس کو شرک، بدعت اور معاصی کے شائبوں سے پاک کرے۔ توحید کو اپنے اعمال و کردار میں سمو لینا اُمت محمدیہ کے لئے بہت ضروری ہے۔ یہ ان اہل ایمان کی خاص علامت ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے چن لیتا ہے۔ مخلصین کی تعداد ابتدائے اسلام میں بکثرت تھی لیکن آخر میں بہت کم رہ جائے گی اور وہ بھی مساکین پر مشتمل ہو گی، البتہ ان کی قدر و منزلت اللہ کریم کے ہاں بہت بلند ہو گی۔

بِغَیْرِ حِسَابٍ کا مطلب یہ ہے کہ اسے عذاب نہ ہو گا۔

قول اللہ تعالیٰ: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حنيْفًا وَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

جناب ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک پوری اُمت تھے، اللہ کے مطیع فرمان اور یک سُو وہ کبھی مشرک نہ تھے۔ (**النحل:۱۱**)۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وہ صفات بیان فرمائی ہیں جو توحید کی اصل غرض و غایت ہیں۔

۱۔ پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ كَانَ اُمَّةً: یعنی جناب ابراہیم علیہ السلام بہترین نمونہ تھے، معلمِ خیر اور امام تھے۔ ان کی زندگی مخلوقِ الٰہی کے لئے مشعل راہ تھی۔ یہ بلند مقام جناب ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت حاصل ہوا جب انہوں نے صبر اور یقین کامل کی تمام منزلوں کو طے کر لیا حقیقت میں یہی وہ دو وصف ہیں جن کی وجہ سے ایک انسان دین میں امامت کے بلند و بالا مقام پر فائز ہو جانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۲۔ قَانِتًا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زندگی کو اطاعت الٰہی میں تسلسل و دوام کے ساتھ گزار دینے کا نام قنوت ہے۔

۳۔ اِنَّهُ كَانَ حنيفًا علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو اور ماسوٰی اللہ سے منہ موڑ لے، اسے اُلْحَنِيْفُ کہتے ہیں۔

۴۔ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ: جناب ابراہیم علیہ السلام اخلاص اور توکل جیسے عظیم عمل میں یکتا و فرد اتھے اور سچائی کی اعلیٰ منزل پر فائز تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شرک کی آلائشوں سے پاک اور اس کی حدود سے دور تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ) جب انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا ''ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ'' (الممتحنہ:۴)۔

اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیم علیہ السلام کا وہ مشہور قول بھی نقل کیا جو انہوں نے اپنے باپ آذر سے کہا تھا: (ترجمہ) ''میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور اُن ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کے علاوہ پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کے نامراد نہ رہوں گا۔ پس جب وہ ان لوگوں سے اور ان کے معبودان غیر اللہ سے جدا ہو گیا تو ہم نے اس کو اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو نبی بنایا''۔ (سورۂ مریم)۔

جناب ابراہیم علیہ السلام نے شرک اور مشرکین سے بیزاری کا اظہار، ان سے عداوت اور ان کے کافرانہ عقائد سے انکار کر کے اور ان سے دشمنی کر کے تحقیق توحید کی وہ تصویر کھینچی ہے جس کی مثال پیش کرنا ممکن نہیں۔

زیرِ بحث آیت اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً سے یہ بات وضح ہوتی ہے کہ اہل توحید کو اپنی قلتِ تعداد پر گھبرانا نہ چاہیے۔

قوله: قَانِتًا لِّلّٰه یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نہ تو بادشاہوں کے سامنے جھکتے تھے اور نہ فضول خرچ تاجروں کے حضور گردن کو خم کرتے تھے۔

قولہ: حَنِيْفًا یعنی ابراہیم علیہ السلام فریب خوردہ عُلماء کی طرح اِدھر اُدھر جھک جانے کے قائل نہ تھے۔

وقال : وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ (المومنون:۵۹) اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک نہیں کرتے۔

یہ ان مومنین کی صفت ہے جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کی وہ خوبی بیان فرمائی ہے جو سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ یعنی یہ کہ ان کا دامن شرک سے آلودہ نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان کو بسا اوقات ایسے ایسے واقعات اور اعمال سے واسطہ پڑتا ہے جو اس کے اسلام اور ایمان کو داغدار کر دیتے ہیں۔ جیسے شرکِ جلی اور شرکِ خفی۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ایک پکے اور سچے مومن کی یہ تعریف بیان کی کہ لاَ یُشْرِکُوْنَ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ کسی صورت میں بھی شرک کا ارتکاب نہیں کرتے۔ یہی معنیٰ ہے توحید کو اپنے اعمال میں سمونے کا۔ اس سے اعمال سنورتے اور نفع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ اعمال میں یہ جلا اس وقت پیدا ہو گی جب انسان شرکِ اصغر سے دامن بچائے رکھے۔ رہا شرکِ اکبر تو اس سے انسان سرے سے مسلمان ہی نہیں رہتا۔

عن حصین بن عبدالرّحمن قال کُنْتُ عِنْدَ سَعِیْدِ بن جُبَرٍ فَقَالَ اَیُکُمْ رَاَی الْکَوْکَبَ الَّذِیَ اِنْقَضَّ الْبَارِحة فَقُلْتُ اَنَا ثُمَّ قُلْتُ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَکُنْ فِیْ صَلٰوۃٍ وَلٰکِنِیْ لُدِغْتُ قَالَ فَمَا صَنَعْتَ قُلْتُ اِرْتَقَیْتُ قَالَ فَمَا حَمَلَکَ عَلٰ ذٰلِکَ قُلْتُ حَدِیْثٌ حَدَّثَنَاہُ الشَّعْبِیُّ قَالَ مَا حَدَّ ثَکُمْ قُلْتُ حَدَّثَنَا عَنْ بُرَیْدَ ۃَ بنُ الْحُصَیّبِ اَنَّہٗ قَالَ لَا رُقْیَۃَ اِلَّا مِنْ عَیْنٍ اَوْ حُمَۃٍ قَالَ وَ قَدْ اَحْسَنَ مَنِ انْتَھٰی اِلٰی مَا سَمِعَ وَلٰکِنْ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّا سٍ عَنِ النَّبِیِ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ عُرِضَتْ عَلَیَّ الْاُ مَمُ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ وَ مَعَہُ الرَّھْطُ وَالنَّبِیَّ وَ مَعَہُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ والنَّبِیَّ وَ لَیْسَ مَعَہُ اَحَدٌ قولہٗ وَالنَّبِیَّ وَ مَعَہُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ والنَّبِیَّ وَ لَیْسَ مَعَہٗ اَحَدٌ اِذْ رُفِعَ لِیْ سَوَادٌ عَظِیْمٌ فَظَنَنْتُ اَنَھُمْ اُمَّتِیْ فَقِیْلَ لِیْ ھٰذَا مُوْسٰی وَ قَوْمُہٗ فَنَظَرْتُ فَاِذَا سَوَادٌ عَظِیْمٌ فَقِیْلَ لِیْ ھٰذِہٖ اُمَّتُکَ وَ مَعَھُمْ سَبْعُوْنَ اَلْفاً یَّدْ خُلُوْنَ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٍ وَلَا عَذابٍ ثُمَّ نَھَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَہٗ فَخَاضَ النَّاسُ فِیْ اُو لٰئِکَ فَقَالَ بَعْضُھُمْ فَلَعَلَھُمُ الَّذِیْنَ صَحِبُوْا رَسُوْلَ اللہِ ﷺ وَقَالَ بَعْضُھُمْ فَلَعَلَھُمُ الَّذِیْنَ وُلِدُوْا فِی الاِسْلَامِ فَلَمْ یُشْرِکُوْا بِاللہِ شَیْئاً وَذَکَرُوْا اَشْیَآءَ فَخَرَجَ عَلَیْھِمْ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ فَاَخْبَرُوْہُ فَقَالَ ھُمُ الّذِیْنَ لَا یَسْتَرْقُوْنَ وَ لَا یَکْتَوُوْنَ وَ لَا یَتَطَیَّرُوْنَ وَ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتوَکّلُوْنَ فقامَ عُکَّاشۃُ ابْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ اُدْ عُ اللہَ اَنْ یَجْعَلَنِیْ مِنْھُمْ قَالَ اَنْتَ مِنْھُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ اٰخرُ فَقَالَ اُدْ عُ اللہَ اَنْ یَجْعَلَنِیْ مِنْھُمْ فَقَالَ سَبَقَکَ بِھَا عُکَّاشَۃُ

حصین بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سعید بن جبیر کے پاس تھا کہ سعید کہنے لگے:

آج رات ستارے کو ٹوٹتے ہوئے تم میں سے کس نے دیکھا ہے؟ حصین نے کہا کہ ہاں میں نے دیکھا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ میں نماز میں مشغول نہ تھا بلکہ مجھے کسی چیز نے کاٹ کھایا تھا جس کی مجھے سخت تکلیف تھی۔ انہوں نے کہا پھر تم نے کیا کِیا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے جھاڑ پھونک سے کام لیا۔ انہوں نے کہا یہ کیوں کیا؟ میں نے کہا شعبی سے مروی ایک حدیث کی بناء پر۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا حدیث ہے جو انہوں نے بیان کی ہے؟ میں نے کہا ہم سے بریدہ بن الحصیب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کی کہ نظر بد اور کسی زہریلی چیز کے کاٹ کھانے کے سوا اور کہیں جھاڑ پھونک یا دم مفید نہیں۔ جس شخص نے جو سنا اسی پر اکتفا کیا اور اسی پر عمل پیرا رہا تو اس نے بہت اچھا کیا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا کہ: مجھے بہت سی اُمتیں دکھائی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ تو بہت بڑی جماعت ہے اور کسی نبی کے ساتھ صرف ایک یا دو ہی آدمی ہیں اور ایسے نبی کو بھی دیکھا جس کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ اچانک میرے سامنے ایک انبوہِ کثیر آیا، میں نے خیال کیا کہ کہ میری امت ہو گی لیکن مجھ سے کہا گیا کہ یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے۔ اس کے بعد میں نے ایک بہت ہی بڑے انبوہ کو دیکھا، مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی اُمت ہے اور آپ کی امت میں ستر ہزار افراد وہ ہیں جو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ واقعات سُنا کر رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپس میں ان ستر ہزار افراد کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ بعض کا کہنا تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو آپ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ بعض صحابہِ کرام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اسلام میں پیدا ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا، اس کے علاوہ صحابہِ کرام رضی اللہ عنہم نے اور توجیہات بھی کیں۔ نبی اکرم ﷺ جب تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی مختلف آراء کا اظہار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلکہ یہ وہ افراد ہوں گے جو دَم نہیں کرواتے۔ اور نہ وہ اپنے جسموں کو داغنے کے قائل ہیں۔ اور نہ وہ فال لیتے ہیں اور وہ اپنے اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ عکاشہ بن محصن نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو ان میں سے ہی ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرے صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے بھی دعا فرمایئے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے عکاشہ رضی اللہ عنہ بازی لے گیا۔

حدیث مبارک کے ان الفاظ سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو کثرت تعداد کو صحت مذہب کی دلیل

قرار دیتے ہیں۔نجات پانے والے اگرچہ قلیل تعداد میں ہی ہوتے ہیں۔حقیقت میں یہی سوادِ اعظم ہیں۔ کیونکہ ان کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے۔لہٰذا لوگوں کی کثرتِ تعداد پر دھوکہ نہ کھانا چاہئے کیونکہ سابقہ لوگ اسی کثرت کے گھمنڈ میں آ کر ہلاک ہو گئے،حتیٰ کہ بعض اہل علم بھی جاہلوں اور گمراہ افراد کے عقائد میں گرفتار ہو گئے اور کتاب وسنت کو پس پشت ڈال دیا۔

امت محمدیہ کی اس درجہ عظمت وتوقیر اور ستر ہزار افراد کے بلاحساب جنت میں داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے توحید کو فکر وعمل میں سمونے کی کوشش کی۔

۱۔ مسند احمد اور بیہقی میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ: (ترجمہ) میں نے اپنے رب سے تعداد میں اضافے کی التجا کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار کا اضافہ کر دیا۔

۲۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ راقی اور مسترقی میں فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''مسترقی تو وہ سائل ہوتا ہے جو بصدق قلب غیر اللہ کی طرف مائل اور ملتفت ہو بخلاف راقی یا دم کرنے والے کے کہ یہ بصدق قلب احسان کا اظہار کرتا ہے۔پھر فرماتے ہیں کہ ستر ہزار افراد کی یہ صفت توکل علی اللہ کی وجہ سے ہے کہ وہ کسی دم کرنے والے کے دم کی خواہش کا اظہار بھی نہیں کرتے''۔

۳۔ وہ ستر ہزار افراد جو بلاحساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے ان کی نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ شرک کی کسی بھی قسم میں مبتلا نہ ہوں گے اور اپنی حقیر سے حقیر ضرورت کو بھی انہوں نے غیر اللہ کے سامنے نہ رکھا،حتیٰ کہ دم کرانے اور سنگھی لگوانے تک کی پرواہ نہ کی۔اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان کا اللہ پر توکل اور بھروسہ تھا۔ اپنی مشکلات صرف اللہ کے سامنے پیش کرتے تھے اور اللہ کی قضا وقدر کے علاوہ کسی کی طرف بھی ان کی توجہ نہ تھی۔وہ صرف اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے،اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ اللہ کی تقدیر اور اس کی مرضی کے مطابق آتی ہیں لہٰذا وہ مصائب ومشکلات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔جیسا کہ قرآن کریم میں جناب یعقوب علیہ السلام کا رجوع الی اللہ منقول ہے کہ: قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ انہوں نے کہا کہ ''میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصل اور جامع بنیاد کی طرف اشارہ کیا ہے جس پر تمام افعال اور خصائل کی تعمیر ہوتی ہے اور وہ ہے توکل علی اللہ،یعنی سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع ہونا،اس کی ذات پر کامل اعتماد ویقین

رکھنا۔توحید کا یہی وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں سے محبت، خوف ورجاء اور اللہ تعالیٰ کو رب اور اِلٰہ ومعبود تسلیم کرنے کے سوتے پھوٹتے ہیں اور جہاں قضائے الٰہی کے فیصلوں پر اظہار خوشی کا ثمرہ ملتا ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اس حدیث سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لوگ بالکل ظاہری اسباب کا سہارا اختیار نہیں کرتے تھے کیونکہ ظاہری اسباب کو استعمال میں لانا تو ایک فطری امر ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ظاہری اسباب کو بروئے کار لانا عین توکل ہے۔

اس مقام پر علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ:''مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ اسباب کو بروئے کار لانا اور علاج کے لئے کوشاں ہونا ضروری ہے اور یہ کوشش توکل کے خلاف نہیں ہے۔جیسا کہ بھوک اور پیاس کو ختم کرنے کے لئے کھانا پینا اور گرمی سردی سے بچاؤ کے لئے موسم کے مطابق کپڑے پہننا توکل کے خلاف نہیں بلکہ اسباب کو استعمال میں لانا عین توکل ہے جو لوگ اسباب کو ترک کر کے بیٹھ جاتے ہیں بسا اوقات ان کے توکل میں خلل اور نقص پیدا ہو جاتا ہے اور ترکِ اسباب توکل کے سراسر منافی ہے۔درحقیقت توکل انسان کے اعتماد علی اللہ کے لئے لازمی ہے۔جس سے دین ودنیا کے فوائد حاصل کرنے میں انسان کو مدد ملتی ہے اور وہ دین ودنیا میں فساد سے محفوظ رہتا ہے اور اس اعتماد کے لئے اسباب کو بروئے کار لانا انتہائی ضروری ہے جو شخص اسباب کو چھوڑ جاتا ہے گویا اس نے حکمت و دانائی اور شریعت کو چھوڑ دینے کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔پس انسان کو چاہئے کہ وہ ترکِ اسباب کو توکل نہ سمجھ بیٹھے اور نہ توکل کو ترک،اسباب کا بہانہ بنائے۔

فیہ مسائل

☆ توحید کے بارے میں لوگوں کے درجات کی معرفت۔ ☆ توحید کی تحقیق یا اس کو زندگی میں سمونے کے کیا معنی ہیں؟ ☆ اللہ تعالیٰ کا جناب ابراہیم علیہ السلام کی اس بات پر تعریف کرنا کہ اُن کا دامن شرک سے آلودہ نہ تھا۔ ☆ اونچے درجے کے لئے اولیاء کرام کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی کہ ان کا دامن شرک سے پاک ہے۔ ☆ دم کرانے اور داغ دلوانے کو چھوڑ دینا، یہی توحید کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ ☆ ان اوصاف کا حامل ہونا ہی توکل ہے۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم ومعرفت کی گہرائی اس بناء پر تھی کہ وہ اسے عمل کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ ☆ اس سے اعمالِ صالحہ کے لئے ان کی حرص ومحبت کا پتا چلتا ہے۔ ☆ اُمت محمدیہ کی اس فضیلت کا علم ہوتا ہے کہ وہ رفعت درجات اور کثرت تعداد کے لحاظ سے تمام اُمتوں سے افضل ہے۔ ☆ سیدنا موسیٰ

علیہ السلام کی اُمت کی فضیلت اور شرف۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کے اس معجزے کا بھی علم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے تمام انبیائے کرام کی اُمتوں کو پیش کیا گیا۔ ☆ یہ کہ میدان حشر میں تمام اُمتیں اپنے اپنے انبیاء کے ساتھ ہوں گی۔ ☆ انبیاء کی دعوت کو عام طور پر کم ہی لوگوں نے قبول کیا۔ ☆ جس نبی کو کسی شخص نے بھی تسلیم نہیں کیا وہ اکیلا ہی دربارِ الٰہی میں پیش ہوگا۔ ☆ علم صحیح کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان کثرت تعداد پر غرور نہ کرے اور قلت تعداد سے پست ہمت نہ ہو۔ ☆ بچھو اور سانپ وغیرہ موذی چیزوں کے زہر اور نظرِ بد سے دم کرانے کی رخصت۔ ☆ جناب سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے کہ ''قَدْ اَحْسَنَ من انتھیٰ الی ما سمع'' سلف امت کے تبحر علمی کی نشان دہی ہوتی ہے۔ ☆ سلف صالحین کا بلا استحقاق کسی کی مدح وستائش سے دور رہنا۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ انت منھم (کہ تو ان میں سے ہی ہے) آپ کی علامات نبوت میں سے تھا۔ ☆ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا علم۔ ☆ رسول اللہ ﷺ ذو معنی کلام سے بھی کام لیا کرتے تھے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کا حسن خلق۔

باب

الخوف من الشرک

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ شرک سے ڈرنا ضروری ہے

اِنَّ اللّٰہَ لاَ یَغْفِرُ اَنْ یُشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۔(النساء)

اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں، وہ جس کے چاہتا ہے، معاف کر دیتا ہے۔

شرک کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغض وعناد اور کینہ رکھا جائے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے کبر و بغاوت کا اظہار کیا جائے اس کے سامنے اپنے آپ کو گرانے اور مطیع ہونے سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

شرک اس لئے بھی بدترین فعل ہے کہ اس سے خالق اور مخلوق کے درمیان تشبیہ پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام خصوصیاتِ الوہیت میں یکتا ہے۔

کسی کو تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کرے تو اللہ، کسی کو نفع اور فائدہ پہنچائے تو اللہ، کسی کو کچھ دے تو اللہ،

کسی سے کوئی چیز چھین لے تو اللہ۔

یہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں اب اگر کوئی شخص دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، دوسروں سے ڈرتا ہے اور دوسروں پر بھروسہ رکھتا ہے تو وہ گویا مخلوق کو خالق کے ساتھ ملا دینے کی کوشش کرتا ہے اور تشبیہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

یعنی ایسے شخص کو معبود قرار دے لیتا ہے جو☆ نہ تو اپنی جان کو نفع پہنچا سکتا ہے، ☆ نہ اپنی جان کو نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے، ☆ نہ اسے موت پر اختیار ہے، ☆ اور نہ زندگی پر دسترس۔ ☆ نہ اسے اس پر قدرت ہے کہ خود بخود مرنے کے بعد جی اٹھے۔ ایسی کمزور اور بے بس مخلوق کو اس اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دینا جو☆ تمام طرح کی ستائش کا سزاوار ہے، ☆ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ ☆ جس کی زمین و آسمان میں بادشاہت ہے۔ ☆ اور جس کے ہاں ہر شے کو بالآخر لوٹنا ہے۔ ☆ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہر طرح کی بھلائی اور خیر ہے۔ ☆ اور وہی تمام مشکلات پر قابو رکھتا ہے۔ ☆ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوسکتا۔ ☆ وہ جسے دینا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ ☆ اور جس سے کسی نعمت کو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ ☆ جب وہ لوگوں پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے تو اسے بند کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ☆ اور جس کے لئے بند کر دے تو اس کے لئے کھولنے والا کوئی نہیں۔ ☆ وہ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ ☆ پس جو فی نفسہٖ عاجز، مسکین وفقیر ہو، اس کو اس ذات سے تشبیہ دینا جو بذاتِ خود قادر اور غنی ہو، یہ انتہا درجے کی بری تشبیہ ہے۔

اللہ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام وجوہ سے کامل ترین ذات ہو جس میں کوئی نقص نہ ہو۔ یہی وہ اعلیٰ صفت ہے جس کی بناء پر وہ تمام عبادات کا تنہا مستحق ٹھہرتا ہے۔ تعظیم وتوقیر، خشیت ودعا، رجاو انابت، توکل وتوبہ، استعانت اور انتہائی محبت وشفقت، کمال تضرع وتذلل کے ساتھ، عقل، فطرت اور شرع کا یہ تقاضہ ہے کہ یہ تمام چیزیں بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور کسی کو زیب نہیں دیتیں۔

جس کم عقل نے یہ صفات کسی مخلوق میں سمجھیں اس نے غیر اللہ کو ایسی ذات سے تشبیہ دی جس کے کوئی مشابہ اور ہم پلہ نہیں اور جس کا کوئی شریک ہے نہ نظیر ہے۔

ان ہی اُمور کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ وہ شرک جیسے بدترین عمل کو ہرگز نہ بخشے گا۔ باوجود اس کے کہ وہ اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دے چکا ہے۔

وَقَالَ الخَلِيْل وَاجْنُبْنِیَ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامُ ''اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا''۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہیں کہ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو اصنام کی عبادت سے بچائے رکھنا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور ان کی اولاد کو اصنام کی عبادت سے صرف دُور ہی نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔

اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اصنام کے بارے میں یہ بات بیان فرمائی ہے کہ: (ترجمہ) ''ان اصنام نے بہت سی مخلوق کو گمراہی میں مبتلا کر دیا ہے''۔ لہٰذا ان سے بچتے رہنا چاہئے مبادا ان کی وجہ سے اس دَور میں بھی گمراہی نہ پھیل جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں اصنام ہی کی وجہ سے لوگ راہ راست سے بھٹکتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شرک کی آفت سے وہی شخص بے خوف ہوسکتا ہے جو اس کی سنگینی سے بے خبر ہو اور وہی شخص شرک اور اس کی آفتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا علم ہو اور توحید کے اسرار و رموز اس کے سامنے ہوں اور اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم کے نام سے پکارا ہے۔

صَنَمٌ: پتھر وغیرہ سے بنائی ہوئی تصویر کو صنم کہتے ہیں۔ **وَثَنٌ:** جو صرف تصویر ہو اسے وثن کہتے ہیں۔ ''صنم'' کو ''وثن'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ وثن عام ہے۔ ہر صنم کو وثن کہا جاسکتا ہے قبر بھی وثن میں داخل ہے

و فی الحدیث اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَفُ عَلَیْکُمُ الشِّرکُ الْاَصْغَرُ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بارے میں مجھے سب سے زیادہ خطرہ شرکِ اصغر کا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے بلند مقام اور ان کے کمال علم اور قوت ایمانی کے باوجود جب ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو شرکِ اصغر کا خطرہ تھا تو ان نفوسِ قدسیہ کے بعد آنے والے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جن کی علمی حیثیت بھی کمزور ہے اور قوت ایمانی بدرجہا ناقص ہے اور خصوصاً دَورِ حاضر میں جبکہ علماء تک کا یہ حال ہے کہ توحید کو بس اتنا ہی سمجھتے ہیں جتنا کہ مشرکینِ عرب نے سمجھا تھا۔ یہ لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ کلمہء اخلاص یعنی (لا اِلٰہ اِلاَّ اللہ) نے ہر طرح کے شرک کی جڑ کاٹ دی ہے۔

و عن ابن مسعود اَنَّ رَسُوْ لَ اللہ ﷺ قَالَ مَنْ مَاتَ وَ ھُوَ یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللہِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ

سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص غیر اللہ کو پکارتے

پکارتے مرگیا وہ جہنم میں داخل ہوگا‘‘۔(رواہ البخاری)۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عبادت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں شریک بنانا جیسے کسی کو پکارنا، سوال کرنا اور غیر اللہ کی دہائی دینا اور اس سے مدد طلب کرنا، وغیرہ، ایسا شخص جہنم میں داخل ہوگا جو اس طرح کے شرک کا مرتکب ہوگا۔

غیر اللہ کو ’’نِد‘‘ قرار دینے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ غیر اللہ کو تمام عبادات میں یا کسی خاص عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اس کو شرک کہتے ہیں۔ ۲۔ دوسری قسم شرکِ اصغر ہے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ ’’وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور تم چاہو گے یا اگر اللہ تعالیٰ اور آپ نہ ہوتے تو، یا، ریا اور دکھلاوا وغیرہ۔ کیونکہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو کہا تھا کہ: ’’جو اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ چاہیں‘‘۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’تم نے مجھے اللہ کا شریک بنادیا ہے۔ بلکہ وہی ہوگا جو صرف اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے گا‘‘۔

عن جابر اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ لَقِیَ اللهَ لَا یُشْرِکُ بِهٖ شَیْئاً دَخَلَ الْجَنَّةَ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اس حالت میں موت آئی کہ اُس نے شرک نہیں کیا، تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔(**صحیح مسلم**)۔

وَ مَنْ لَقِیَهُ یُشْرِکُ بِهٖ شَیْئاً دَخَلَ النَّارَ

اور جو شرک کرتے کرتے مرگیا وہ جہنمی ہے۔(رواہ البخاری)۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ: ’’مشرک خواہ یہودی ہو یا نصرانی، اہل کتاب میں سے یا وثنی۔ کسی قسم کا بھی مشرک ہو وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اہل حق کے نزدیک کسی کا کفر عنادی ہو یا غیر عنادی اس میں کوئی فرق نہیں ہے‘‘۔

ملت اسلامیہ کی جو شخص مخالفت کرے یا مخالفت کے بعد اس پر کفر کا اطلاق ہوتا ہو، ان میں بھی کوئی فرق نہیں ہے البتہ جو شخص شرک کے بغیر جہنم میں جائے گا، اسے بہر حال نجات مل جائے گی۔ جو شخص کبیرہ گناہوں سے بچتے ہوئے فوت ہوا وہ بلا عذاب کے جنت میں داخل ہوگا اور جو کبیرہ گناہ پر مُصر مَرا تو وہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اگر اسے معاف کردیا گیا تو پہلے ہی جنت میں داخل ہوگا ورنہ سزا بھگت کر جنت میں پہنچ جائے گا۔

فیہ مسائل

ا۔شرک سے ڈرنا۔۲۔ریا کاری شرک میں سے ہے۔۳۔ریا کاری شرکِ اصغر ہے۔۴۔نیک لوگوں پر بہ نسبت اور چیزوں کے ریا کاری کا زیادہ خوف کیا جاتا ہے۔۵۔جنت اور دوزخ کا قریب ہونا۔۶۔جنت اور دوزخ کے قریب ہونے کو ایک ہی حدیث میں جمع کرنا۔۷۔جو بلا شرک کئے اللہ تعالیٰ سے ملے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو شرک کرتے کرتے اللہ سے ملے گا وہ جہنم میں جائے گا اگرچہ وہ بڑا عابد وزاہد کیوں نہ ہو۔۸۔سب سے اہم مسئلہ یہ بیان ہوا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے اور اپنی اولاد کے لئے دعا کرنا کہ ان کو اللہ اصنام کی عبادت سے محفوظ رکھے۔۹۔سیدنا خلیل اللہ کا اکثر لوگوں کی حالت سے عبرت حاصل کرنا، جیسا کہ کہا: اے اللہ! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔۱۰۔اس میں کلمہ لَا الٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تفسیر وتوضیح ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔۱۱۔جو شخص شرک سے بچ رہا، اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت۔

باب

الدعا الی شهادة اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اس باب میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی شہادت وگواہی کے بارے میں وضاحت مذکور ہے

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ آیت پڑھی کہ وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ دیکھو: یہ ہیں اللہ کے حبیب، یہ ہیں اللہ کے ولی، یہ ہیں اللہ کے منتخب بندے اور یہ ہیں جو اہل ارض میں سب سے زیادہ اللہ کو پیارے ہیں، یہ ہیں جن کی دُعا کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا، یہ ہیں جو اپنی قبول شدہ دعا کی طرف مخلوقِ الٰہی کو بلاتے ہیں، یہ ہیں جنھوں نے قبولیت دُعا کے بعد بھی عمل صالح کا سلسلہ جاری رکھا، اور یہ ہیں جنھوں نے اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کہا، اور یہ ہیں زمین میں اللہ کے خلیفے اور نائب۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔(یوسف:۱۰۸)

تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں خود بھی پوری روشنی

میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔ اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

علامہ ابن قیّم آیت **اُدۡعُ اِلیٰ سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ** کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مدعّوین کے لحاظ سے اس آیت میں دعوت کے تین درجے بیان فرمائے ہیں: ''طالب حق، جو حق بات پسند کرتا اور ترجیح دیتا ہو بشرطیکہ حق بات اس کے ذہن وقلب میں اُتر جائے۔ ایسے شخص کے ساتھ حکمت اور دانائی سے بات کرنی چاہئے، بحث اور جدال سے نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سامع باطل میں الجھا ہوا ہے، لیکن اگر کوشش اور محنت کے بعد حق بات اس کی سمجھ میں آجائے تو اسے ترجیح دے گا اور قبول کرلے گا۔ ایسے شخص کو ترغیب وترہیب کے انداز سے نصیحت کرنی چاہئے۔ تیسری شکل یہ ہے کہ سامع مقابلے اور عناد پر اتر آیا ہے۔ ایسے شخص کو بطریق احسن دلیل سے سمجھانا چاہئے، اگر مان جائے تو فبہا، ورنہ ممکن ہو تو مجادلہ سے بھی کام لیا جاسکتا ہے''۔

عن ابن عباس اَنَّ رَسُوۡلَ اللهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَ مَعَاذًا اِلَی الۡیَمَنِ قَالَ لَهٗ اِنَّکَ تَاۡتِیۡ قَوۡمًا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ فَلۡیَكُنۡ اَوَّلَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَیۡهِ شَهَادَةُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وفی روایة اِلٰی اَنۡ یُوَحِّدُوا اللهَ فَاِنۡ هُمۡ اَطَاعُوۡا لِذٰلِکَ فَاَعۡلِمۡهُمۡ اَنَّ اللهَ افۡتَرَضَ عَلَیۡهِمۡ خَمۡسَ صَلَوَاتٍ فِیۡ كُلِّ یَوۡمٍ وَّ لَیۡلَةٍ فَاِنۡ هُمۡ اَطَاعُوۡا لِذٰلِکَ فَاَعۡلِمۡهُمۡ اَنَّ اللهَ افۡتَرَضَ عَلَیۡهِمۡ صَدَقَةً تُوۡخَذُ مِنۡ اَغۡنِیَآئِهِمۡ فَتُرَدُّ عَلیٰ فُقَرَآئِهِمۡ فَاِنۡ هُمۡ اَطَعُوۡا لِذٰلِکَ فَاِیَّاکَ وَ كَرَائِمَ اَمۡوَالِهِمۡ وَ اتَّقِ دَعۡوَةَ الۡمَظۡلُوۡمِ فَاِنَّهٗ لَیۡسَ بَیۡنَهَا وَ بَیۡنَ اللهِ حِجَابٌ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ ''تمہارا سامنا اہل کتاب سے بھی ہوگا تمہیں چاہیئے کہ سب سے پہلے ان کو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی دعوت دو''۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرلیں''۔ اگر وہ توحید کا اقرار کرلیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر اس کا بھی اقرار کرلیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ نے ان کے مال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو مالدار لوگوں سے وصول کر کے فقراء اور مساکین میں مساوی تقسیم کردی جائے۔ اگر وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے تیار ہوجائیں تو ان کے عمدہ مال وصول کرنے سے احتراز کرنا اور مظلوم کی آہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ مظلوم کی آہ و پکار اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے

درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گویا اس منصب کی تیاری کے مترادف تھا۔غرض یہ تھی کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ پہلے سے قلب وذہن کو اس ذمہ داری کے لئے پوری طرح آمادہ اور تیار کرلیں۔

لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے اقرار وشہادت کے لئے سات شرائط کا پایا جانا لازمی ہے کلمہ شہادت کا اقرار کرنے والوں میں جب تک یہ شرائط نہ ہوں گی اس وقت تک اس کے فوائدِ برکات کا حصول ممکن نہیں ہے:

۱۔ کلمہ شہادت کا اقرار کرنے والا ایسے علم سے بہرہ مند ہو جو جہالت کی ضد ہے۔

۲۔ ایسے یقین سے آراستہ ہو جو شک سے پاک ہو۔

۳۔ ایسی پذیرائی سے مالا مال ہو جس میں تردید کا کوئی شائبہ نہ ہو۔

۴۔ ایسی اطاعت اس کو نصیب ہو جس میں شرک کا امکان نہ ہو۔

۵۔ ایسے اخلاص پر فائز ہو جس میں شرک کا کوئی پہلو نہ پایا جائے۔

۶۔ صدقِ مقال کا وہ مقام حاصل ہو کہ جس میں کِذب نہ ہو۔

۷۔ توحید سے ایسی محبت رکھے جس میں شرک کی مخالفت پائی جائے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''شریعت اسلامی کے مطالعہ سے بالبداہت یہ ثابت ہے، نیز ائمہ اسلام کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ اسلام کی رُوح یا سب سے پہلے انسان جس چیز کا مکلّف اور مامور ہے وہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ کا اقرار ہے۔ یہی کلمہ وہ حدِ فاصل ہے جس کے اقرار کے بعد ایک کافر، مسلمان کہلاتا ہے اور دشمن دوست بن جاتا ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کے اقرار سے پہلے انسان کی جان اور اس کا مال مسلمانوں کے لئے جائز اور مباح تھے، اور اس کے اقرار کے بعد اس کی جان اور مال مسلمانوں پر حرام قرار پائے۔ کوئی شخص اگر کلمہ شہادت کا صدقِ دل سے اقرار کرے گا تو ایمان اس کے قلب میں داخل ہوجائے گا اور اسے مومن کہا جائے گا اور اگر کسی شخص نے صرف زبان سے اقرار کیا اور دل میں اس پر یقین نہ کیا تو ایسے شخص کو بظاہر مسلمان ہی کہا جائے گا لیکن حقیقت میں وہ مومن نہ ہوگا۔ البتہ جو شخص قدرت اور طاقت کے ہوتے ہوئے اس کلمہ شہادت کا اقرار نہ کرے، ایسا شخص بالاتفاق کافر ہے۔ اس پر سلف صالحین، ائمہ کرام اور جمہور محدثین کا اتفاق ہے''۔

اس فرمان نبوی سے پتا چلا کہ کلمہ شہادت کے اقرار اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت ونبوت مان لینے کے

بعد سب سے بڑا کام جو ایک مسلمان کو کرنا چاہئے، وہ نماز کا ادا کرنا ہے۔ گویا شہادتین کے اقرار کے بعد نماز سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اس ارشادِ نبوی ﷺ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے بعد زکوٰۃ کا درجہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ، امراء سے لے کر فقراء میں تقسیم کر دینی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فقراء کا خصوصی طور پر ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ آٹھ مصارفِ زکوٰۃ میں ان کا حق مقدم اور موکد ہے بنسبت دوسرے مصارف کے۔ ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ امام وقت ہی زکوٰۃ کی وصولی اور اس کے خرچ کرنے کا ذمہ دار ہے، یا تو وہ خود وصول کرے یا اپنے کسی نائب کے ذریعے سے وصول کرے، جو شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرے اس سے زبردستی اور سختی سے وصول کی جاسکتی ہے۔ مختلف اشیاء کو جمع کر کے ان کی زکوٰۃ اگر ایک ہی چیز سے نکال دی جائے تو ادا ہو جائیگی۔ غنی اور غیر مولفۃ القلوب کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے مجنون اور بچے کے مال سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کے ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ میں عامل کے لئے عمدہ اور نفیس جانور وصول کرنا حرام ہے اور زکوٰۃ دینے والے کو گھٹیا اور ردّی جانور دینا حرام ہے بلکہ درمیانے درجے کا مال ادا کرنا چاہئے۔ ہاں زکوٰۃ دینے والا اگر خوشی سے عمدہ جانور پیش کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

مظلوم کی دعا کو روک دینے کے لئے ترک ظلم اور ادائے عدل کو سپر بناؤ۔ کیونکہ عدل وانصاف اور ترک ظلم، یہ دو اعمال ایسے ہیں جن کے ذریعہ سے انسان دنیا اور آخرت کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عادل خواہ ایک ہی ہو اس کی بات قابل عمل اور حجت ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امام وقت اپنے نائب کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیج سکتا ہے۔ امام کو چاہئے کہ وہ اپنے عمال اور نائبین کو تقویٰ اور پرہیز گاری کی وصیت کرے اور ان کو ضروری تعلیمات سے بہرہ ور کرے، ظلم سے بچے رہنے کی تاکید کرے، ظلم کے برے انجام سے ڈرائے۔ اپنے نائب کو یہ سمجھانا بھی ضروری ہے کہ تمام احکام بیک وقت نافذ نہ کئے جائیں بلکہ بتدریج اور آہستہ آہستہ نافذ کئے جائیں اور یہ کہ اہم معاملات اور بنیادی مسائل کو اولیت دے۔

نماز کے تارک پر تو اللہ تعالیٰ نے قتال کرنا ضروری ٹھہرایا ہے کیونکہ ان دونوں عبادتوں کا تعلق ظاہر سے ہے لہٰذا ان کو وضاحت سے بیان کیا گیا بخلاف روزے کے، روزے کا تعلق صرف باطن سے ہے، جیسے وضو اور غسل جنابت وغیرہ۔ یہ ایسے اعمال ہیں جن پر صرف اعتماد کیا جاسکتا ہے، کسی دوسرے کو ظاہری طور پر ان کا علم

محال ہے ممکن ہے کہ انسان روزہ کی نیت نہ کرے اور خفیہ طور پر کھاتا پیتا پھرے، جیسا کہ یہ ممکن ہے کہ انسان اپنی جنابت اور حدث دوسرے سے چھپالے۔ رسول اللہ ﷺ کا طریق یہ تھا کہ آپ ﷺ ان ظاہری اعمال کو بیان فرماتے جن کے تارک سے جنگ کی جاسکتی ہے اور اگر ان کا اقرار کرلے تو مسلمانوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز اور زکوٰۃ پر اسلام کو موقوف رکھا اگرچہ روزہ بھی فرض تھا، جیسا کہ سورہ توبہ کی دو آیات ہیں۔ اگرچہ یہ آیت فرضیتِ روزہ کے بعد نازل ہوئی لیکن اس میں روزے کا ذکر نہیں کیا گیا کہ اس کا تعلق باطن سے ہے، اور حج کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس کا وجوب خاص ہے، عام نہیں۔ کیونکہ عمر بھر میں صرف ایک ہی دفعہ فرض ہے''۔

ولهما عن سهل ابن سعد اَنَّ رَسُوْ لَ اللهِ ﷺ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَ رَسُوْلَهُ وَ يُحِبُّهُ اللهُ وَ رَ سُوْلُهُ يَفْتَحِ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوْكُوْنَ لَيْلَتَهُمْ اَيُّهُمْ يُعْطَاهَا فَلَمَّا اَصْبَحُوْا غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ كُلُّهُمْ يَرْجُوْ اَنْ يُّعْطَاهَا فَقَالَ اَيْنَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِىْ طَالِبٍ فَقِيْلَ هُوَ يَشْتَكِىْ عَيْنَيْهِ فَاَرْسَلُوْا اِلَيْهِ فَاُتِىَ بِهٖ فَبَصَقَ فِىْ عَيْنَيْهِ وَ دَعَا لَهُ فَبَرِاَ كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ اُنْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِ سْلَامِ وَاَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِّنْ حَقِّ اللهِ تَعَالٰى فِيْهِ فَوَاللهِ لَاَنْ يَّهْدِىَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ النِّعَمِ يَدُوْ كُوْنَ اَىْ يَخُوْ ضُوْنَ

صحیحین میں سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو پرچم دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح فرمادے گا، چنانچہ رات بھر صحابہ رضی اللہ عنہم سوچتے رہے کہ پرچم کس کو دیا جائے گا؟ صبح کے وقت تمام صحابہ کرام، رسول اللہ ﷺ کے پاس ہو گئے اور ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ پرچم اسے دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کی کہ ان کی آنکھ درد کر رہی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے علی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے جناب علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں لعاب دہن ڈالا اور دعا فرمائی۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسی وقت اس طرح تندرست ہو گئے جیسے کہ ان کو کوئی درد ہی نہ تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے جناب علی رضی اللہ عنہ کو پرچم دیا اور فرمایا کہ مجاہدین کو لے کر فوراً نکل جاؤ اور خیبر میں جا کر دم لو۔ اور پھر ان کو اسلام کی دعوت دینا۔ اور اللہ تعالیٰ کے جو

حقوق ان پر عائد ہوتے ہیں وہ بتانا۔ پس اے علی رضی اللہ عنہ! اللہ کی قسم، اگر ایک آدمی بھی تیرے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

امام احمد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم کی مندرجہ ذیل شکل نقل کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا البتہ چھوٹے چھوٹے جھنڈے سفید رنگ کے تھے۔ اس پرچم پر **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** لکھا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر متقی مومن سے محبت رکھتے ہیں اسی طرح ہر متقی مومن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ ہاں، حدیث ان ناصبیوں کے خلاف حجت اور دلیل ہے جو العیاذ باللہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں رکھتے اور انہیں کافر و فاسق قرار دیتے ہیں، مثلاً خوارج۔ لیکن ان روافض کی یہ بات بھی اسی قبیل سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو نصوص، فضائل صحابہ پر دلالت کناں ہیں، وہ ان کے ارتداد سے قبل کے ہیں (نعوذ باللہ)۔

سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں ان میں خوارج میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے جو اسی نوعیت کی باتیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب معتقدات باطل ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی قطعی طور سے مدد نہیں کرتا جن کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ کافر ہو کر مریں گے۔

اس حدیث میں اللہ کی صفتِ محبت بھی ثابت ہوتی ہے، جس کے جہمیہ اور ان کے متبعین مخالف ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اِرشاد میں صراحت کے ساتھ حصول کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی ہے (یہ کوئی علم غیب نہیں ہے بلکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اِرشاد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ظاہری و باطنی ایمان کی بشارت ہے اور اس بات کی وضاحت ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے تھے اور ہر مومن کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنی ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص معین کے متعلق کسی بات کی شہادت دیتے یا اس کیلئے دعا فرماتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ان کو بھی یہ شرف حاصل ہو۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے افراد کو اس قسم کی دعا اور شہادت سے نوازا ہے لیکن اس خصوصیت کا مقام و مرتبہ کچھ اور ہی نوعیت کا تھا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی تھی۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے دیگر صحابہ کرام کو بھی جنت کی بشارت دی ہے لیکن جو بات خصوصیت میں پائی جاتی ہے وہ عموم میں نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک آدمی کو شراب پینے کی سزا دی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے''۔

اسلام کی تشریح کے سلسلے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اسلام یہ ہے کہ انسان احکام الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، اس کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع و خضوع، اختیار کرے، اس کے سامنے عبودیت کاملہ کا اظہار کرے۔

حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ جنگ سے پہلے دعوتِ توحید دینا ضروری ہے۔ ہاں دشمن کو اگر پہلے سے دعوت پہنچائی جا چکی ہے تو پھر ان سے قتال جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق پر اچانک حملہ کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو پتا چلا تھا کہ بنو مصطلق مسلمانوں پر حملہ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اور اگر دشمن کو پہلے دعوت اسلام نہیں دی گئی تو جنگ شروع کرنے سے پہلے ان کو دعوت دینا واجب ہے۔ اگر اسلام قبول کر لیں تو پھر ان پر جو ضروری اور واجب حقوق ہیں وہ بتانا جیسے نماز، زکوٰۃ وغیرہ۔

فیہ مسائل

☆ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا اقرار کر لے اس کے لئے ضروری ہے کہ دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرے۔ ☆ اخلاصِ نیت کی ترغیب کیونکہ اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کو لے کر اٹھتے بھی ہیں تو اس میں وہ مخلص نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگوں کو اپنی ذات کی طرف بلاتے ہیں۔ ☆ بصیرت و ادراک سے بہرہ مند ہونا۔ ☆ حسن توحید کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے پاک مانا جائے۔ ☆ شرک کے بدترین ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے عیب ثابت کرنے کے مترادف ہے۔ ☆ چھٹا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، وہ یہ کہ انسان مشرکین سے میل جول نہ رکھے اگرچہ وہ خود شرک کا مرتکب نہ بھی ہوتا ہو۔ ☆ توحید کو قبول کرنا تمام واجباتِ دین پر مقدم ہے۔ ☆ ہر مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز، روزہ کی طرف دعوت دینے سے پہلے توحید کا نقش اور اس کی تعلیم خود اپنے سینے میں مرتسم کر لے۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی: '' اَنْ یُوَحِّدُوا اللہ '' اور کلمہ شہادت ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' کا مطلب ایک ہی ہے۔ ☆۔ اہل کتاب میں وہ لوگ بھی ہیں جو توحید کی معرفت ہی نہیں رکھتے یا معرفت تو رکھتے مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ ☆ تعلیم کو

آہستہ آہستہ بتدریج رائج کیا جائے۔ ☆سب سے پہلے زیادہ اہم اور اس کے بعد دیگر مسائل بتائے جائیں۔ ☆مصارف زکوٰۃ کی تفصیل۔ ☆استاد کو چاہیئے کہ طالب علم کے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ☆محصلِ زکوٰۃ کو چاہیئے کہ وہ عمدہ مال پر ہاتھ نہ ڈالے۔ ☆ مظلوم کی پکار اور اس کی آہ سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ ☆ کیونکہ مظلوم کی پکار اور عرش الٰہی کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ ☆ توحید خالص کی درحقیقت وہ علامتیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں نمایاں ہیں، ان کو مشقتیں برداشت کرنا پڑیں، یہ بھوک اور پیاس سے دوچار ہوئے اور انہوں نے بیماریوں کو صبر واستقامت سے جھیلا۔ ☆ رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''میں کل ایسے شخص کو پرچم دوں گا''۔ یہ آپ ﷺ کے اعلام نبوت میں سے ایک علامت ہے۔ ☆ رسولِ کریم ﷺ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں اپنا لعاب دہن ڈالنا بھی ایک علامت نبوت ہے۔ ☆ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت۔ ☆صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت، کہ وہ ساری رات ایک سوچ میں رہے کہ کس کو پرچم ملتا ہے اور وہ فتح و کامرانی سے واپس آتا ہے۔ ☆ تقدیر پر ایمان کہ جو شخص کسی چیز کے حصول کی کوشش نہیں کرتا، اس کو دے دینا۔ اور جو کوشش کرتا ہے اس سے روک لینا۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا ''اطمینان سے جاؤ'' یہ آدابِ جنگ میں سے ایک ہے۔ ☆ جنگ شروع کرنے سے پہلے دشمن کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کرنا۔ ☆ شریعت اسلام کا یہ حکم ہے کہ جس قوم کو جنگ کے لئے للکارا جائے اسے سب سے پہلے اسلام پیش کرنا۔ ☆ رسولِ کریم ﷺ کے اس فرمان ''ان کو ضروری اُمور بتائے جائیں'' سے پتہ چلا کہ دعوتِ اسلام حکمت و دانائی سے پیش کرنی چاہیئے۔ ☆ اسلام میں جو حقوق اللہ ہیں، ان کا معلوم کرنا۔ ☆ ۔اس شخص کے اجر و ثواب کی کثرت کا اندازہ، جس کے ہاتھ پر ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے۔ ☆ فتویٰ پر قسم اٹھانا۔

باب

تفسير التوحيد و شهادة اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اس باب میں مسئلہ توحید کی تفسیر اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت کے بارے میں تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا

جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کررہے ہیں کہ کون اس سے قریب تر ہو جائے اور وہ اس کی رحمت کے اُمیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق۔

یہ آیت کریمہ انبیاء و مرسلین اور ان کے متبع مومنوں کا راستہ اور طریق عمل متعین کرتی ہے کہ وہ اللہ ہی کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ کی اطاعت سے اور ایسے اعمال سے جو اس کے نزدیک پسندیدہ ہیں، اس کا قرب حاصل کرو''۔

ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جن صالحین اور اولیاء کو تم پکارتے ہو اور ان سے استغاثہ و استعانت کرتے ہو وہ تو خود اللہ کو وسیلہ بناتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ صحیح بات سے اقرب (زیادہ قریب) کون ہے''۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں تین مقامات کا ذکر کیا گیا ہے:

۱۔ الحُبّ: اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی طرف توسل حاصل کیا جائے۔ اس کا نام محبت ہے۔ ۲۔ الرَّجاء (یعنی اُمید)۔ ۳۔ و الخوف اُمید اور خوف ہی حقیقت توحید اور اصل اسلام ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ سَیَھْدِیْنِ وَجَعَلَھَا کَلِمَۃً بَاقِیَۃً فِیْ عَقِبِہٖ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ (الزخرف:۲۶ تا ۲۸)۔

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ ''تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں، میرا تعلق صرف اس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا''۔ اور ابراہیمؑ یہی کلام اپنے پیچھے اپنی قوم میں چھوڑ گئے تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔ (التوبۃ:۳۱)۔

صحیح حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عدی بن حاتم الطائی کے سامنے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو سیدنا عدی رضی اللہ عنہ نے کہا: (ترجمہ) ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ان کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو اگر وہ حلال کہہ دیتے تو تم اس کو حلال سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو اگر حرام کہہ دیتے تو تم اس کو حرام سمجھتے تھے یا نہیں؟ سیدنا عدی رضی اللہ عنہ بولے: ہاں ہم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی تو ان کی ''عبادت'' ہے۔ (ترمذی، مسند احمد)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہم سر اور مدِّ مقابل بناتے ہیں اور ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ کے ساتھ محبت ہونی چاہئے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ (البقرہ: ۱۶۵)۔

ایک مومن کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ اور اپنے اعمال کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خاص کر لیتا ہے اور اللہ کے سوا جس کی عبادت ہو رہی ہو اس کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔

پس جس شخص کے دل میں قبولِ حق کی معرفت ہوگی وہ ان آیات بینات سے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ کا مفہوم اور معنی اچھی طرح سمجھ لے گا اور توحید کے بارے میں اس کی بصیرت چمک اٹھے گی، جس کی دعوت تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے دی ہے۔

زیرِ بحث آیت کریمہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت میں کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اور اس کو اللہ کے سوا ''نِد'' قرار دیتا ہے تو گویا اس نے اس کو بصورت محبت اللہ کی عبادت میں شریک بنایا۔ یاد رہے یہ بھی اللہ کے مثیل اور شریک بنانے کی ایک شکل ہے جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے اور اسی کے لئے کسی سے محبت رکھتا ہے تو یہ شخص اپنی محبت میں مخلص ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے لیکن اس کے ساتھ دوسروں سے بھی محبت کرتا ہے تو وہ مُشرک ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص قضائے حاجات کے سلسلے میں غیر اللہ کی طرف راغب ہوا تو اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی محبت کا گرویدہ ہوگیا اور اس باب میں اصل شے اس کی محبت ہی ہے''۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''توحیدِ محبوب یہ ہے کہ انسان اپنے کئی محبوب نہ بنائے یعنی اللہ تعالیٰ

کے ساتھ عبادت میں کسی اور کو ساتھی نہ قرار دے اور توحیدِ حُب یہ ہے کہ انسان کے قلب میں محبت کی کوئی مقدار بھی باقی نہ رہے بلکہ سب کی سب اس اللہ کے لئے ہی وقف کر دے۔ درحقیقت محبت اسی کا نام ہے''۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے محبت رکھنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ جب انسان کسی سے محبت رکھے گا تو اگر یہ محبت اللہ کی رضا کے لئے ہوگی تو حقیقت میں اس کا تعلق اللہ تعالیٰ ہی سے ہوگا، اور اگر کسی خاص دنیوی مقصد کے لئے ہوگی تو یہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں نقص پیدا کرے گی اور غیر اللہ کی محبت میں اضافہ کا باعث ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی صداقت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ محبوب کے نزدیک جو اشیاء ناپسندیدہ ہیں یہ بھی ان کو ناپسند اور مکروہ سمجھے، اور یہ مکروہ شے کفر ہے۔ اس کو اس لئے مکروہ سمجھنا چاہئے کہ اس سے دوزخ میں داخل ہونے کا خطرہ ہے۔ محبت کا یہ معیار بہت ہی عظیم اور بلند ہے کیونکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنی زندگی سے زیادہ کسی چیز سے محبت نہیں رکھتا۔

انسان جب اپنی اور اپنی زندگی سے زیادہ اللہ سے محبت رکھے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر اس کے سامنے آگ پیش کی جائے اور کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے کفر کرو ورنہ تمہیں آگ میں پھینک دیا جائے گا، تو وہ لامحالہ آگ میں گر جانے کو پسند کرے گا لیکن کفر کا مرتکب نہ ہوگا۔ یہ ایسی عظیم الشان محبت ہے جو عشاق کے ہاں بھی مفقود ہے، وہ بھی اپنے محبوب سے اس درجہ محبت نہیں رکھتے بلکہ اس قسم کی محبت کی مثال اور نظیر کا ملنا ممکن ہی نہیں ہے۔

یہ ایسی باکمال محبت ہے کہ انسان کے اپنے نفس، اپنے مال اور اپنی اولاد پر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام کو مقدم گردانا جاتا ہے۔ اس بے مثل اور بے نظیر محبت سے ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کے لئے خشوع و خضوع اور تذلل، عظمت وجلال اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری انسان کے دل میں سرایت کر جاتی ہے۔ مخلوق کی محبت میں اس درجہ کی بلندی کا پایا جانا ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا مرتبہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو۔

پس جو شخص اس محبت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک بنائے تو وہ اس سے ایسے شرک کا ارتکاب کرے گا جس کی مغفرت نہیں ہوسکتی۔

جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ سے اس قدر محبت رکھتے ہیں کہ مشرکین اپنے شرکاء اور ''انداد'' سے اتنی محبت بالکل نہیں رکھتے کیونکہ مومنین کی اللہ سے محبت کا مثل اور نظیر مخلوقات کی محبت میں ملنا محال ہے۔ جیسا

کہ مومنین کا محبوب بے مثل ہے، اسی طرح مومنین کی محبت بھی بے مثل اور بے نظیر ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کے متعلق وہ مثالیں بیان کرے جو مخلوق کی محبت میں مخلوق کے لئے بیان کی جاتی ہیں مثلاً ہجر، وصل، محبت کا ٹوٹنا وغیرہ۔ ایسے الفاظ زبان سے نکالے تو، یاد رہے کہ ان امثالِ محبت کا اللہ تعالیٰ کی محبت سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ (اللہ) بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔ محبت الٰہی میں اس قسم کی امثال و تشبیہات بیان کرنے والا شخص خطا کار ہے، یہ اس کی بہت بڑی خطا اور بہت بڑی غلطی ہے، اتنی بڑی کہ یہ اللہ تعالیٰ سے بُعد اور اس کے غضب کا باعث بنتی ہے"۔

و فی الصحیح عن النبیؐ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ كَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَرُمَ مَالُهٗ وَ دَمُهٗ وَ حِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَ جَل

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا اقرار کرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جس چیز کی عبادت کی جاتی ہے اس سے کفر اور انکار کرے تو اس کی جان اور مال محفوظ ہو گیا، البتہ اس کا حساب و کتاب اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے گا۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جان اور مال کی حفاظت کو دو باتوں کے ساتھ معلق اور مشروط فرمایا ہے:

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ انسان "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی علم اور یقین کامل سے شہادت دے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ انسان ہر اس شخص اور ذات سے بیزاری اختیار کرے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت ہو رہی ہو۔ اس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے صرف الفاظ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ قول اور عمل دونوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "جب تک (لوگ) شریعتِ اسلامیہ کے ظاہری احکام پر عمل نہ کریں اس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھی جائے گی۔ اگرچہ وہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کا اقرار کرتے ہوں اور بعض احکام شریعت پر عامل ہوں جیسا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں سے جنگ کا اعلان فرمایا تھا جنہوں نے صرف زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ تمام فقہائے اُمت کا اس پر اتفاق ہے"۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ "جو جماعت یا گروہ چند نمازیں ادا کرے اور چند چھوڑ دے یا روزے نہ رکھے یا حج نہ کرے یا جس شخص کا خون حرام ہے اس کی پرواہ نہ کرے یا لوگوں کا مال لوٹتا پھرے یا

شراب کا عادی ہو، یا جوا کھیلتا ہو یا محرم عورت سے نکاح کرے یا جہاد ترک کر دے یا اس کے علاوہ واجباتِ دین میں سے امرِ واجب کو بلا عذر شرعی ترک کر دے، جس کے ترک پر کفر لازم آتا ہو، ایسے گروہ سے جنگ کرنا ضروری ہے اگر چہ وہ گروہ مندرجہ بالا احکام کا زبانی طور پر اقرار بھی کرتا ہے''۔

فیہ مسائل

اس باب میں جو سب سے اہم مسئلہ بیان ہوا وہ توحید اور کلمہ ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا الله'' کی تفسیر ہے جسے واضح اور صاف الفاظ میں چند باتوں سے بیان کیا گیا ہے۔

☆ لیکن اگر انسان معبودانِ باطل کی تردید نہیں کرتا تو آیاتِ محکم اور احادیث رسول ﷺ کی رُو سے ایسے شخص کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں اور اہل اسلام کے ذمہ ہرگز نہ ہوگی۔ ☆ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت میں ان مشرکین کی تردید کی گئی ہے جو مصائب اور مشکلات میں صالحین کو پکارتے ہیں، اور یہی شرکِ اکبر ہے۔ تیسری بات جو اس باب میں خاص طور پر بیان کی گئی ہے سورہ توبہ کی اس آیت کی تفسیر ہے جس میں اہل کتاب کے کردار کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اہل کتاب کا یہ عمل بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے علماء اپنے پیروں کو اپنا رب بنا لیا تھا۔ جس کا ان کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہ تھا۔ بلکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ سورۂ توبہ کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ اہل کتاب کے اپنے علماء و عباد کو رب بنانے کے معنی عمل معصیت میں ان علماء و زہاد کی اطاعت کرنا ہے۔ ☆ چوتھی بات جو اس باب میں ذکر ہوئی وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وہ برات ہے جس کا انہوں نے کفار کے سامنے اظہار فرمایا تھا کہ ''میں تمہارے باطل معبودوں سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اس ذات کی اتباع کا دم بھرتا ہوں جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے''۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان باطل معبودوں سے اپنے رب تعالیٰ کو بہت ہی احسن انداز سے مستثنیٰ فرمایا۔ ☆ اس باب میں اہم ترین وہ مسئلہ ہے جو سورہ بقرہ کی آیت میں بیان ہوا ہے جس میں صراحت کی گئی ہے کہ ''اہل کفر جہنم سے ہرگز نہ نکل پائیں گے''۔ اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ کافر اور مشرک اپنے ''انداد'' سے اسی طرح محبت رکھتے ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنی چاہیئے تھی اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کافر اور مشرک بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعوے دار تھے، لیکن اس کے باوجود ان کو حلقہ اسلام میں شمار نہیں کیا گیا کیونکہ اس محبت کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص رہنا چاہیئے، غور فرمایئے کہ اس شخص کا کیا مقام ہے جو اپنے انداد سے اللہ سے زیادہ محبت رکھتا

ہو؟ یا اس شخص کی حالت کیا ہوگی جس کی اللہ تعالیٰ سے تو محبت نہیں ہے مگر وہ اپنے باطل معبودوں سے محبت رکھتا ہے؟ ☆ رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ ''جو شخص ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہ'' کا اقرار کرے اور معبودانِ باطل کا انکار کرے تو اسلام اس کی جان اور مال کا محافظ ہے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے گا''۔

رحمت عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہ'' کے معنی و مفہوم کو ٹھیک ٹھیک واضح کرتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صرف زبانی اقرار کے ساتھ معنی کا سمجھ لینا اور اس کے ساتھ ساتھ صرف اس کی عبادت بایں طور کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہ'' اس وقت تک فائدہ مند ثابت نہ ہوگا جب تک کہ باطل معبودوں کے انکار کے بارے میں ذرا بھی شک کیا یا توقف سے کام لیا تو اس کے جان و مال کی حفاظت کا اسلام ذمہ دار نہ ہوگا۔

یہ مسئلہ کتنا عظیم اور اہم ہے؟ کتنا واضح اور غیر مبہم ہے؟ اور مخالفین کے خلاف کس درجہ برہانِ قاطع ہے؟

باب

من الشرک لبس الحلقۃ و الخیط

اس باب مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ رفع بلا اور دفع مصائب کے لئے چھلا پہننا، گلے میں دھاگے ڈالنا شرک ہی کی ایک قسم ہے۔

قُلْ اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰہُ بِضُرٍّ ھَلْ ھُنَّ کٰشِفٰتُ ضُرِّہٖٓ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَۃٍ ھَلْ ھُنَّ مُمْسِکٰتُ رَحْمَتِہٖ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ یَتَوَکَّلُ الْمُتَوَکِّلُوْنَ۔

ان سے کہو، جب حقیقت یہ ہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا تمہاری یہ دیویاں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو، مجھے اس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچالیں گی؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکیں گی؟ بس ان سے کہہ دو کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ کرنے والے اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (الزمر: ۳۸)

اس آیت کریمہ کے معنی کے متعلق مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ نے جب ان مشرکین

سے سوال کیا تو سب خاموش ہو گئے، اس لئے کہ مشرکین یہ عقیدہ نہ رکھتے تھے کہ ہمارے یہ معبود کسی نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں بلکہ اپنے معبودوں کے بارے میں وہ صرف یہ تصور رکھتے تھے کہ یہ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے مابین وسیلہ اور شفارشی ہیں۔ وہ ہرگز یہ نہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے لئے مشکل کشا ہیں یا ہماری بے بسی اور بے کسی کی حالت کو بدل سکتے ہیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے کہ: (ترجمہ) پھر جب کوئی سخت وقت تم پر آتا ہے تو تم لوگ خود اپنی فریادیں لے کر اسی کی طرف دوڑتے ہو۔ مگر جب اللہ اس وقت کو ٹال دیتا ہے تو یکایک تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کیساتھ دوسروں کو (اس مہربانی کے شکریہ میں) شریک کرنے لگتا ہے۔ (النحل۔۵۳:۵۴)

عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ رَایٰ رَجُلًا فِیْ یَدِہٖ حَلْقَۃٌ مِّنْ صُفُرٍ فَقَالَ ﷺ مَا ھٰذِہٖ قَالَ مِنَ الْوَاھِنَۃِ فَقَالَ انْزِعْھَا فَاِنَّھَا لَا تَزِیْدُکَ اِلَّا وَھْنًا فَاِنَّکَ لَوْمُتَّ وَ ھِیَ عَلَیْکَ مَآ اَفْلَحتَ اَبَدًا رَوَاہُ اَحْمَدُ بِسَنَدٍ لَا بَاْسَ بِہٖ

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا چھلہ دیکھا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ یہ واہنہ (کمزوری) کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اُتار دے، یہ تجھے کمزوری کو سوا کچھ فائدہ نہ دے گا''۔ اگر اس چھلہ کو پہنے ہوئے تجھے موت آ گئی تو تو کبھی نجات نہ پائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ایسی سند سے بیان کیا ہے جس میں کوئی نقص نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا کہ اس قسم کے چھلے وغیرہ کو پہننا شرک ہے، اور شرکیہ تعویذ گنڈوں سے فلاح و کامیابی اور سعادت حاصل نہیں ہو سکتی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک اصغر بھی اکبر الکبائر میں سے ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ لاعلمی کی بناء پر بھی کسی شخص کو شرک کے معاملے میں معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ جو شخص اس قسم کے افعال کا مرتکب ہوتا ہے اس پر بہت ہی سختی سے نکیر کی گئی ہے۔

و له عن عقبة بن عامر مرفوعا مَنْ تَعَلَّقَ تَمِیْمَۃً فَلَآ اَتَمَّ اللّٰہُ لَہٗ وَ مَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَۃً فَلَا وَدَعَ اللّٰہُ لَہٗ وفی روایة مَنْ تَعَلَّقَ تَمِیْمَۃً فَقَدْ اَشْرَکَ

مسند احمد میں ہی سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گلے میں تعویذ لٹکاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی خواہش کو پورا نہ کرے۔ اور جو شخص سیپی وغیرہ لٹکائے اللہ اسے آرام

نہ دے۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جس شخص نے اپنے گلے میں تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔

تمیمہ اس چمڑے کے پرزے کو کہتے ہیں جس پر کوئی چیز لکھی گئی ہو۔اہل عرب اس نیت سے لٹکاتے تھے کہ اس سے آفات سے بچاؤ ہو سکے۔ یہ سراسر جہالت اور ضلالت کی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی تکلیف دُور کرسکتا ہے اور نہ روک سکتا ہے۔تمیمہ کو عرب لوگ اپنے بچوں کے گلے میں ڈالتے تھے تاکہ وہ نظر بد سے محفوظ رہیں لیکن اسلام نے اس کو باطل قرار دیا۔

ولا بن ابی حاتم عن حذیفة رضی اللہ عنہ اَنَّهُ رَاٰی رَجُلًا فِیْ یَدِهٖ خَیْطٌ مِنَ الْحُمّٰی فَقَطَعَهٗ

سیدنا ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں بخار کی وجہ سے دھاگہ دم کیا ہوا دیکھا تو سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹ دیا۔

سیدنا وکیع رضی اللہ عنہ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مندرجہ ذیل حدیث روایت کی ہے: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مریض کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔اس کے بازو کو چھوا تو معلوم ہوا کہ اس پر کوئی دھاگہ بندھا ہوا ہے۔پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ مریض بولا کسی نے مجھے یہ دھاگا دم کرکے دیا ہے۔سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اُسے کاٹ دیا اور فرمایا کہ اگر تو اسے پہنے ہوئے فوت ہو جاتا تو میں تیری نمازِ جنازہ نہ پڑھتا۔اور پھر قرآن کریم کی یہ تلاوت فرمائی کہ: (ترجمہ) ''ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے تو ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں''۔(یوسف:۱۰۶)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس قسم کے تعویذ گنڈے قطعاً ممنوع ہیں اگرچہ ان کا پہننے والا یہ خیال کرتا ہو کہ یہ صرف اسباب ہیں، حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی دافع البلیات ہے اور وہی مشکلات کو دور کرنے والا ہے۔اسباب بھی وہی اختیار کرنے چاہئیں جن کا شریعت اسلامیہ میں کوئی وجود ہو اور تعویذ دھاگے اور صدف وغیرہ تو جاہلیت کی رسمیں ہیں اور ان کا پہننا شرک ہے اگرچہ انسان ان کو نافع اور ضار نہ بھی خیال کرے۔اس قسم کے اعمال کی برائی سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہئے اور اگر ہو سکے تو ہاتھ سے روک دے ورنہ زبان سے تو اس کے خلاف جہاد ضروری ہے۔اس قسم کے شرکیہ تعویذات کو بزور بازو اتار پھینکنا چاہئے اگرچہ پہننے والا اس کی اجازت نہ دے۔

فیہ مسائل

☆تعویذ دھاگہ اور لوہے وغیرہ کے چھلے پہننے پر سخت وعید۔ ☆اگر صحابی بھی اس قسم کے تعویذ گنڈے پہنے ہوئے فوت ہو جائے تو اس کی نجات مشکل ہے۔اس سے پتہ چلا کہ شرکِ اصغر اکبر الکبائر ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ وہ آثار ہیں جن سے ان کے علمی کمال اور توحید کے بارے میں ان کی تعلیم کا پتہ چلتا ہے۔وہ توحید کے منافی اعمال وافعال سے قطعی طور پر بیزار رہتے تھے۔ ☆ اس کا جہالت کی بنا پر پہننا بھی قابل عذر نہیں۔ ☆ یہ تعویذ گنڈے بجائے نفع کے نقصان دہ ہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تجھے کمزوری کے سوا کچھ فائدہ نہ دے گا''۔ ☆ جو شخص ان کو پہنے اس کو سختی سے روکنا۔ ☆اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ جو شخص ان کو پہنے گا اس کو انہیں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ ☆ بخار کی وجہ سے بھی تعویذ پہننا شرک ہے۔ ☆اس کی بھی وضاحت ہے کہ جو شخص تعویذ پہنتا ہے وہ شرک کرتا ہے۔ ☆ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا آیت قرآن کو تلاوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان آیات سے، جو شرک اکبر کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، شرک اصغر بھی مراد لیتے تھے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سورہ بقرہ کی آیت سے استدلال کیا ہے۔ ☆ نظر بد سے بچاؤ کی خاطر صدف وغیرہ پہننا بھی شرک ہے۔ ☆ جو شخص تعویذ اور صدف وغیرہ باندھتا ہے اس کے لیے بددعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اس کا مطلب پورا نہ کرے

باب

ماجاء فی الرقٰی والتمائم

اس باب میں دم تعویذ اور گنڈوں وغیرہ کے بارے میں شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں۔

فی الصحیح عن ابی بشیر الانصاری رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ کَا نَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فَاَرْسَلَ رَسُوْ لًا اَنْ لَّا یَبْقَیَنَّ فِیْ رَقَبَةِ بَعِیْرٍ قِلَادَةٌ مِّنْ وَتَرٍ اَوْ قِلَادَةٌ اِلَّا قُطِعَتْ

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں سیدنا ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک قاصد کو بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں کوئی ایسی رسی باقی نہ رہنے دی جائے (جو نظر بد وغیرہ کے سلسلے میں لوگ باندھ دیا کرتے تھے) اگر ہے تو اس کو کاٹ دیا جائے۔

زمانہ جہالت میں رسم تھی کہ جب یہ تانت پرانی ہو جاتی تو نئی تبدیل کر لیتے اور پرانی تانت کو چوپایوں کے گلے میں ڈال دیتے تھے۔ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس سے جانور نظر بد سے محفوظ رہتا ہے۔

و عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ الرُّقٰى وَ التَّمَآئِمَ وَ التِّوَلَةَ شِرْكٌ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، تعویذ اور حُبّ کے اعمال سب شرک ہیں۔

ابو داؤد میں یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے کہ: (ترجمہ) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میرے شوہر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے میری گردن میں ایک دھاگا دیکھا اور پوچھنے لگے کہ یہ دھاگہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کی کہ یہ دھاگہ مجھ کو دم کر کے دیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے یہ دھاگہ میرے گلے سے کاٹ پھینکا اور یہ فرمایا کہ تم عبداللہ رضی اللہ عنہ کا خاندان ہو، تم شرک سے بے نیاز ہو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، تعویذ اور اعمالِ حُبّ شرک ہے۔ میں نے عرض کی کہ میری آنکھ میں چبھن محسوس ہوتی تھی چنانچہ میں فلاں یہودی کے ہاں دم کرانے کے لیے جایا کرتی تھی، اس کے دم کرنے سے مجھے سکون سا ہو جاتا تھا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے کہ یہ شیطانی عمل ہے۔ وہی اپنے ہاتھ سے چبھن پیدا کرتا تھا اور جب دم کر دیا جاتا تو ہاتھ روک لیتا۔ لہٰذا تمہارے لیے اس طرح کہنا کافی تھا جس طرح رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ: (ترجمہ) ”اے کائنات کے پروردگار! تکلیف کو دور فرما دے اور تیری شفا ہی دراصل شفا ہے، شفا عطا فرما کیوں کہ تو ہی شفا بخشنے والا ہے ایسی شفا عطا کر کہ جس کے بعد کسی قسم کی تکلیف باقی نہ رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خود دَم کیا ہے اور آپ کو بھی دَم کیا گیا ہے، اور آپ ﷺ نے اس کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ دَم کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اگر دَم قرآنی آیات پر مشتمل ہو تو جائز ہے۔ البتہ ممانعت اس دم کی ہے جو عربی زبان میں نہ ہو کیوں کہ بسا اوقات غیر عربی الفاظ کفریہ ہوتے ہیں یا ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جس میں شرکیہ کلمات پائے جاتے ہیں۔

علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ دم اور رُقیہ جس میں مندرجہ ذیل تین شرائط پائی جائیں، جائز ہے:

ا۔ وہ دَم جو کلام اللہ، اسماء اللہ یا اس کی صفات پر مبنی ہو۔

۲۔ وہ دم جو عربی زبان میں ہو، اس کے معنی بھی واضح اور مشہور ہوں اور مطابق شریعت اسلامی ہو۔

۳۔ یہ کہ دم کرنے والا اور کروانے والا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ دم فی نفسہٖ کوئی با اثر چیز نہیں ہے بلکہ سارا معاملہ اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اثر ہوگا۔

وَالرُّقٰی ھِیَ الَّتِیْ تُسَمَّی الْعَزَآئِمَ وَ خَصَّ مِنْهُ الدَّلِیْلُ مَا خَلَ مِنَ الشِرکَ رَخَصَ فِیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ العَیْنِ وَ الحُمَةِ وَ التِّوَلَةُ شَئٌ یَصْنَعُوْنَهُ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُ یُحَبِبُ الْمَرْاَةُ اِلٰی زَوْجِهَا و الرَّجُلَ اِلٰی اِمْرَاَتِهٖ

رُقٰی اور عزائم دونوں ہم معنیٰ ہیں۔ شرکیہ تعویذات کے علاوہ نظرِ بد اور زہریلے کیڑے کے کاٹے کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے رخصت دی ہے۔

تِوَلَہٗ وہ عمل ہے جسے اس خیال سے کیا کرتے تھے کہ اس سے مرد اور عورت میں باہم اُلفت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

''التولہ جادو کی ایک قسم ہے جس کے ذریعے عورتیں اپنے شوہروں کی نظر میں محبوب بننے کی سعی کرتی ہیں''

وعن عبداللہ بن حکیم مرفوعًا مَنْ تَعَلَّقَ شَیْئًا وُكِلَ اِلَیْهِ (رواہ الترمذی واحمد)۔

سیدنا عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جو شخص اپنے گلے یا بازو میں کوئی تعویذ یا دھاگا لٹکاتا ہے تو اس کی ذمہ داری اسی تعویذ دھاگے کے سپرد کر دی جاتی ہے''۔

حدیث میں جس ''تعلق'' کا ذکر ہے وہ دل سے بھی ہوتا ہے، عمل اور فعل سے بھی ہوتا ہے اور کبھی دل اور عمل دونوں سے ہوتا ہے، تینوں صُورتوں میں کوئی صورت بھی ہو، جس شے سے اس کا تعلق وابستہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کی ذمہ داریوں کو اسی کے سپرد کر دیتا ہے۔ سو جس شخص کے دل کا تعلق صرف اللہ کے ساتھ اُستوار ہو گیا اور اس نے اپنی تمام حاجات کی ذمہ داری اللہ پر ڈال دی، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع ہوا اور اپنے تمام معاملات اللہ ہی کو سونپ دیئے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام ضروریات کو خود پورا کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور اس کی جملہ حاجات کا آپ کفیل بن جاتا ہے اور کامیابی کے بعید ترین امکانات کو قریب تر کر دیتا ہے اور ہر مشکل کو آسان بنا دیتا ہے۔

جس شخص نے اپنا تعلق غیر اللہ سے جوڑ لیا، اپنی رائے اور عقل پر بھروسہ کر لیا اور مختلف تعویذ دھاگے اور جادو ٹونے سے وابستگی اختیار کر لی، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ، انہی اشیاء کے سپرد کر دیتا ہے، اسے ذلیل و رسوا بنا دیتا

ہے اور اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ حقیقت نصوص و تجربات سے ثابت شدہ ہے۔

وروی احمدعن رویفع رضی اللہ عنہ قال قَالَ لِی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ یا رُوَیْفِعُ لَعَلَّ الْحَیٰوۃَ سَتَطُوْلُ بِکَ فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْیَتَهٗ اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا اَوِسْتَنْجٰی بِرَجِیْعِ دَآبَۃٍ اَوْ عَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا بَرِیءٌ مِّنْهُ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں سیدنا رویفع رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، سیدنا رویفع رضی اللہ عنہ خود کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اے رویفع رضی اللہ عنہ! ممکن ہے تم زیادہ عرصہ تک جیو، لہٰذا لوگوں کو بتا دینا کہ جو شخص اپنی داڑھی کے بالوں کو بٹ کر یا سمیٹ کر باندھ لے یا تانت وغیرہ کا ہار گلے میں ڈال لے، یا کسی چارپائے کے گوبر یا ہڈی سے استنجا کرے تو محمد ﷺ اس سے بیزار ہیں۔

وعن سعید بن جبیر قال مَنْ قَطَعَ تَمِیْمَۃً مِّنْ اِنْسَانٍ کَانَ کَعَدْلِ رَقَبَۃٍ وله عن ابراهیم قال کَانُوْا یَکْرَهُوْنَ التَّمَآئِمَ کُلَّهَا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَ غَیْرِ الْقُرْاٰنِ (ابن ابی شیبہ)۔

سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص کسی کے گلے سے تعویذ وغیرہ کاٹ دے تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا''۔ ابراہیم بن نخعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بہت سے علماء اور فقہاء تعویذات کو، وہ قرآنِ کریم کی آیات پر مشتمل ہوں یا غیر قرآن پر، مکروہ قرار دیتے ہیں۔

فیہ مسائل

☆ رقیہ اور تمیمہ کی تشریح۔ ☆ تِوَلہ کے مفہوم کی وضاحت۔ ☆ رقیہ، تمیمہ اور تولہ بلا استثناء تینوں شرک ہیں۔ ☆ وہ رقیہ جو صحیح الفاظ پر مشتمل ہو اور نظر بد اور بخار کی وجہ سے کیا جائے وہ شرک نہ ہوگا۔ ☆ نظر بد سے بچاؤ کی خاطر چوپایوں کی گردنوں میں تانت ڈالنا شرک ہے۔ ☆ جو شخص تانت وغیرہ کا ہار گلے میں ڈالے اس کیلئے سخت ترین وعید۔ ☆ جو کسی دوسرے شخص کے گلے سے تعویذ اتار پھینکے، اس کیلئے اجرِ جزیل کا وعدہ۔

باب

من تبرک و شجر حجر و نحو هما

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص، درخت، پتھر یا قبر وغیرہ سے برکت، حاصل کرتا ہے اس کے متعلق شریعت کا فیصلہ کیا ہے۔

قول اللہ تعالیٰ اَفَرَئَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی (النجم۔۱۹)

اب ذرا بتاؤ تم نے کبھی اس لات اور اس عزّٰی اور تیسری ایک اور دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا؟

''اللات ایک سفید پتھر تھا جس پو خوب نقش و نگار کیا گیا تھا۔ اس کو ایک مکان میں سجا بنا کر رکھا گیا اور اس مکان کے اردگرد بہت بڑی اور مضبوط چار دیواری بنائی گئی تھی جس کو خوبصورت پردوں سے سجایا گیا تھا اور اس کے با قاعدہ پجاری اور پروہت بھی تھے۔ یہ تھا اہل طائف یعنی بنو ثقیف کا بت۔ اس کی وجہ سے بنو ثقیف قریش کے علاوہ تمام عرب قبائل پر اپنے آپ کو قابل فخر گردانتے تھے''۔ بروایت ابن ہشام، رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس کے گرانے کے لئے بھیجا تو سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ گئے، پہلے تو انہوں نے اس کو مسمار کیا اور پھر آگ لگا کر جلا دیا۔

عزیٰ کے متعلق ابوسفیان نے جنگ احد کے موقع پر کہا تھا کہ

لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ (ہمارا معبود عزی ہے اور تمہارا معبود عزی نہیں ہے)۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کو جواب دو کہ:

اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَ لَا مَوْلٰی لَکُمْ (اللہ ہمارا دستگیر اور مولا ہے تمہارا نہیں)۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن مردویہ، ابی الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: (ترجمہ) ''رسولِ اکرم ﷺ نے جب مکۃ المکرّمہ کو فتح کر لیا تو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو وادی نخلہ کی طرف بھیجا کہ جا کر عُزّٰی کو کاٹ دو۔ چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جب وادی نخلہ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں تین درخت تھے اور تینوں کو کاٹ دیا اور مکان کو بالکل مسمار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو ساری بات سے مطلع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دوبارہ جاؤ، تم کوئی کام نہیں کر کے آئے، چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ دوبارہ نخلہ پہنچے تو عُزّٰی کے پجاریوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی پہاڑ کی طرف پناہ لی اور ''یا عُزّٰی! یا عُزّٰی!'' کے نعرے بلند کرنے لگے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس مقام کے قریب گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت بالکل برہنہ

حالت میں ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور مٹی سر پر ڈال رہی ہے، سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا اور واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سارا قصہ بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہی عورت عُزّٰی تھی"۔

یہی صورتِ حال یا اس سے بڑھ کر آج کل اولیاء کی قبروں اور مزاروں پر دکھائی دیتی ہے۔

مناۃ: یہ بت مکۃ المکرّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع تھا۔ "فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس کے گرانے کے لئے بھیجا چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو منہدم کر دیا"۔

آیات کی باب سے مطابقت لات ومناۃ کے پجاری ان کی عزت وتوقیر کرتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے پاس آ کر جانوروں کو ذبح کرنا باعث برکت ہے۔ ان کے پاس آ کر دعائیں مانگتے اور ان سے امداد چاہتے تھے۔ اپنی حوائج کی تکمیل کے لئے ان پر اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے، ان سے سفارش اور برکت کی اُمیدیں رکھتے تھے۔ یہ تھا مشرکین عرب کا عقیدہ۔

پس صالحین کی قبروں پر جا کر تبرک حاصل کرنا جس طرح کہ لات کے پجاری کرتے تھے یا درختوں اور پتھروں سے برکت حاصل کرنا جیسے عُزّٰی اور مناۃ کے پرستاروں کا شیوہ تھا، یکساں نوعیت کا شرک ہے۔ لہٰذا جو شخص اس دور میں صلحاء کی قبروں سے اسی طرح کی توقعات رکھتا ہے یا کسی درخت اور پتھر کی توقیر کرتا ہے اور اس سے مدد کا طالب ہوتا ہے اس نے بھی گویا مشرکین عرب جیسا فعل کیا۔ یہی نہیں بلکہ اس زمانے کے مسلمان اس سلسلے میں تو مشرکین عرب سے کہیں آگے بڑھ گئے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ وَاقِد اللَّیْثِی رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلٰی حُنَیْنٍ وَنَحْنُ حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ وَ لِلْمُشْرِكِیْنَ سِدْرَةٌ یَّعْكُفُوْنَ عِنْدَهَا وَ یَنُوْطُوْنَ بِهَا اَسْلِحَتَهُمْ یُقَالُ لَهَا ذَاتُ اَنْوَاط فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتَ اَنْوَاطٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَنَّهَا السَّنَنُ قُلْتُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ كَمَا قَالَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ لِمُوْسٰی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَا نَ قَبْلَكُمْ

سیدنا ابو واقد قریشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جنگ حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام حنین کی طرف جا رہے تھے۔ اور ہمارا زمانہ کفر ابھی نیا نیا گزرا تھا۔ راستے میں ایک جگہ بیری کا درخت آیا جس کو ذات انواط کہا جاتا تھا۔ مشرکین اس درخت کے پاس بیٹھنا باعث برکت خیال کرتے تھے اور اپنے ہتھیار بھی برکت

کے لیے اس درخت پر لٹکا یا کرتے تھے۔ سیدنا ابو واقد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں چلتے چلتے ہم ایک بیری کے درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ جیسے ان مشرکین کے لیے ذاتِ انواط ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے بھی ایک ذاتِ انواط مقرر فرما دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَللّٰہُ اَکْبَر کہا اور فرمایا: اللہ کی قسم! تم بالکل وہی بات کہہ رہے ہو جو بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ "اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں"۔ موسیٰ نے کہا "تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو"۔ (پھر فرمایا) تم بھی اگلی اُمتوں کے طریقوں پر چلو گے۔ (رواہ الترمذی وصححہ)۔

مشرکین اُس درخت کی عظمت وجلالت کے پیشِ نظر اسکے پاس بیٹھنا باعث برکت سمجھتے تھے۔ یعنی برکت حاصل کرنے کی نیّت سے اس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ اس لیے کہا کہ ان کے ذہن میں یہ بات پیدا ہوئی کہ یہ بھی عند اللہ پسندیدہ عمل ہے لہٰذا ہم بھی تبرّک حاصل کیا کریں۔ اگر ان کو یہ علم ہوتا کہ یہ شرک ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی کیسے جرات کر سکتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اِس بات کو بنی اِسرائیل کے قول سے مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ دونوں نے الٰہ طلب کیا تھا جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کریں۔ دونوں کے مطالبہ کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں تاہم معنیٰ ایک ہی ہیں کیونکہ الفاظ کی تبدیلی سے حقیقت تو تبدیل نہیں ہو جاتی۔

زیرِ بحث حدیث میں شِرک سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ بسا اوقات اِنسان کسی کام کو بہتر سمجھ کر سرانجام دیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہوگا، لیکن درحقیقت وہ عمل انسان کو، اللہ تعالیٰ اور اُس کی رحمت سے دور اور اس کی ناراضگی اور غضب کو قریب کررہا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے علماءِ سو، عُبّادِ قُبور، اس میں غلو کرنے والوں اور ان کی عبادت کرنے والوں کو غور سے دیکھا ہو، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت بہتر اعمال سرانجام دے رہے ہیں حالانکہ وہ ایسے گناہ میں مبتلا ہیں جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔ اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ:

۱۔ جو شخص اولیائے کرام کی قبروں پر اعتکاف کرتا یا کسی شجر و حجر کے پاس جا کر اور وہاں جانور ذبح کرنے کو تبرک خیال کرتا ہے وہ شرک میں مبتلا ہے۔

۲۔ دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ احکامِ شرعیہ میں معانی کا اعتبار ہے، الفاظ کا نہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مطالبے کو بنی اِسرائیل کے مطالبہ کے ساتھ مشابہ اور مماثل قرار دیا اور آپؐ نے اس

بات کی کوئی پروانہیں کی کہ اس کا نام انھوں نے ذاتِ انواط رکھا ہے کیونکہ شرک کا کوئی بھی نام رکھ لیا جائے وہ شرک ہی رہے گا، چاہے مردوں کو پکارنے، اُن کے نام کی نذر و نیاز دینے اور اس کے نام کا جانور ذبح کرنے کو کوئی محبت اور تعظیم کا نام دے لے، یہ بہر حال شرک ہی کہلائے گا۔ اِسی پر دوسرے اعمال کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب واضح ہے کہ میری اُمت کے بعض افراد بھی یہود و نصاریٰ جیسے اعمال و افعال کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ اِرشاد بالکل صحیح ثابت ہو رہا ہے اور اُمت کی کثیر تعداد اس میں مبتلا ہے۔

فیہ مسائل

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو سوال کیا تھا اس کی صحیح توجیہہ و معرفت۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس چیز کے بارے میں سوال کیا تھا اس کو عملی جامہ نہیں پہنایا بلکہ معاملہ صرف سوال کی حد تک ہی رہا۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا تھا اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ کیونکہ ان کے ذہنوں میں یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے۔ ☆ جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شرک کی یہ نوعیت مخفی رہی تو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے علم کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال صالحہ کے بدلے مغفرت کا جو وعدہ دیا گیا ہے وہ دوسرے لوگوں کو میسر نہیں ہے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس معاملے میں معذور نہیں سمجھا بلکہ ان کی تردید کی اور فرمایا کہ ''اللہ اکبر'' یہی تو وہ راستے ہیں، تم بھی اپنے پہلوں کے راستے کی پیروی کرو گے۔ پس ان تین اُمور سے معاملہ کی سختی اور اہمیت واضح فرمائی۔ ☆ سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فرمائش کو بنی اسرائیل کی فرمائش جیسی قرار دیا جبکہ انہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ''ہمارے لئے بھی کوئی معبود مقرر کر دیجئے''۔ ☆ اس قسم کے تبرک کا انکار بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے معنی میں داخل ہے جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں سے بھی اپنی باریکی کی وجہ سے پوشیدہ رہا۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ ہرگز یہ نہ تھی کہ آپ ﷺ خواہ مخواہ قسم کھائیں لیکن بایں ہمہ آپ ﷺ کسی خاص مصلحت و ضرورت کے موقع پر اور اہم کام میں قسم کھا لیا کرتے تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب میں قسم کھائی ہے۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال پر چونکہ ان کو مرتد نہیں سمجھا گیا جس سے پتا چلا کہ شرک کی دو قسمیں ہیں: شرکِ اکبر۔ اور شرکِ اصغر۔

☆صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا کہ ''ہمارا زمانہ کفر ابھی نیا نیا گزرا تھا'' سے پتا چلا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں ان کو مسئلے کی نوعیت کا علم تھا۔ ☆بوقت تعجب اللہ اکبر کہنا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ اکبر کہنے سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اس کو مکروہ خیال کرتے ہیں۔ ☆شرک و بدعت کے ذرائع بند کرنا۔ ☆اہل جاہلیت کے رسم و رواج اپنانے کی ممانعت۔ ☆دورانِ تعلیم اُستاد کا شاگرد پر ناراض ہونے کا ثبوت۔ ☆رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ ''اَنَّھَا السُّنَنُ'' ایک عمومی قاعدہ بیان کرنا مقصود ہے۔ ☆علامات نبوت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرف بحرف اسی طرح ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن اعمال و افعال پر یہود و نصاریٰ کی مذمت فرمائی ہے وہ حقیقت میں ہمارے لئے ایک تنبیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ہم بھی اس میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ☆صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ مانا ہوا اصول تھا کہ عبادت کی اساس اور بنیاد حکم اور امر ہے۔ ☆اہل کتاب کا مذہب اور طریقہ بھی اسی طرح نا قابل عمل اور مذموم ہے جس طرح مشرکین کا طریقہ اور مذہب۔ ☆جو شخص ابھی نیا نیا مسلمان ہوا ہو، اس کے دل میں کفر و شرک کے دور کی عادات و اطوار کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں ہے جیسا کہ زیرِ بحث واقعہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس قول سے واضح ہے کہ **نَحْنُ حُدَثَاءُ عَھْدٍ بِکُفْرٍ** ہمارا زمانۂ کُفر ابھی نیا نیا گزرا ہے۔

باب

ما جاء فِی الذَّبْحِ لِغَیْرِ اللهِ

اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے اس کے بارے میں شریعت اسلامی میں کیا حُکم ہے؟

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَا تِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔(الانعام:۱۶۲:۱۶۳)

کہو! میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت (یعنی قربانی)، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العلمین کیلئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت

جھکانے والا میں ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ ان مشرکین کو جو غیر اللہ کی عبادت کرتے اور غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں، خبردار کر دیں کہ میں نے اپنی نمازوں کی ادائیگی اور جانوروں کے ذبح کرنے کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر لیا ہے اور میں نے یہ محض اس لئے کیا ہے کہ مشرکین، بتوں کی پوجا کرتے اور ان کے نام سے جانور ذبح کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے عمل کی مخالفت اور ان کے کردار سے دامن بچا کر رکھنے کا حکم دیا ہے۔

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ

پس تم اپنے رب ہی کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

زیرِ بحث آیات کا باب سے تعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کہا ہے کہ جیسے وہ نماز، روزہ وغیرہ احکام پر عمل کر کے تقرب الی اللہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح وہ جانور وغیرہ کو بھی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ذبح کر کے تقرب حاص کریں۔ مقصد یہ ہے کہ تمام قسم کی عبادات کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر لیں کیونکہ جب وہ غیر اللہ کے تقرب کے لئے جانور وغیرہ ذبح کریں گے تو اس کا مطلب صاف یہ ہوگا کہ انہوں نے اس عبادت میں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک ٹھہرالیا ہے اور لفظ لاشریک لہٗ اس کی کھل کر تردید کر رہا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ: ''۱۔ بدنی اور جسمانی عبادات میں نماز کو اور ۲۔ مالی عبادات میں قربانی اور نحر کو اوّلیت حاصل ہے۔ اگر ہم رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت پر غور کریں تو آپ ﷺ کی زندگی میں یہی دو عبادتیں نمایاں نظر آتی ہیں''۔

وعن علی رضی اللہ عنہ قَالَ حَدَّثَنِی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِاَرْبَعِ کَلِمَاتٍ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَیْہِ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ غَیَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے مجھ چار باتیں ارشاد فرمائیں: ۱۔ جو شخص غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ ۲۔ جو شخص اپنے والدین پر لعنت کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ ۳۔ جو شخص مُحدث (یعنی بدعتی) کو پناہ دے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ ۴۔ جو شخص زمین کے نشانات کو مٹائے اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''اس آیت کریمہ کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو جانور غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ یہ جانور فلاں ولی یا فلاں بزرگ کے لئے ہے۔ پس ذہن میں جب غیر اللہ سے کوئی مراد ہو تو خواہ نام لے یا نہ لے اسی کا نام تصور کیا جائے گا۔ وہ ذبیحہ جو عیسائی جناب مسیح علیہ السلام کے نام پر ذبح کرتے ہیں، خواہ کھانے کے لئے ہی کیوں نہ ہو، وہ اور اس مذکورہ ذبیحہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یا مثلاً کوئی شخص صرف کھانے کے لئے کسی جانور کو (غیر اللہ کے نام پر) ذبح کرے یا مسیح علیہ السلام اور زہرہ کے تقرب کے لئے کرے تو دونوں کی حرمت میں کوئی شک نہیں ہے اسی طرح جو شخص اسلام کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر کسی ولی یا بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جانور ذبح کرتا ہے، یہ عبادت غیر اللہ سے استعانت سے بڑھ کر کفر ہے، جیسا کہ اُمت مسلمہ میں سے منافقین کا گروہ اس فعل کے ارتکاب میں پیش پیش ہے۔ جو کواکب وغیرہ کے تقرب کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ یہ لوگ مرتدین کے حکم میں ہیں اور ان کا ذبیحہ کھانا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے اس کی حرمت کی بڑی وجوہ دو ہیں: ۱۔ ایک یہ کہ یہ غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جاتا ہے۔ ۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔ مکۃ المکرّمہ میں اہل جاہلیت اسی طرح جنات کے لئے ذبح کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے لئے ذبح کئے گئے جانور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے''۔

صحیح بخاری میں ایک روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! جب کوئی شخص کسی دوسرے کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ بھی جواب میں اسکے ماں باپ کو گالی دیتا ہے (تو اصل میں پہلے شخص نے اپنے ہی ماں باپ کو گالی دی)۔

زمین کی حد بندی کے لیے جو نشان لگایا جاتا ہے اسکو منار کہتے ہیں۔ یعنی سڑک پر وہ علامات، جس سے مسافت معلوم ہوتی ہے۔ اور جو شخص دوسرے کی زمین ہتھیانے کے لیے نشانات کو مٹا دے وہ بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''جو شخص دوسرے بھائی کی ایک بالشت زمین ناحق لے لیتا ہے، قیامت کے دن سات زمینیں بصورتِ طوق اس کی گردن میں ڈال دی جائیں گی''۔

و عن طارق ابن شهاب اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِيْ ذُبَابٍ وَ دَخَلَ النَّارَ رَجُلٌ فِيْ ذُبَابٍ قَالُوْا وَ كَيْفَ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَرَّ رَجُلَانِ

عَلٰی قَوْمٍ لَّھُمْ صَنَمٌ لَا یُجَاوِزُہٗ اَحَدٌ حَتّٰی یُقَرِّب لَہٗ شَیْئًا فَقَالُوْا لِاَحَدِھِمَا قَرِّبْ قَالَ لَیْسَ عِنْدِیْ شَیْءٌ اُقَرِّبُ قَالُوْا لَہٗ قَرِّبْ وَ لَوْ ذُبَاباً فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلُّوْا سَبِیْلَہٗ فَدَخَلَ النَّارَ وَ قَالُوْا لِلْاٰخَرِ قَرِّبْ فَقَالَ مَاکُنْتُ لِاُقَرِّبَ لِاَحَدٍ شَیْئًا دُوْنَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَضَرَبُوْا عُنُقَہٗ فَدَخَلَ الْجَنَّۃَ (رواہ احمد)۔

سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’ایک شخص صرف ایک مکھی کی وجہ سے جنت میں جا پہنچا اور ایک جہنم میں چلا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو شخص چلتے چلتے ایک قبیلے کے پاس سے گزرے اور اس قبیلے کا ایک بہت بڑا بت تھا۔ وہاں سے کوئی شخص بغیر چڑھاوا چڑھائے نہ گزر سکتا تھا چنانچہ ان میں سے ایک کو کہا گیا کہ یہاں ہمارے بت پر چڑھاوا چڑھاؤ۔ اس نے معذرت کی کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ انھوں نے کہا کہ تمہیں یہ عمل ضرور کرنا ہوگا اگرچہ ایک مکھی پکڑ کر ہی چڑھا دو۔ اس مسافر نے مکھی پکڑ کر چڑھا وا اس کی بھینٹ کر دیا اور انھوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ شخص اس مکھی کی وجہ سے جہنم میں چلا گیا۔ دوسرے شخص سے کہنے لگے کہ تم کسی چیز کا چڑھاوا چڑھا دو تو اس اللہ کے بندے نے جواب دیا کہ میں غیر اللہ کے نام پر کوئی چڑھاوا نہیں چڑھا سکتا۔ یہ جواب سنتے ہی انہوں نے اس مردِ موحّد کو شہید کر دیا تو یہ سیدھا جنت میں پہنچا۔

فیہ مسائل

☆ جو شخص غیر اللہ کے لئے ذبح کرے اس کا پہلے ذکر اور اسے ملعون قرار دینا۔ ☆ جو شخص اپنے والدین کو ملعون کہے وہ خود ملعون ہے اور اگر یہ کہ تم کسی کے والدین کو ملعون کہو گے تو لازمی طور پر وہ تمہارے والدین کو ملعون قرار دیگا۔ اس طرح تم اپنے ہی والدین کو ملعون ٹھراتے ہو۔ ☆ جو شخص محدث (یعنی بدعتی) کو پناہ دے اس پر لعنت، یہ وہ شخص ہے جو کسی ظلم ارتکاب کرے اور پھر پناہ کا متلاشی ہوتا کہ اس سے اس ظلم کا بدلہ نہ لیا جا سکے۔ ☆ جو شخص علامات زمین کو بدلتا ہے اس پر لعنت۔ ان نشانات کو آگے پیچھے کر کے اپنے پڑوسی کا حق مارنا مقصود ہے۔ ☆ کسی خاص شخص کو اور بدکاروں کی جماعت پر عموماً لعنت میں فرق کی وضاحت۔ ☆ وہ قصہ عظیم ہے جو قصّہ ذباب ہے۔ ☆ ایک شخص مکّھی کی وجہ سے جہنّم میں چلا گیا حالانکہ اس کا مقصد اہل صنم کے شر

نجات حاصل کرنا تھا نہ کہ شرک کرنا۔ ☆ایک مومن کے دل میں شرک کتنا سنگین جرم ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے ایک ظاہری عمل کی مخالفت کر کے اپنی جان کی بازی لگا دی لیکن وہ ادنیٰ شرک کرنے پر تیار نہ ہوا کیونکہ اہل صنم نے صرف ظاہری عمل کرنے کو کہا تھا۔ ☆جو شرک کر کے جہنم کا سزاوار ٹھہرا وہ مسلمان تھا کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ ''ایک مکھی کے عوض جہنم میں گیا''۔ ☆زیرِ نظر حدیث ایک دوسری صحیح حدیث کے ہم معنیٰ ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جنت اور دوزخ انسان کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب تر ہیں''۔ ☆دلی کیفیت کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ عنداللہ اسی کی مناسبت سے بدلہ ملے گا اور اس حقیقت کو جان لینا کہ بتوں کے پجاریوں کے ہاں بھی دل کی کیفیت ہی مقصود و مطلوب تھی۔

باب

لا يذبح لِلّٰهِ بمكان يذبح فيه لغير الله

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس جگہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہاں صرف اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا ناجائز ہے۔

(قَوْلَ اللّٰه تَعَالیٰ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ

(پیارے پیغمبر ﷺ) تم ہرگز اس عمارت میں نہ کھڑے ہونا۔ جو مسجد روزِ اوّل سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو۔

اس آیت کریمہ کے بارے میں مفسّرین کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مسجد ضرار میں نماز پڑھنے سے روک دیا تھا اور اس ممانعت میں آپ ﷺ کے ساتھ اُمّت بھی شامل ہے۔ سیدنا ابی سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ''قرآنِ کریم میں جس مسجد کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھے جانے کا ذکر ہے، اس کے متعلق دو شخص مسجد نبوی ﷺ میں آپس میں ایک دوسرے سے مباحثہ کر رہے تھے۔ ایک کا کہنا یہ تھا کہ وہ مسجد قباء ہے۔ دوسرے شخص کا موقف یہ تھا کہ اس مسجد سے مسجد نبوی ﷺ مراد ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ میری

یہ مسجد ہے''۔(مسلم)۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔(التوبہ:۱۰۸)

اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنیوالے ہی پسند ہیں

وہ مقام، جہاں غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہاں خالص اللہ تعالیٰ کے لیے جانور ذبح کرنے سے بچنا چاہیئے، بالکل اسی طرح، جس طرح کہ مسجد ضرار کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنا پر کی گئی تھی، لہٰذا یہ مسجد اللہ تعالیٰ کے غضب کی جگہ ٹھہری، جس میں نماز جائز نہیں۔ اسی طرح جہاں غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کئے جاتے ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کے لئے جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

عن ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ اَنْ يَّنْحَرَ اِبِلًا بِبُوَانَةَ فَسَاَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِّنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِّنْ اَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَافَقَالَ رسول الله ﷺ اَوْفِ بِنَذْرِكَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَآءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَ لَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ اٰدَمَ

سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ بوانہ نامی مقام پر جا کر چند اونٹ ذبح کرے گا اس نذر کے ماننے والے نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا وہاں کوئی بت تھا جس کی مشرک پوجا کرتے تھے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پوچھا کہ کیا وہاں مشرکین کا میلہ لگا تھا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرلو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر کا پورا کرنا درست نہیں ہے۔ اور نہ وہ نذر پوری کرنا صحیح ہے جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ حدیث اس بات کی بین دلیل ہے کہ جس مقام پر مشرکین کا میلہ لگتا ہو یا اس مقام پر ان کا کوئی بت وغیرہ نصب ہو، اگرچہ اس مقام پر اب نہ میلے کا اہتمام ہوتا ہو اور نہ بت پرستی ہو، تاہم اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے لئے کسی جانور کو ذبح کرنا ممنوع ہے اور مصیبت کے دائرے میں داخل ہے کیونکہ مشرکین کا کسی جگہ پر میلہ لگانا یا کسی مقام پر ان کا غیر اللہ کی عبادت کرنا، خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح کرنے اور نذر پورا کرنے کے لئے مانع اور رکاوٹ ہے''۔ حدیث پاک کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ غلط مقام پر صحیح نذر کو پورا کرنا بھی مصیبت ہے اور اس کا پورا کرنا بھی بالاجماع ممنوع ہے۔

فیہ مسائل

☆اللہ کی اطاعت اوراس کی نافرمانی کا اثر زمین پر بھی ہوتا ہے۔ ☆مشکل مسئلہ کو پوری وضاحت سے سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ کوئی اشکال باقی نہ رہے۔ ☆اگر مفتی مناسب سمجھے تو متعلقہ مسئلہ کی تفصیلات دریافت کرسکتا ہے۔ ☆اگر کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہوتو نذر کو پورا کرنے کے لئے کسی بھی جگہ کو مخصوص کیا جاسکتا ہے۔ ☆جس مقام پر دورِ جاہلیت کے اوثان میں سے کوئی وثن ہو، اگرچہ اس کو ختم ہی کردیا گیا ہو تاہم ایسی جگہ کو نذر پورا کرنے کیلئے منتخب نہیں کرنا چاہیئے۔ ☆مشرکین کی عید کی جگہوں پر نذر پوری کرنے سے باز رہنا چاہیئے اگرچہ مشرکین کے عید منانے کا سلسلہ ختم ہی ہو چکا ہو۔ ☆مذکورۃ الصدر ایسی جگہوں میں نذر مانی گئی ہوتو اس کو پورا نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ نذر معصیت کی نذر کہلائے گی۔ ☆مشرکین کی عید کے دن کی مشابہت سے بچنا چاہیئے اگرچہ ان کے ساتھ عید منانا مقصود نہ بھی ہو۔ ☆اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے سلسلے کی نذر باطل ہے۔ ☆انسان جس کا خود مالک نہیں ہے اس کی نذر ماننا غلط ہے۔

باب

من الشرک النذر لغیر اللّٰہ

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز دینا شرک ہے

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا (الدھر:۷) وَ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ

یہ وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) نذر پوری کرتے ہیں اور اُس دن سے ڈرتے ہیں جسکی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔ **(الدھر:۷)** تم نے جو کچھ خرچ کیا ہو، اور جو نذر بھی مانی ہو اللہ کو اسکا علم ہے

یہ آیت کریمہ نذر پوری کرنے کے وجوب پر دلالت کناں ہے کیونکہ نذر کا پورا کرنا عبادت کے قبیل سے ہے اور اس کے ساتھ اس بات کی بھی تصریح موجود ہے کہ غیر اللہ کی نذر ماننا شرک ہے اور یہ کہ جو شخص خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانتا ہے اور اسے پورا بھی کرتا ہے، وہ لائق تعریف ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کے

بعد یہ امر واضح ہوگیا کہ وہ نذریں جو عبادِ قبور، اہل قبور سے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اصحابُ القبور اِن کی حاجات پوری کریں اور ان کے سفارشی بنیں، تو یہ سب بلا رَیب وشک شرک فی العبادت ہے۔

جو شخص قبر وغیرہ کے لئے تیل کی نذر مانے تا کہ قبروں پر دیئے جلائے اور جیسا کہ بعض گمراہ لوگوں کا عقیدہ ہے، یہ عقیدہ رکھے کہ نذر قبول کی جاتی ہے ایسی نذر مسلمانوں کے نزدیک بالاتفاق معصیت ہے اور اسے پورا کرنا ناجائز ہے۔ یہی صورت حال اس مال کی ہوگی جو صاحب قبر یا مجاورین کو خوش کرنے کے لئے بطورِ نذر مانا گیا ہو، کیونکہ یہ مجاورین ان لوگوں سے ملتے جلتے ہیں جو کہ لات، عُزّٰی اور مناۃ کے مجاور تھے۔ وہ بھی ناحق، لوگوں کا مال کھاتے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ آج کے مجاوروں کا بھی یہی حال ہے یہ بھی عوام الناس کا مال بے دریغ کھاتے ہیں اور سب سے بڑا ظلم یہ ہو رہا ہے کہ یہ لوگ صراطِ مستقیم سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں

قبروں کے ان محافظوں اور مجاوروں کو نذر پیش کرنے کی حیثیت عیسائیوں کی صلیب کے محافظوں اور پہرے داروں کی سی ہے، یا پھر ہندوستان میں بُدھ کے مجسموں کے ان پجاریوں کی ہے جو اپنے بتوں کی حفاظت کی خاطر یہاں دھرنا دے کر بیٹھے رہتے ہیں۔

وفی الصحیح عن عائشۃ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَنْ نَذَرَ اَنْ یُّطِیْعَ اللّٰہَ فَلْیُطِعْہُ وَ مَنْ نَذَرَ اَنْ یَّعْصِیَ اللّٰہَ فَلَا یَعْصِہٖ

صحیح بخاری میں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ ﷺ سے روایت ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص یہ نذر مانے کہ وہ کسی معاملہ میں اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے اپنی یہ نذر کرنی چاہیئے۔ اور جو شخص ایسی نذر مانے جو اللہ کی نافرمانی پر منتج ہو تو اس کو پورا کر کے اللہ کا نافرمان نہ بنے''۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو نذر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے مانی گئی ہو، جیسے یہ کہے کہ اگر میرے مریض کو اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی تو میں اتنا مال صدقہ کروں گا، تو ایسی نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ اگر اس نے کسی چیز کے حصول پر ایفائے نذر کو معلق رکھا تو اس کے حاصل ہونے کے بعد نذر پوری کرے۔

فیہ مسائل

☆ نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ ☆ جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ نذر، اللہ کی ایک عبادت ہے تو اس

عبادت کو غیر اللہ کے لئے انجام دینا شرک ہوا۔ ☆ جو نذر مبنی بر معصیت ہو اُسے پورا کرنا جائز نہیں۔

باب

مِنَ الشِّرکِ السُتِعَاذَۃ بِغَیر اللہ

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ غیر اللہ کی پناہ طلب کرنا شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔

بَابٌ مِّنَ الشِّرکِ اَلاِستِعَاذَۃُ بِغَیرِ اللہِ

غیر اللہ سے پناہ طلب کرنا شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔

ہر قسم کی موذی، مہلک اور شریر اشیاء سے بچاؤ کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا رُخ کرنے اور اسی کو اپنا ملجا و ماویٰ قرار دینے کو استعاذہ کہتے ہیں یہ استعاذہ کبھی تو کسی کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے ہوتا ہے اور کبھی کسی بھلائی کی طلب کے لئے۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ عبادات ہیں جن کو اخلاص کے ساتھ انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے جیسے فرمایا: (ترجمہ) ''کہو میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی''۔ (الفلق:۱) ''کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کے''۔ (الناس:۱)۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''جنات نے یہ خیال کیا کہ ہم انسانوں سے افضل اور اعلیٰ مقام کے مالک ہیں کیونکہ انسان ہماری پناہ کی تلاش و جستجو میں رہتے ہیں۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ جب کسی ایسی وادی میں مقیم ہوتے جہاں کوئی خطرہ ہو یا کسی جنگل میں ٹھہرتے جہاں توحش کا سماں ہو تو اس جنگل اور وادی کے سب سے بڑے جن کی پناہ طلب کرتے کہ کہیں ہمیں کوئی چیز تکلیف نہ پہنچائے۔ جیسے

اگر کوئی شخص کسی دشمن کے ملک میں جائے تو اس صورت میں کسی صورت میں کسی بہت بڑے آدمی کی پناہ حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ جب جنات نے محسوس کیا کہ انسان ڈر کر ہماری پناہ میں آتا ہے تو انہوں نے اپنا رعب، دبدبہ اور خوف وخطر کو ان پر اور زیادہ مسلط کر دیا حتیٰ کہ اس زمانے میں انسان سب سے زیادہ خوف جنات ہی سے کھانے لگا''۔

ابوالعالیہ، الربیع اور زید بن اسلم نے رَهَقًا کا ترجمہ خَوْفًا کیا ہے۔

(قَوْال اللّٰه تعَالٰی وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَدُوْهُمْ رَهَقًا (الجن:٦)

انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے بعض لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے اس طرح انہوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔

جنات سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اپنی کوئی ضرورت پوری کرالے یا اپنا کوئی حکم منوالے، یا کسی نامعلوم اور مقام بعید کی خبر حاصل کرلے وغیرہ وغیرہ۔ اور جنات کے انسانوں سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ان سے اپنی تعظیم کرالے، یا اس کو استعاذہ پر مجبور کر دے یا اپنے سامنے اس کو کسی کام کے لیے مجبور کر دے وغیرہ۔ ''اس استعاذہ سے اگر کوئی دنیوی فائدہ حاصل ہو بھی جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ شرک نہیں ہے بلکہ یہ شرک ہی رہے گا''۔

وعن خولة بنت حكيم قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّا تِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْحَلَ مِنْ مَّنْزِلِهٖ ذٰلِكَ (رواہ مسلم)۔

سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جو شخص کسی جگہ میں ٹھہرے اور یہ کلمات کہہ لے کہ ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اسکے مکمل اور بے عیب کلمات کیساتھ، تمام مخلوق کے شر سے'' تو مذکورہ دُعا پڑھنے سے اس مقام سے کوچ کرنے کے وقت تک اُسے کوئی چیز تکلیف نہ دے سکے گی۔

فیہ مسائل

☆ غیر اللہ سے استعاذہ کرنے کا شرک کرنا۔ ☆ غیر اللہ سے استعاذہ کے شرک ہونے پر حدیث سے

استدلال، کیونکہ علمائے کرام اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ کے کلمات مخلوق نہیں ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ مخلوق سے استعاذہ کرنا شرک ہے۔ اگر کلماتُ اللہ مخلوق ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ان سے استعاذہ کی اجازت نہ دیتے۔ ☆اس دعا کے مختصر ہونے کے باوجود اس کی فضیلت۔ ☆کسی عمل سے اگر دنیاوی فائدہ حاصل ہو جائے، مثلاً کسی کی شرارت سے محفوظ رہنا یا کوئی نفع حاصل ہو جائے تو یہ فائدہ اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ عمل شرک نہیں ہے۔

باب

مِنَ ا لشِّرْکَ الْاِسْتَغَاثَۃُ بِغَیْرِ اللہ وَدُعَاء غَیْر اللہ

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے فریاد کناں ہونا شرک ہے۔

بَابٌ مِّنَ ا لشِّرْکِ اَنْ یَّسْتَغِیْثَ بِغَیْرِ اللّٰہِ اَوْ یَدْعُوَ غَیْرَہٗ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ’’کسی سے مدد طلب کرنے کو استغاثہ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس سختی میں مبتلا ہو اس کا ازالہ ہو جانا۔ استغاثہ کے معنٰی بالکل اسی طرح امداد طلب کرنا ہیں جس طرح استنصار کا معنی نصرت طلب کرنا اور استعانت کے معنی اِعانت طلب کرنا ہیں‘‘۔

بعض علماء نے استغاثہ اور دُعا میں فرق کیا ہے اور وہ یہ کہ استغاثہ میں شرط یہ ہے کہ مستغیث کسی مصیبت میں مبتلا ہو جبکہ دُعا عام ہے، کسی مصیبت میں مبتلا ہو یا نہ ہو، دُعا ہر وقت مانگی جا سکتی ہے۔

دعاء کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ دعائے عبادت۔ ۲۔ دعائے مسئلہ۔ قرآنِ کریم میں یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوئی ہیں اور بعض اوقات بیک وقت دونوں مقصود ہوتی ہیں۔ دعائے مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی تکلیف اور مشکل سے نجات کا طلبگار ہو یا کسی منافع کا خواہشمند ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی سخت مذمت فرمائی ہے جو اللہ کے علاوہ ایسے افراد سے طالبِ دعا ہو جو کسی نفع یا نقصان کے قطعاً مجاز نہیں ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ: (ترجمہ) ’’اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان، اگر تو ایسا کرے گا ظالموں میں سے ہوگا‘‘۔ (یونس۔۱۰۶)۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ''ہر دعا عبادت ہے، جو مستلزم ہے دعائے سوال کو اور ہر دعا سوال ہے جو متضمِّن ہے دعائے عبادت کو، جیسا کہ دعائے سوال کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے: ''اپنے ربّ کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' (الاعراف:۵۵)۔

''ذرا غور کر کے بتاؤ اگر تم پر اللہ کی طرف سے کوئی بڑی مصیبت آ جاتی ہے یا آخری گھڑی آ پہنچتی ہے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو بولو اگر تم سچے ہو تو۔ اس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم پر سے ٹال دیتا ہے ایسے موقعوں پر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو **(الانعام:۴۰،۴۱)**

دعائے سوال کے بارے میں قرآنِ کریم میں بیشمار آیات موجود ہیں یہ چند آیات بطورِ نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ یہ دعائے سوال کے بارے میں آیات، دعائے عبادت کو بھی متضمن ہیں کیونکہ سائل نے اپنا سوال فقط اللہ ہی کے سامنے پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعائے عبادت ایک ایسا عمل ہے جو تمام عبادات سے افضل واعلیٰ ہے۔ یہی حالت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے والے، کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والے اور دوسری عبادات میں مشغول رہنے والے کی ہے کیونکہ وہ حقیقی اور معنوی طور پر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے۔ لہٰذا دعا کرنے والا بھی، عبادت گزار ہی ٹھہرا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا کو نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کے نامراد نہ رہوں گا''۔

دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ بار بار تاکید فرماتا ہے کہ اے میرے بندو: ''اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے، اور اللہ ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے''۔ (الاعراف:۵۵تا۵۶)

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں دعائے سوال ہے جو عبادت کو متضمن ہے۔ داعی (دعا کرنے والا) مدعو (جس دعاء کی جائے) کے لئے راغب ہوتا اور اس کے سامنے نہایت عجز وانکساری اور تذلل وخضوع کا اظہار کرتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے الرسالہ السنیۃ میں لکھتے ہیں کہ: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد

مبارک میں اسلام کی طرف انتساب رکھنے والے بعض افراد بڑی بڑی عبادات ادا کرنے کے باوجود دائرہ اسلام سے خارج ہو سکتے ہیں تو آج کا مسلمان بدرجہ اولیٰ دائرہ اسلام سے باہر نکل سکتا ہے اور اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ مشائخ کے بارے میں حد سے زیادہ تجاوز اور غلو کر جانا جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے متعلق بعض لوگ حد سے تجاوز کر گئے اور اسی طرح سیدنا مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں نے انتہائی غلو سے کام لیا۔ پس ہر وہ شخص جو کسی نبی، رسول یا کسی صالح انسان کے بارے میں غلو سے کام لیتا ہے اور اُلوہیت کا کوئی انداز اس میں تصور کرتا ہے، مثلاً یہ کہتا ہے کہ: ''اے حضرت میری مدد کیجئے، یا میری فریادرسی کیجئے یا مجھے رزق دیجئے یا میں تیری پناہ میں آتا ہوں''۔ اور اس قسم کے دوسرے اقوال؛ پس یہ سب شرک اور ضلالت ہے۔ اس قسم کے الفاظ کہنے والے سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا۔ اگر یہ توبہ کر لے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے اللہ تعالیٰ نے اسی لئے تو انبیائے کرام علیہ السلام کو مبعوث کیا اور کتابیں نازل فرمائیں کہ صرف اُسی ایک اللہ کی عبادت کی جائے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس کے علاوہ کسی اور کو معبود نہ پکارا جائے''۔

سو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو معبود قرار دیتے تھے، مثلاً عیسیٰ علیہ السلام، ملائکہ اور اصنام وغیرہ کو، تو ان کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا کہ یہ کسی مخلوق کو پیدا کرتے ہیں یا بارش برساتے ہیں یا انگور وغیرہ اُگاتے ہیں، بلکہ وہ یا تو ان کی عبادت کرتے تھے یا ان کی قبروں کو پوجتے تھے یا ان کی تصویروں کے سامنے جھکتے تھے اور یہ کیوں کرتے تھے؟ قرآن مجید اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے: (ترجمہ) ''ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ تک ہماری رسائی کرا دیں''۔ (الزمر۔۲)۔ ''مشرک یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے صرف سفارشی ہیں''۔ (یونس۔۱۰)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرما کر لوگوں کو اس بات سے روکا کہ وہ کسی دوسرے کو نہ پکارا کریں، نہ دعائے عبادت کی صورت میں اور نہ دعائے استغاثہ کے انداز میں''۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان کسی بھی غیر اللہ کو وسیلہ بنائے، ان پر بھروسہ کرے، ان کو پکارے اور ان سے سوال کرے وہ شخص بالاجماع کافر ہے''۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''شرک کی اقسام میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ انسان اپنی ضروریات فوت شدہ اولیاء اللہ سے طلب کرے، ان کے نام سے استغاثہ کرے اور ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائے، حقیقت یہ ہے کہ یہی شرک کی جڑ ہے۔ جو شخص فوت ہو چکا، اس کے اعمال منقطع ہو

چکے۔ وہ تو اب خود اپنی ذات کے نفع ونقصان پر بھی قدرت نہیں رکھتا چہ جائیکہ دوسروں کی ضروریات میں کام آئے، ان کی فریاد سنے یا یہ کہے کہ وہ اللہ سے اس کی سفارش کرے گا۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ طالب ومطلوب اور شافع ومشفوع دونوں برابر ہیں''۔

احناف کی مشہور کتاب ''فتاویٰ البزازیہ'' میں لکھا ہے کہ: ''جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بزرگانِ دین اور مشائخ کی روحیں حاضر ہیں اور ہمارے بارے میں علم رکھتی ہیں، وہ کافر ہو جاتا ہے۔

شیخ صنع اللہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''**الردّعلی من ادعی ان للاولیاء تصرفات فِی الحیات و بعد الممات علی سبیلِ الکرامة**'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''دورِ حاضر میں مسلمانوں میں کچھ گروہ اس قسم کے پیدا ہو گئے ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو اپنی زندگی میں بھی اور بعد از وفات بھی اس عالم میں قدرت، تصرف حاصل ہے اور شدائد وبلیات میں اُن سے استغاثہ اور استعانت کی جاسکتی ہے کیونکہ اُن کی سعی وہمت سے مشکلات رفع ہوتی ہیں۔ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے ان کی قبروں پر آتے ہیں اور ان سے حاجات رفع کرنے کی درخواست کرتے ہیں کہ یہ اصحابِ کرامت تھے۔ وہ ان کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اِن میں ابدال بھی تھے اور نقباء بھی، اوتاد بھی تھے اور نجباء بھی، ان کی تعداد ۷۷ اور ۴۴ تک پہنچتی ہے۔ قطب وہ ہے جو لوگوں کی فریادیں سنتے ہیں اور ان ہی پر اس نظام کا دارومدار ہے۔ ان کے نام کی نذرونیاز بھی دیتے ہیں، جانور بھی ذبح کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے وہ اولیاء ان کو مستحق اجر گردانتے ہیں''۔

شیخ صنع اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مزید فرماتے ہیں کہ: ''یہ وہ عقیدہ ہے جس میں نہ صرف افراط وتفریط ہی پائی جاتی ہے بلکہ اس میں ہلاکتِ ابدی اور عذابِ سرمدی بھی ہے کیونکہ اس میں خالص شرک کی بو آتی ہے جو کتابُ اللہ کے صحیح اور واضح احکام کے صریح خلاف ہے، تمام ائمہ کرام کے عقائد سے متصادم ہے اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہے قرآنِ کریم کہتا ہے کہ: (ترجمہ) ''جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے درآں حالیکہ اِس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اسی طرح چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے''۔ (النساء۔۱۱۵)۔ ''اور کون ہے جو خلق کی ابتداء کرتا اور پھر اسکا اعادہ کرتا ہے اور کون تم کو آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جو ان کاموں میں حصہ دار ہے۔ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو؟ ان سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور وہ نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے'' (النمل۔۶۱۔۶۵)۔

یہ تمام آیاتِ قرآنی اس بات پر دلائل کناں ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اپنی مخلوق کے لئے تدبیر، تصرف اور تقدیر کا اختیار حاصل ہے۔ اس میں کسی بھی غیر اللہ کو ذرہ برابر دخل نہیں ہے تمام کائنات اس کے قبضہ قدرت، اس کی تسخیر اور اس کے تصرف میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زندگی، موت اور پیدائش اسی کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ یہ تمام اُمور فقط اللہ تعالیٰ کے اختیار و قدرت میں ہیں، اس لیے اس کی تعریف و ثناء میں بہت سی آیات موجود ہیں، مثلاً: (ترجمہ) ''لوگو، تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں، انھیں یاد رکھو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو، کوئی معبود اس کے سوا نہیں، آخر تم کہاں سے دھوکا کھا رہے ہو؟ (فاطر:۳)۔ ''اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرہ کا (کھجور کی گٹھلی کے چھلکے) کے مالک بھی نہیں ہیں، انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے، حقیقتِ حال کی ایسی صحیح خبر ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا''۔

علاّمہ رحمۃ اللہ علیہ موصوف نے یہاں بہت سی آیات نقل کی ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ: ''تمام آیات میں لفظ ''دُوْنِہٖ'' سے ہر وہ غیر اللہ مراد ہے جس کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ استمداد کے قابل ہے، چاہے کوئی ولی ہو یا کوئی شیطانی طاقت جو خود تو اپنی مدد نہیں کر سکتا، وہ بھلا دوسروں کی کیا مدد کرے گا''؟۔

علاّمہ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''یہ خیال کرنا کہ اولیاء اللہ کو مرنے کے بعد کسی قسم کے تَصّرف پر کوئی قدرت حاصل ہے، یہ ان کی زندگی میں تصرفات کا عقیدہ رکھنے سے بھی زیادہ شنیع اور بدعی عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہونے والے ہیں اور یہ لوگ بھی فوت ہونے والے ہیں''۔ (الزمر:۳۰)۔ ''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت رُوحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے''۔ (الزمر:۴۲)۔ ''ہر جاندار چیز نے موت کا مزا چکھنا ہے''۔ (۱۸۵)۔ ''ہر نفس اپنے کرتوت میں پھسا ہوا ہے''۔ (المدثر:۳۸)۔ ''انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال مُنقطع ہو جاتے ہیں''۔ (صحیح مسلم، ابوداوٗد، ترمذی، نسائی)۔

یہ اور اس کے علاوہ دوسری آیات و احادیث اس حقیقت پر دلائل کرتی ہیں کہ موت کے بعد انسان کی حرکت وحِس مُنقطع اور ختم ہو جاتی ہے۔ ان کی ارواح اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہوتی ہیں اور ان کے اعمال میں کمی بیشی کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ میت کو تو اپنی ذات پر بھی کسی قسم کے تصرف کا کوئی

اختیار نہیں ہوتا وہ دوسروں کے معاملات میں کس طرح تصرف کریگی؟ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ کہتا ہے کہ ارواح قطعی طور پر میرے قبضے میں ہیں اور ملحد و اصحابِ بدعت یہ کہتے ہیں کہ ان کو علی الاطلاق تصرفات حاصل ہیں: ''کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ''؟۔(البقرۃ:۱۴۰)۔

علاّمہ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ:''ان کا یہ عقیدہ کہ یہ تصرّفات ان ارواحِ اولیاء کی کرامت ہیں، تو یہ ایک مغالطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کرامت تو من جانب اللہ اولیائے کرام کے لیے ایک ایسا اعزاز ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے کسی ولی اللہ کے ذریعے ظہور پذیر ہوتا ہے، کسی شخص کو اس میں نہ کوئی دخل ہوتا ہے نہ علم ہوتا ہے اور نہ اس کے اظہار پر قدرت حاصل ہوتی ہے اس مقام پر بہت سی آیات نقل کرنے کے بعد علامہ رحمۃ اللہ علیہ موصُوف فرماتے ہیں کہ:''اللہ تعالیٰ نے یہ بات بار بار بیان فرمائی ہے کہ مصائب و مشکلات کو دُور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تنہا وہی مصیبت زدہ اور مضطر لوگوں کی التجاء و دعاء کو سنتا اور شرف قبولیت بخشتا ہے، اسی سے استغاثہ کیا جاتا ہے، وہی تمام کائنات کا فریاد رس ہے، وہی مصائب و بلیات کو دور کرنے پر قادر ہے۔ کسی کی خیر خواہی اس کو مقصود ہو تو وہی اصل خیر خواہ ہے، وہی خیر و برکت کا مالک اور تقسیم کرنے والا ہے، وُہی اکیلا بلا شرکت غیرے سب کام انجام دیتا ہے''۔ سو جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تمام اُمور فقط اسی ایک اللہ کے قبضہ وقدرت میں ہیں تو اس سے انبیاء و اولیاء اور ملائکہ سب کے متصرف اور فریاد رس ہونے کی نفی ہوگئی''۔

علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ''ظاہری اور روزمرہ کے عادی معاملات میں، جو اُمورِ حسیہ میں سے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرنا اور باہم ایک دوسرے سے تعاون طلب کرنا جائز اور مباح ہے، جیسے جنگ کے موقع پر یا دشمن کے حملے کے وقت یا کسی درندے سے بچاؤ کے لیے ایک دوسرے کی امداد اور نصرت حاصل کرنا اور ایسے مواقع پر یا زید، یا مسلمین! کہہ کر پکارنا، یہ سب افعالِ ظاہریہ میں سے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ یہ سمجھنا کہ دوسرے انسان کی مدد اور اس کا تعاون معنوی لحاظ سے اثر انداز ہوتا ہے اور اپنے اندر کوئی خاص قوت و تاثیر رکھتا ہے جیسے شدائد و مشکلات کا دُور ہو جانا یا کسی مریض کا صحت یاب ہو جانا یا کسی کے خوف سے نجات پا جانا یا غرق ہونے سے محفوظ رہنا یا تنگی اور فقر و فاقہ سے نجات پا جانا یا طلب رزق وغیرہ کرنا۔ یہ سب اُمور، اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہیں، ان کے لیے کسی غیر اللہ کے آگے دستِ طلب دراز نہیں کرنا چاہیئے''۔

علامہ رحمۃ اللہ علیہ موصوف اس سے آگے فرماتے ہیں کہ:''یہ عقیدہ رکھنا کہ غیر اللہ کو بلیات و شدائد کو رفع

کرنے اور حاجات کے پورا ہونے میں کچھ اثر اور قدرت حاصل ہے، جیسا کہ دَور جاہلیت کے عرب کہتے تھے یا آج اس دَور کے جہال صوفیاء کا عقیدہ ہے اور وہ ان کو پکارتے بھی ہیں۔ یہ عقیدہ سراسر باطل اور منکرات میں سے ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ غیر اللہ میں سے اللہ کے کسی نبی یا ولی یا کسی روح کو کسی کرب و مصیبت کے دور کرنے یا حاجت روائی کرنے کی طاقت حاصل ہے یا وہ کسی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں یا اس باب میں ان کو کوئی اثر و نفوذ حاصل ہے تو ایسا شخص جہالت کی خطرناک وادی میں گامزن ہے اور دوزخ کے کنارے کھڑا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ رکھنا کہ ''یہ صرف کرامات ہیں'' تو اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے کہ اس کے اولیاء میں اس قسم کی کوئی طاقت موجود ہو۔ یہ تو اصنام و اوثان کے پجاریوں کا عقیدہ ہے، اس کی نشاندہی خود قرآن کریم نے کی ہے کہ وہ غیر اللہ کو صرف سفارشی اور صاحب کرامت سمجھتے تھے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہے کہ: هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآءُ نَا عِنۡدَ اللّٰهِ یعنی ''یہ صرف ہمارے سفارشی ہیں'' (یونس:۱۸)۔ ''ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں''۔ (الزمر:۳)۔ کیا میں اسے چھوڑ کر دوسرے معبود بنا لوں؟ حالانکہ اگر اللہ رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو نہ ان کی شفاعت میرے کسی کام آسکتی ہے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکتے ہیں''۔ (یٰس۔۲۳)۔

اس بناء پر کسی نبی یا ولی کو نافع اور ضار خیال کرنا، جبکہ اس کے بس کی بات نہیں، اصلی اور حقیقی شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ذات میں مصیبت کو دُور کرنے کی قدرت و طاقت نہیں ہے اور نہ کسی میں نفع اور خیر پہنچانے کی قوت موثرہ موجود ہے، یہ سب طاقتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہیں۔ باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ یہ ابدال، نقباء، اوتاد اور نجباء وغیرہ، لوگوں کے فریاد رس ہیں جو باعتبار تعداد کے ۷۷ اور ۴۴ تک پہنچتے ہیں، تو جیسا کہ صاحب ''سراج المریدین'' نے لکھا ہے، یہ ان کا اِفک اور کذب بیانی ہے۔

وَ لَاتَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنۡفَعُکَ وَ لَا یَضُرُّکَ فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیۡنَ (یونس:۱۰۶)

اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہوگا۔

یہاں اگرچہ خطاب خاص طور پر رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن عمومی طور پر پوری اُمت اس خطاب میں شامل ہے۔ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ، آپ ﷺ سے خطاب

کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے محمد ﷺ! اپنے خالق، مالک اور معبودِ حقیقی کے علاوہ کسی صنم اور الہٰ کو نہ پکارنا کیونکہ وہ دُنیا اور آخرت میں نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں اور نہ آپ کا کچھ بگاڑ سکیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے کسی نفع کی توقع رکھ کر یا کسی تکلیف سے ڈر کر ان کی عبادت نہ کرنا۔ ان کے اختیار میں نہ نفع ہے اور نہ ضرر۔ اگر آپ سے بھی ایسا فعل سرزد ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے غیر اللہ کو پکارا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ اس مشرک گروہ میں سے ہو جائیں گے جو اپنی ذات پر ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں''۔

زیرِ بحث آیت کریمہ کی ہم معنیٰ اور ہم مطلب بہت سی آیات ہیں۔ مثلاً: ''پس اے محمد ﷺ! اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو ورنہ تم بھی سزا پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے''۔ (الشعراء:۲۱۳)۔ ''اور اللہ کو سوا کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں''۔ (القصص:۸۸)۔

ان دو آیات میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جس کو پکارا جائے گا وہ الہٰ قرار دیا جائے گا۔ اور اُلوہیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ اس میں غیر اللہ کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہے۔ اِسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ یہی وہ توحید ہے جس کو واضح کرنے کیلئے اور لوگوں کے ذہنوں میں مرتسم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا سلسلہ شروع فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ: ''اور ان کو اسکے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے۔ (البینہ۔۵)۔ اس آیت کریمہ سے اور اس قسم کی دوسری آیات سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنا کفر و شرک ہے۔

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ وَ اِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ یُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔(یونس:۱۰۷) ۔

اور اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرلے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تنہا بادشاہ اور قہار ہے۔ وہی بخشش اعلیٰ کا مالک اور وہی اس کو روک دینے والا ہے وہی نفع و نقصان پر قدرت رکھتا ہے اور جب یہ سب کچھ اس کے قبضہ وقدرت میں ہے تو اسی کو پکارنا چاہیئے اور اسی کی عبادت کرنا چاہیئے کیونکہ عبادت اسی کی ہوسکتی ہے جو مالک وقہار بھی ہو اور نفع ونقصان پہنچانے والا بھی ہو۔ یہ

صفات اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ سو ثابت ہوا کہ وہی ایک اللہ ہے جو عبادت کا سزاوار ہے، وہ نہیں جو سرے سے نفع ونقصان ہی نہیں پہنچا سکتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔(العنکبوت:۱۷)۔

درحقیقت اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمھیں کوئی رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ سے رزق مانگو اور اُسی کی بندگی کرو، اُسکا شکر ادا کرو، اُسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ

آخر اس شخص سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے بلکہ اس سے بھی بے خبر ہیں کہ پکارنے والے ان کو پکار رہے ہیں۔ اور جب تمام انسان جمع کئے جائیں گے، اس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور اُن کی عبادت کے منکر ہوں گے۔(الاحقاف:۵تا۶)۔

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ: ''اور وہی دن ہوگا جبکہ (تمہارا رب) ان لوگوں کو بھی گھیر لائے گا اور ان کے ان معبودوں کو بھی بلا لے گا جنھیں آج یہ اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہیں۔ پھر وہ ان سے پوچھے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود راہ راست سے بھٹک گئے تھے؟۔ وہ عرض کریں گے کہ ''پاک ہے آپ کی ذات، ہماری تو یہ بھی مجال نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا مولیٰ بنائیں مگر آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامانِ زندگی دیا حتیٰ کہ یہ سب بھول گئے اور شامت زدہ ہو کر رہے''۔(الفرقان۔۱۷،۱۸)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''مَنْ دُونِ اللہ سے انسان، فرشتے اور جن مراد ہیں جن کی یہ لوگ پوجا کرتے ہیں جیسے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، عزیر علیہ السلام اور فرشتے وغیرہ''۔

قرآن کریم میں ہے کہ: ''اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرِ کاہ (یعنی کھجور کی گٹھلی کی جھلی) کے مالک بھی نہیں ہیں۔ انھیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر

تمہیں اس خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا''۔(الفاطر۔۱۳۔۱۴)۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (النمل:٦٢)۔

کون ہے جو بے قرار کی دعاء سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور (کون ہے جو) تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔

اے محمد ﷺ! ان سے پوچھو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم مصیبت کے وقت گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو۔(الانعام۔٦٣)۔

ایک جگہ پر اس کی یوں وضاحت کی کہ: ''انسان کا یہ حال ہے کہ جب اس پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہم کو پکارتا ہے۔انسان کو جب کوئی آفت چھو جاتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔انسان کبھی بھلائی کی دعاء مانگتے نہیں تھکتا۔(فصلت۔۴۹)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دعاء عبادت کا مغز ہے''۔ایک دوسری صحیح روایت میں فرمایا گیا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کو یقینِ محکم سے پکارا کرو بایں معنیٰ کہ تمہاری دعاء ضرور قبول ہوگی''۔ایک روایت میں ہے کہ: ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اس پر وہ ناراض ہوجاتا ہے''۔ایک جگہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں دعاء سے زیادہ عزیز ترین کوئی چیز نہیں''۔ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''دعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور زمین و آسمان کا نور ہے۔(الحاکم)۔ایک خطبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو، یہاں تک کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو''۔(الحدیث)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''افضل ترین عبادت دعا مانگنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''مجھ سے مانگو، میں تم سب کی دعا قبول کروں گا''۔

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ

اور جب تمام انسان جمع کیئے جائیں گے، اس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''پوشیدہ طور سے دعا مانگنا، جہری طور پر دعا مانگنے سے ستر درجے زیادہ افضل ہے۔ دعا کے لئے مسلمان بہت کوشش کرتے تھے اور اس انداز سے دعا مانگتے تھے کہ آواز سنائی ہی نہ دیتی تھی۔ ان کی دعائیں ان کے اور ان کے رب کے درمیان راز و نیاز کی حیثیت رکھتی تھیں''۔

وروی الطبرانی باسنادہٖ اَنَّہٗ کَانَ فِیْ زَمَنَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم مُنَافِقٌ یُؤْذِی الْمُؤْمِنِیْنَ فقل بَعْضُھُمْ قُوْمُوْا بِنَا نَسْتَغِیْثُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ ھٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِیُ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّہٗ لَا یُسْتَغَاثُ بِیْ وَ اِنَّمَا یُسْتَغَاثُ بِاللّٰہِ

طبرانی اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَورِ اقدس میں ایک منافق، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت تکلیف دیا کرتا تھا۔ چنانچہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشورہ کیا کہ چلو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس منافق سے گلوخلاصی کے لئے استغاثہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو! مجھ سے استغاثہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے استغاثہ کرنا چاہئے۔

یہ حدیث اس پر نص ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے علاوہ کسی سے بھی استغاثہ کرنا ممنوع ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اس لفظ کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اس کی طاقت رکھتے تھے۔ اس کراہت کی وجہ توحید کی حمایت اور نصرت تھی۔ نیز یہ کہ ذرائع شرک کے دروازے بند ہو جائیں۔ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادب و تواضع کا یہی تقاضا ہے۔ اس کی ایک وجہ افعال و اقوال سے اُمت کو ذرائع شرک سے ڈرانا اور محفوظ بھی ہے۔

غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں قدرت اور طاقت کے باوجود اس سے انکار فرمادیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیونکر صحیح قرار پا سکتا ہے؟ اور وہ اُمور جو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہیں، کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کئے جا سکتے ہیں؟

اس قسم کے لوگ بھی اس عظیم و کریم سے استغاثہ کرنے سے اعراض کر گئے ہیں جو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ تخلیق کائنات کا سارا سلسلہ جس کے ہاتھ میں ہے اور تمام عالم میں وہ اکیلا ہی صاحب امر اور صاحب تدبیر ہے اس کے سوا نہ کوئی الٰہ ہے، نہ رب۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ کہلواتا ہے کہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے کہہ ''میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے''۔ (الاعراف: ۱۸۸)۔

سورۂ جن میں ہے: ’’(پیارے پیغمبر ﷺ) کہو کہ میں تم لوگوں کے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا‘‘۔

ان لوگوں نے قرآن کریم کی ان واضح اور محکم آیات کو چھوڑ کر اپنا الگ ایک عقیدہ بنالیا ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی اور بھی بہت سی مخلوق ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہوگئی ہے۔ انہوں نے شرک باللہ کو دین اور گمراہی کو ہدایت سمجھ لیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ. یہ کتنی بڑی مصیبت ہے اور اس کا نقصان کتنا عظیم ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اہل توحید سے دشمنی رکھتے اور ارباب تجرید کو مبداع قرار دیتے ہیں۔ (فاللہ المستعان)۔

فیہ مسائل

☆ غیر اللہ کو پکارنا شرک اکبر ہے۔ ☆ اگر صلاح و تقویٰ کی معراج پر فائز شخص بھی غیر اللہ کی رضا کیلئے اس کو پکارے گا تو وہ بھی ظالموں میں سے ہوگا۔ ☆ اس کے کفر ہونے کے باوجود یہ لوگوں کو دنیا میں نفع نہیں پہنچائے گا۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے طالب رزق نہیں ہونا چاہیئے جیسا کہ اس کے سوا کسی سے طالب جنت نہیں ہونا چاہیئے۔ ☆ جو شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے اس سے زیادہ گمراہ کوئی نہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کو بھی پکارا جا رہا ہے وہ نہیں جانتا کہ اسے کون پکار رہا ہے۔ ☆ غیر اللہ کو پکارنا گویا مدعو کے دل میں داعی کے خلاف بغض و عداوت پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ ☆ غیر اللہ کو پکارنا حقیقت میں اس کی عبادت کرنا ہے۔ ☆ خود غیر اللہ کا ان کی اس عبادت سے انکار کرنا۔ ☆ غیر اللہ کو پکارنا ہی گمراہی کا سبب ہے۔ ☆ سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بتوں کے پجاری بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ مشکلات سے نجات دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اسی بناء پر وہ مصائب و مشکلات کے وقت خالص اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتے ہیں۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کی حمایت کے معنیٰ توحید کی پناہ گاہ میں داخل ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تادّب کے اظہار کے ہیں۔

باب

قول اللہ تعالیٰ اَيُشۡرِكُوۡنَ مَا لَا يَخۡلُقُ شَيۡـئًا وَّ هُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ وَ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ لَهُمۡ نَصۡرًا وَّ لَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ

کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ اُن کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہ کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، جو نہ اِن کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں۔

قول اللہ تعالیٰ اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَا هُمْ اَنْفُسَهُمْ یُنْصَرُوْنَ

کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ اُن کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہ کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو اس بات پر ڈانٹ پلائی ہے کہ وہ اُن کی عبادت کرتے ہیں جو کسی کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور مخلوق اپنے خالق کی عبادت میں شریک نہیں گنا جا سکتا۔ غیر اللہ کی عبادت کے بطلان پر یہ آیت واضح دلیل اور برہانِ قاطع ہے۔ تمام مخلوق کی یہی حالت ہے، حتیٰ کہ فرشتے، صالحین و اولیاء اور انبیائے کرام علیہم السلام سب اللہ کے محتاج ہیں اور تو اور اشرفُ المخلوقات جناب محمد رسول اللہ ﷺ بھی مشرکین پر غلبہ اور فتح حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرتے تھے۔

قرآن کریم میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: (ترجمہ) ''اور (لوگوں نے) اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں جو کوئی بھی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہ ہی اپنے نفع اور نقصان کا اختیار رکھتے ہیں۔ ان کے اختیار میں نہ موت ہے نہ حیات اور نہ قبر سے اٹھ کھڑے ہونا'' (الفرقان:۳)۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا: (ترجمہ) ''(پیارے پیغمبر ﷺ) فرما دیجئے کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے، اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو مومنوں کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔ (الاعراف:۱۸۸)۔

سورۃ الجن میں فرمایا: (ترجمہ) ''(پیارے نبی ﷺ) یہ بھی فرما دیجئے کہ میں تمہارے حق میں نقصان یا ہدایت کا کچھ اختیار نہیں رکھتا یہ بھی فرما دیجئے کہ اللہ کے عذاب سے مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور میں اس کے سوا کہیں جائے پناہ نہیں پا سکتا۔ ہاں اللہ کی طرف سے، اس کے پیغامات کا پہنچا دینا (میرے ذمہ ہے)۔

غیر اللہ کوئی بھی ہو اس کو پکارنے کے بطلان پر مندرجہ بالا آیت ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ اگر وہ نبی یا اللہ کا نیک بندہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی ہی خالص عبادت کے شرف سے مشرف فرمایا ہے۔ اور اس کے قلب میں یہ بات راسخ کردی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور معبود حقیقی مانے اور توحید کے اس مقام پر راضی رہے۔ پس جو شخص خود عابد و پرستار ہو وہ معبود کیسے بن سکتا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شرک سے مجتنب و گریزاں رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ (فاطر:۱۳۔۱۴)۔

اُسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پر کاہ (کھجور کی گٹھلی کے چھلکے) کے بھی مالک بھی نہیں ہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دُعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کردیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء، ملائکہ اور اصنام وغیرہ کا، جن کی عبادت کی جاتی ہے، عجز اور ضعف بیان فرمایا اور بتایا کہ یہ کیوں عبادت و پرستش کے حقدار نہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ ان اسباب و صفات سے محروم ہیں جن کا ایک معبود میں پایا جانا ضروری ہے۔ ان اسباب میں سرفہرست مندرجہ ذیل تین اسباب ہیں: ۱۔ معبود کو مالک اور صاحب اختیار ہونا چاہیئے ۔۲۔ مدعو (معبود) کے لئے ضروری ہے کہ وہ دعاء اور آہ و بکا کرنے والے کی گریہ وزاری سنتا ہو۔ نیز؛ ۳۔ دُعا سن کر اس کو قبول کرنے کی قدرت و طاقت بھی رکھتا ہو۔ ان تین شروط میں سے اگر ایک بھی کم ہو تو ان کی دعوت باطل ہو جاتی ہے۔ کجا یہ کہ تینوں ناپید ہوں۔ غیر اللہ کی عدم ملکیت مندرجہ ذیل آیات سے عیاں ہوتی ہے: (ترجمہ) ''یہ لوگ اللہ کریم کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جو اِن کو آسمانوں اور زمین میں روزی دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ کسی دوسری چیز کی طاقت رکھتے ہیں''۔ (النحل:۷۳)۔ (ترجمہ) ''فرما دیجئے کہ جن کو تم اللہ کے سوا معبود خیال کرتے ہو اِن کو بلاؤ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے''۔ (سبا:۲۲)۔

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ یہ لوگ پکارنے والے کی پکار کو نہیں سن پاتے، اس کی وضاحت اس آیت میں ہے: اِنْ تَدْعُوْا لَا یَسْمَعُوْا دُعَاءَ کُمْ یعنی یہ جن کو پکارتے ہیں یا تو وہ زندگی سے محروم ہیں اور یا پھر ان کی نظروں سے اوجھل اور غائب ہیں اور اُن فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں جو اُن پر اللہ کی طرف سے عائد کئے گئے ہیں، جو زندگی سے محروم ہیں، وہ یوں ان کی پکار سننے سے قاصر ہیں اور جو زندہ ہیں، جیسے فرشتے، وہ اپنے فرائض میں مصروف ہونے کی وجہ سے اِدھر ملتفت نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اگر یہ ان کی پکار سن بھی لیں تو: مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ "تو وہ تمہیں جواب بھی نہ دے سکیں گے"۔ کیونکہ جواب دینا ان کے بس کی بات نہیں۔ اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ کسی کی پکار اور دعاء کا جواب دے نہ براہِ راست اور نہ کسی اور واسطے اور ذریعے سے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(ترجمہ) "اس شخص سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہوسکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اُسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کر دیں گے"۔ (الاحقاف: ۵تا۶)۔

و فی الصحیح عن انس رضی اللہ عنہ قال شُجَّ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ اُحُدٍ کُسِرَتْ رَبَاعِیَّتُہٗ ......

صحیح بخاری میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ اُحد میں زخمی کر دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دو دانت شہید کر دیئے گئے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی قوم کیسے کامیاب ہو گی جس نے اپنے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کر دیا ہے؟ اس پر آیت نازل ہوئی کہ "(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) فیصلہ کے اِختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں"۔

عتبہ بن ابی وقاص الیمنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت شہید کئے تھے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نچلا جبڑا بھی زخمی ہو گیا تھا اور عبداللہ بن شہاب الزہری نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو زخمی کر دیا تھا۔ عبداللہ بن قمئہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار کو زخمی کیا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں دھنس گئے اور خون بہنے لگا۔ مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر خون کو چوس کر نگل لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ترجمہ) "اے مالک (رضی اللہ عنہ) تجھے جہنم کی آگ ہرگز نہ چھو سکے گی۔

رسول اللہ ﷺ کے دانت ٹوٹنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بالکل جڑ سے اکھڑ کر باہر گر پڑے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دانت کا کچھ حصے ٹوٹ گیا تھا۔ اس واقعہ سے پتلا چلا کہ انبیاء علیہم السلام کو ابتلا و آزمائش کی کٹھن وادی سے گزرنا پڑاتا کہ وہ ان کے اجر میں اضافہ اور بلندیٔ درجات کا سبب بنیں۔ اس لئے بھی ان کو شدید مشکلات سے دوچار ہونا پڑا کہ ان کے ماننے والے ان کی زندگی سے سبق حاصل کریں۔ ان کی مشکلات کو سامنے رکھ کر اپنی مشکلات کا اندازہ لگائیں اور اپنے آپ کو مشکلات کا عادی بنائیں کہ اس کے بغیر منزل مقصود تک پہنچنا ممکن نہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام کے لئے دنیا میں مصائب و مشکلات سے گزرنا اس لئے بھی ضروری تھا تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ انبیاء علیہم السلام بھی عالم انسانوں کی طرح ہی ہوتے ہیں اور ان کو بھی اچانک تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس طرح کہ عام انسان کو، تاکہ لوگوں کو اس بات کا علم اور یقین ہو جائے کہ انبیاء مافوق الفطرت مخلوق نہیں ہوتے بلکہ بشر اور مخلوقِ رب ہی ہوتے ہیں، اور وہ مافوق الفطرت معجزات و واقعات جو ان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کی وجہ سے لوگ شیطانی وساوس کی گرفت میں نہ آئیں جیسا کہ ابلیس نے یہود و نصاریٰ کو اس میں مبتلا کر دیا تھا''۔

ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ زخمی ہو گئے اور تکلیف محسوس ہونے لگی تو کفارِ قریش کی فلاح و کامرانی سے مایوس ہو گئے اور زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل گئے کہ: ''کَیۡفَ یُفۡلِحُ قَوۡمٌ ......'' اسی مایوسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر ﷺ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، انجام کار میرے ہاتھ میں ہے نہ کہ آپ ﷺ کے قبضے میں۔ اس لئے جو کام آپ ﷺ کے ذمے ہے اُسے ادا کرتے رہے اور دعا مانگتے رہیئے''۔

و فیہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوۡلَ اللہِ ﷺ یَقُوۡلُ اِذَا رَفَعَ رَاۡسَہٗ مِنَ الرُّکُوۡعِ فِی الرَّکۡعَۃِ الۡاٰخِیۡرَۃِ مِنَ الۡفَجۡرِ اَللّٰھُمَّ الۡعَنۡ فُلَانًا وَّ فُلَانًا بَعۡدَ مَا یَقُوۡلُ سَمِعَ اللہُ لِمَنۡ حَمِدَہٗ رَبَّنَا وَ لَکَ الۡحَمۡدُ فَاَنۡزَلَ اللہُ لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ الایۃ

صحیح بخاری ہی میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں (جب آپ ﷺ رکوع سے کھڑے ہوئے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا) یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اے اللہ! فلاں اور فلاں شخص پر لعنت فرما''۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ''(اے پیغمبر ﷺ) فیصلہ کے

اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں''۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جنگ اُحد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے اور دانت مبارک شہید ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے لئے بددعا کی: ''**اَللّٰھُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّ فُلَانًا**''(ترجمہ: اے اللہ فلاں اور فلاں پر لعنت فرما)۔

لعنت کا یہاں اصل مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ان کو اپنی رحمتوں سے دُور رکھ۔ یہی لفظ جب انسان، انسان کے بارے میں استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب گالی دینا ہوتا ہے۔

و فی روایۃ یَدْعُوْ عَلٰی صَفْوَانَ بْنَ اُمَیَّۃَ وَ سُھَیْلَ بْنَ عَمْرٍو وَ الْحَارِثَ بْنَ ھِشَامٍ فَنَزَلَتْ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام پر بددعا کرتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ ''(اے پیغمبر!) فیصلے کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں''۔

جنگ اُحد میں لشکر کفار کے سرکردہ ابوسفیان بن حرب، صفون بن اُمیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام ہی تھے۔ ان کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمایا بلکہ اس کے برعکس یہ آیت نازل فرمائی کہ: (ترجمہ) ''اس حکم میں تیرا کوئی اختیار نہیں، اللہ چاہے تو ان کی طرف رحمت لائے یا ان کو عذاب کرے''۔ چنانچہ جنگ اُحد کے بعد یہ چاروں افراد اسلام کی دولت سے بہرہ مند ہو گئے تھے، اور ان کا اسلام لانا ان کے لئے نفع بخش ثابت ہوا۔

قبروں کے پجاریوں کے عقائد کی تردید میں یہ واقعہ اپنے اندر زبردست حجت اور برہان رکھتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ انبیاء وصلحاء اور اولیاء اللہ کو پکارنے والے اور ان کے نام سے اعانت حاصل کرنے والوں کو وہ نہ تو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ دے سکتے ہیں۔

وفیہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم حِیْنَ اَنْزِلَ عَلَیْہِ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اَوْ کَلِمۃً نَحْوَھَا اِشْتَرُوْا اَنْفُسَکُمْ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللہِ شَیْئًا یَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا اُغْنِیْ عَنْکَ مِنَ اللہِ شَیْئًا یَا صَفِیَّۃَ عَمَّۃَ رَسُوْلِ اللہِ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللہِ شَیْئًا وَ یَا فَاطِمَۃَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِیْ مِنْ مَّالِیْ مَا شِئْتِ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللہِ شَیْئًا

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا: ''اے قریش کی جماعت! اپنی جانوں کو بچاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آؤں گا۔ اے چچا عباس بن عبدالمطلب! اے پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا! اپنی جانوں کو بچالو، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کسی کام نہ آؤں گا۔ اے میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا! میرے مال میں سے جو چاہے مانگ لے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرے کام نہ آؤں گا''۔

قولہ: اِشْتَرُوْا اَنْفُسَکُمْ: کا مطلب یہ ہے کہ: توحید کا اقرار کرے، عبادت میں دولت خلوص سے مالا مال ہو کر، شرک سے اجتناب کر کے، اس کے حکموں کو مان کر اور اس کی منع کی ہوئی اشیاء سے رُک کر اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے بچالو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ ان ہی احکام پر عمل پیرا ہونا ہے۔ حسب ونسب پر اعتماد کسی کام نہ آئے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وقعت حاصل نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشادِ گرامی میں ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو انبیاء وصالحین کے فوت ہو جانے کے بعد اُن سے مصائب ومشکلات میں امداد کے متمنی ہوتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کی سفارش کرتے ہیں، ان کو نفع پہنچاتے ہیں یا ان کی تکالیف کو دور کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہی وہ شرک ہے جس کی وضاحت کی غرض سے اور جس کے انجام بد سے آگاہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت سے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ صرف ایمان باللہ اور عمل صالح ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی شے ذریعہ نجات نہیں بن سکتی۔

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری بیٹی، اپنی لختِ جگر، اپنے مہربان چچا، اپنی پھوپھی اور اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کو نفع نہیں پہنچا سکتے تو ان کے علاوہ دوسرے افرادِ اُمت کی کیا حیثیت اور وقعت باقی رہ جاتی ہے؟ خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے واقعہ میں تو اہل بصیرت اور عقلمندوں کے لئے بڑی عبرت اور نصیحت کا سامان پنہاں ہے۔

ان لوگوں پر سخت افسوس ہوتا ہے جو مردوں کے پاس اپنی حاجات اور مشکلات لے جاتے ہیں اور ان کے مشاہد وقبور پر اُمید وخوف کے ملے جلے جذبات سے کامل توجہ اور انکساری کے ساتھ حاضری دیتے ہیں

حالانکہ وہ خود اتنے عاجز اور درماندہ ہیں کہ اپنی جان کے لئے بھی نفع مند ثابت نہیں ہو سکتے اور نہ اپنی تکالیف ہی کو از خود دور کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں بھلا دوسروں کے کام کس طرح پورے کر سکتے ہیں؟

فیہ مسائل

☆ سید الانبیاء ﷺ کا قنوتِ نازلہ پڑھنا اور آپ ﷺ کے پیچھے سادات الاولیاء یعنی صحابہ کا آمین کہنا۔ ☆ جن کے لئے بددعا کی گئی تھی وہ کافر تھے۔ ☆ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہ سلوک کیا جو دوسرے کفار نے نہیں کیا جیسے رسول اللہ ﷺ کو زخمی کرنا، آپ ﷺ کے قتل پر آمادہ اور کوشاں ہونا، مسلمان شہداء کا مثلہ کرنا۔ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ پر ظلم ڈھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی حالانکہ یہ لوگ آپ ﷺ کے قریبی رشتہ دار تھے اور بعض تو آپ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے۔ اِس قدر قریبی رشتے کی بھی اُنہوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ ☆ ان مظالم کے باوجود اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ ان کا انجامِ کار آپ ﷺ کے قبضہ وقدرت میں نہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''ان کی توبہ قبول کرلے یا اُن کو عذاب دے''۔ چنانچہ اللہ کریم نے ان کی توبہ قبول کی اور وہ ایمان لے آئے۔ ☆ نزول حوادث کے موقع پر دُعائے قنوت پڑھنا۔ ☆ جن کے لئے بددعا کی جارہی ہو اُن کے اور اُن کے آباء واجداد کے نام نماز میں لینا۔ ☆ قنوت میں کسی خاص شخص کا نام لے کر لعنت کرنا۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایئے'' تو آپ ﷺ کا ایک ایک کو پکار کر عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا واقعہ۔ ☆ جب رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ توحید سنائی تو آپ ﷺ کو مجنون جیسے لقب سے پکارا جانا۔ آج بھی اگر کوئی شخص دعوتِ توحید دے تو اُس کو بھی ایسے ہی القاب سے پکارا جاتا ہے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کا قریبی اور غیر قریبی سب کو علی الاعلان یہ فرمانا کہ میں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی فرمایا کہ میں تم کو بھی عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکوں گا۔ سید المرسلین کا سیدۃُ نساءِ العالمین فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس صراحت سے کہنا کہ میں تم کو اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ رکھ سکوں گا، انسان کا یہ ایمان اور یقین کہ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سوائے حق کے دوسری بات نہیں نکلتی۔ مندرجہ بالا صراحت کی روشنی میں آج کے حالات پر بھی غور کیجئے کہ جس میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ بعض خواص بھی مبتلا ہیں تو آپ کو صحیح توحید صاف طور پر معلوم ہوگی اور دین کی بے بسی بھی واضح ہو جائے گی۔

باب

قول اللہ تعالیٰ حَتّٰی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ

جب گھبراہٹ اُن کے دلوں سے دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم دیا ہے؟ اس پر مقربین کہتے ہیں کہ جو حکم دینا چاہیئے تھا وہی دیا ہے۔ اور وہ عالی شان اور سب سے بڑا ہے۔

قول اللہ تعالیٰ حَتّٰی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (سبا:۲۳)

جب گھبراہٹ اُن کے دلوں سے دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم دیا ہے؟ اس پر مقربین کہتے ہیں کہ جو حکم دینا چاہیئے تھا وہی دیا ہے۔ اور وہ عالی شان اور سب سے بڑا ہے۔

ابو حیان رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر ''البحر المحیط'' میں رقمطراز ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس بارے میں واضح ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ''مقربین'' سے مراد فرشتے ہی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کرتے ہیں تو تمام فرشتے ایک آواز سنتے ہیں، جیسے کسی نے پتھر پر لوہے کو دے مارا ہو تو اس آواز کی دہشت، خوف اور ہیبت سے اُن پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے''۔

ہوش میں آنے کے بعد ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ پھر خود ہی ایک

دوسرے سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ برحق ہے۔

قولہ: وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ: یہاں مراد بلندیٔ قدر و منزلت، بلندیٔ قہر و اختیار اور بلندیٔ ذات ہے۔ غرض ہر قسم کی کامل ترین بلندیاں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے لئے خاص ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے جب سوال کیا گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی معرفت کیسے حاصل کریں؟ تو فرمایا: اِس طرح کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوقات سے جدا (بائن) عرش پر استوا پذیر مانیں''۔ اس عقیدہ کو قرآن کریم سے ماخوذ اور اللہ کی طرف سے تعلیم کردہ خیال کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ:۵) ''رحمٰن عرش پر استوا پذیر ہوا۔ اسی طرح فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الفرقان:۵۹)۔ ''پھر وہ (اللہ) عرش پر استوا پذیر ہوا''۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پر استوا پذیر ہونا قرآن کریم میں تقریباً سات مقامات پر آتا ہے۔

قولہ: اَلْكَبِيرُ: یعنی اللہ تعالیٰ سے نہ تو کوئی بڑا ہے اور نہ کوئی اعظم ہے۔ تبارک وتعالیٰ۔

فی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا قَضَى اللّٰهُ الْاَمْرَ فِي السَّمَآءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا اِضْعَانًا لِقَوْلِهٖ كَاَنَّهٗ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ حَتّٰى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ وَ مُسْتَرِقُ السَّمْعِ هٰكَذَا بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ وَ صَفَهٗ سُفْيَانُ بِكَفِّهٖ فَحَرَّفَهَا وَ بَدَّدَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا اِلٰى مَنْ تَحْتَهٗ ثُمَّ يُلْقِيهَا الْاٰخَرُ اِلٰى مَنْ تَحْتَهٗ حَتّٰى يُلْقِهَا عَلٰى لِسَانِ السَّاحِرِ اَوِ الْكَاهِنِ فَرُبَمَا اَدْرَكَهُ الشِّهَابُ قَبْلَ اَنْ يُّلْقِيَهَا وَ رُبَمَا اَلْقَاهَا قَبْلَ اَنْ يُّدْرِكَهٗ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ فَيُقَالُ اَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا كَذَا وَ كَذَا فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنَ السَّمَآءِ

صحیح بخاری میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی بات کا فیصلہ صادر فرماتا اور حکم دیتا ہے تو مارے ڈر اور خوف کے فرشتے اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی بنا پر اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے لگتے ہیں اور اللہ کے کلام کی آواز ایسی واضح اور زوردار ہوتی ہے جیسے صاف اور نرم پتھر سے لوہے کی زنجیر ٹکرائے یہ آواز ان فرشتوں کے دلوں میں اُتر جاتی ہے۔ جب ان کو گھبراہٹ اور غشی سے افاقہ ہوتا ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ جواب

دیتے ہیں جو کچھ فرمایا وہ حق ہی ہے اور وہ صاحب علو ہے۔ چنانچہ اس کلامِ ربانی کو شیطان چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ صف بصف زمین سے آسمان تک اوپر تلے سننے پر آمادہ رہتے ہیں۔ (رائی حدیث) سیدنا سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے شیاطین کے صف بصف اوپر تلے ہونے کی حالت کو اپنا ہاتھ ٹیڑھا کر کے اور اُنگلیوں میں فاصلہ دے کر بتایا کہ اس طرح کھڑے ہوتے ہیں۔ جب سب سے اُوپر والا شیطان کوئی بات سنتا ہے تو وہ اپنے سے نیچے والے کو بتاتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو بتاتا ہے یہاں تک کہ وہ ساحر یا کاہن کو بتا دیتا ہے۔ پس کاہن کو بتانے سے پہلے ہی شہاب اُس کو جلا دیتا ہے اور کبھی بات بتانے کے بعد اس پر آ کر گرتا ہے۔ پس شیطان ایک بات کے ساتھ سو جھوٹ ملاتا ہے۔ اگر کوئی بات ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں روز فلاں کاہن نے یوں ہی نہ کہا تھا چنانچہ صرف ایک سچی بات جو آسمان سے سنی گئی تھی، کی وجہ سے کاہن کو سمجھا جاتا ہے

مزید سمجھنے کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو مرفوع روایت نقل کی ہے اس پر غور کیجئے تو بات صاف ہو جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (ترجمہ) ''فرشتے بادلوں میں نازل ہوتے ہیں اور جو فیصلہ آسمان میں ہوتا ہے اُس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس آواز کو شیاطین چوری چھپے سن لیتے ہیں اور کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں''۔

شہاب سے مراد وہ ٹوٹا ہوا ستارہ ہے جو شیاطین پر پھینکا جاتا ہے یعنی کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ شہاب سننے والے شیطان کو جلا دیتا ہے۔ پتہ چلا کہ اگر کسی کی باتوں میں ایک آدھ بات سچی اور صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کی سب کی سب باتیں سچی ہوں گی۔ کیونکہ گمراہ اور بدعتی لوگوں کا شیوہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک بات صحیح اور اس کے ساتھ کئی جھوٹی، غلط اور بے بنیاد باتیں ملا کر عوام کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ صحیح بات صرف اس لئے کہتے ہیں کہ سادہ لوح عوام ان کی جھوٹی باتوں کے فریب میں پھنس جائیں۔

و عن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْ یُّوْحِیَ بِالْاَمْرِ تَکَلَّمَ بِالْوَحْیِ اَخَذَتِ السَّمٰوٰتُ مِنْہُ رَجْفَۃً اَوْ قَالَ رَعْدَۃً خَوْفًا مِّنَ اللّٰہِ تَعَالٰی فَاِذَا سَمِعَ ذٰلِکَ اَھْلُ السَّمٰوٰتِ صُعِقُوْا وَ خَرُّوْا لِلّٰہِ سُجَّدًا فَیَکُوْنُ اَوَّلَ مَنْ یَّرْفَعُ رَاْسَہٗ جِبْرِیْلُ فَیُکَلِّمُہُ اللّٰہُ مِنْ وَحْیِہٖ بِمَا اَرَادَ ثُمَّ یَمُرُّ جِبْرِیْلُ رضی اللہ عنہ عَلَی الْمَلَائِکَۃِ کُلَّمَا مَرَّ بِسَمَآءٍ سَاَلَہٗ مَلَائِکَتُھَا مَا ذَا قَالَ رَبُّنَا یَا جِبْرِیْلُ فَیَقُوْلُ جِبْرِیْلُ قَالَ الْحَقَّ وَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ

سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب وحی کرنا چاہتا ہے تو اُس حکم سے کلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی آواز سنتے ہی تمام آسمانوں پر اللہ کے خوف سے کپکپی اور دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ پھر جب اسے آسمان والے سنتے ہیں تو بیہوش ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں پس سب سے پہلے جبریل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے گفتگو فرماتا ہے۔ جس آسمان سے جبریل علیہ السلام فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ دریافت کرتے ہیں کہ ہمارے رب تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ جبریل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ حق ہی فرمایا ہے اور وہی صاحب علو (بلندی و بڑائی) ہے۔

یہ حدیث منکرین نطق (یعنی اللہ تعالیٰ کو بولنے والا نہ ماننے والوں) پر اہل سنت کی طرف سے دلیل اور برہانِ قاطع ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: لَمْ یَزَلِ اللّٰہُ مُتَکَلِّمًا اِذَا شَآءَ ''اللہ تعالیٰ ازل سے صفتِ کلام سے متصف رہا ہے، اُس نے جب چاہا تکلم فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ آسمان اللہ کے کلام کو سنتے ہیں، اس سلسلے میں ابن ابی حاتم نے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے وہ منکرین کے عقائدِ باطلہ پر ایک ضرب کی حیثیت رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: (ترجمہ) ''جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر ایک زلزلہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور تمام فرشتے سجدہ میں گر جاتے ہیں''۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی سے یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں احساس اور معرفت کا ملکہ پیدا کر دیا ہے، تبھی تو وہ اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ عظیم مخلوق بھی اس کی تسبیح و تہلیل کہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) ''ساتوں آسمان اور زمینیں اور اُن کے رہنے والے سب اسی کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بیشک وہ بردبار (اور) غفار ہے''۔

مسند امام احمد میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک صحیح روایت یوں منقول ہے: (ترجمہ) ''رسول اکرم ﷺ نے جبریل کو اُس کی اپنی صورت میں دیکھا کہ اُس کے پر چھ سو تھے اور ہر ایک پر آسمان کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا (خوف اور ڈر کی وجہ سے) اُس کے پیروں سے موتی اور یاقوت گر رہے تھے جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اس حدیث پر غور کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مخلوق اتنی بڑی ہو سکتی ہے تو اُس خالق کائنات کی عظمت،

جلالت اور کبریائی کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

سب سے اہم مسئلہ جس پر غور وفکر کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس خالق کائنات کے علاوہ کون ہے جس کی عبادت کی جائے، جس سے دُعا کی جائے، جس سے ڈرا اور خوف کھایا جائے اور کون ہے جس پر بھروسہ کیا جائے اور اُس سے اُمیدیں وابستہ کی جائیں اور ان عبادات کے علاوہ دوسری عبادات می   اللہ کے سوا کون مستحق ہے؟ فرشتوں کی حالت اور ان کے خوف و دہشت پر ایک نظر ڈالیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کس قدر لرزہ براندام ہیں۔ ان کی حالت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے: (ترجمہ) ''بلکہ وہ (فرشتے) اُس کے صاحب عزت بندے ہیں۔ اسکے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اسی کے حکم پر عمل پیرا رہتے ہیں جو کچھ ان سے پہلے ہو چکا اور جو کچھ اب ہوگا وہ سب سے آگاہ اور واقف ہے اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرسکتے مگر اُس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو اور وہ اُس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو بھی ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے بعد میں بھی معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں''۔ (الانبیاء:۲۶ تا ۲۹)

اس باب میں جن آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے، یہ اُس توحید کی وضاحت اور توضیح کرتی ہیں جس کا بیان کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں ہے کیونکہ وہ ملک عظیم جس کے کلام کو سن کر فرشتے خوف و دہشت سے غش کھا کر گر پڑتے ہیں اور تمام مخلوقات اس سے گھبراتی اور کانپتی ہیں اور وہ ذاتِ اقدس ہے جو اپنی صفات، اپنے علم، اپنی قدرت، اپنی بادشاہت، اپنی عظمت و شرف اور بے نیازی میں تمام مخلوقات سے کامل واکمل ہے اور ساری کائنات اس کی محتاج ہے اور اس کے فیصلے، اس کا تصرف اور اس کی تقدیر مخلوقات میں نافذ اور جاری و ساری ہیں کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے۔ پس ایسی باکمال ذاتِ کبریا کے ساتھ کسی کو اس کی عبادت میں شریک ٹھہرانا شرعاً یا عقلاً کسی لحاظ سے بھی درست نہیں۔ جو خود پرورش یافتہ ہو، اُسے پرورش کنندہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ اور جو خود عابد ہو، اُسے معبود کیونکر مانا جاسکتا ہے؟ ان کی عقلیں کہاں چلی گئی ہیں اور ان کی قوتِ فہم کیوں سلب ہوگئی ہے؟ تعجب ہے کہ یہ موٹی موٹی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں؟ سبحان اللہ عما یشرکون۔ اللہ تعالیٰ تو صاف اور کھلے الفاظ میں فرماتا ہے: (ترجمہ) تمام شخص جو زمین و آسمان میں ہیں، سب اللہ کے رُوبرو غلامانہ حیثیت سے آئیں گے اُس نے ان کو گھیر رکھا اور شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دِن ان کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔ (مریم:۹۳ تا ۹۵)۔

پس بلا استثناء جب تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی غلام اور عبید ہے تو بغیر کسی دلیل و حجت کے ایک دوسرے کی

عبادت کیوں کرتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ صرف اپنی رائے کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں اور اختراعات اور من گھڑت اُمور میں مبتلا ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوّل سے آخر تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو صرف اس لئے مبعوث فرمایا کہ وہ لوگوں کو شرک سے بچنے کی تلقین کریں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی عبادت سے منع کریں، اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی اطاعت میں ایسا ہی کیا۔

فیہ مسائل

☆ آیت ''حتی اذا فزع'' ابطالِ شرک پر دلیل ہے، خصوصاً اُس شرک پر جس کا تعلق صلحائے اُمت سے ہے، جو انسان کے دل سے شرکیہ عقائد کی جڑیں کاٹتی ہے۔☆ فرشتوں کے سوال کرنے کا سبب اور وجہ۔☆ فرشتوں کے سوال کے بعد جبریل علیہ السلام ان کو جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ یہ ارشادات فرمائے ہیں۔ ☆اس بات کی وضاحت کہ غشی کے بعد سب سے پہلے جبریل علیہ السلام اپنا سر اٹھاتے ہیں۔☆ چونکہ ہر آسمان کے فرشتے جبریل علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں لہٰذا وہ سب کو جواب دیتے ہیں۔☆ بیہوشی اور غشی تمام آسمانوں کے فرشتوں پر طاری ہو جاتی ہے۔☆ اللہ تعالیٰ کے کلام سے آسمانوں کا لرزنا۔☆ وحی الٰہی کو صرف جبریل علیہ السلام جہاں اللہ تعالیٰ اس کو حکم دیتا ہے، منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔☆ شیاطین کے چوری چھپے کلامِ الٰہی کو سننے کا ذکر۔☆ شیاطین کے صف بہ صف ایک دوسرے کے اوپر تلے کھڑے ہونے کی صورت اور کیفیت۔☆ شیاطین پر شہاب کا گرنا۔☆ بعض اوقات شیاطین کے سننے سے پہلے ہی شہاب اُن کو خاکستر بنا دیتا ہے اور بعض اوقات وہ سننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اپنے گلے بندھوں کے کانوں میں جا کر ڈال دیتے ہیں۔☆ بعض اوقات کاہن بھی ٹھیک ٹھیک بات بتا دیتا ہے۔☆ کاہن اگر ایک بات صحیح بتاتا ہے تو اُس کے ساتھ سو جھوٹ بھی ملا دیتا ہے۔☆ کاہن کے جھوٹ کو لوگ صرف اس لئے تسلیم کر لیتے ہیں کہ اُس نے ایک سچی بات بھی تو کہی تھی اور وہ بھی آسمان سے سنی گئی تھی۔☆ نفوس انسانی باطل کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔غور کیجئے کہ انسان کاہن کی صرف ایک سچی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اُسے سچا تسلیم کر لیتا ہے لیکن اس کے سو جھوٹ کی کیوں پرواہ نہیں کرتا؟۔☆ شیاطین ایک دوسرے سے سن کر اُسے یاد کر لیتے ہیں اور اس سے بعض دوسرے جھوٹوں کے صحیح ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔☆ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات، اشاعرہ و معطلہ (فرقے) اس کو نہیں مانتے۔☆ یہ دہشت اور غشی اللہ تعالیٰ کے خوف سے طاری ہوتی ہے۔☆ تمام فرشتے

اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے میں گر جاتے ہیں۔

باب الشفاعۃ

اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ سفارِش کی دو قسمیں ہیں۔ایک سفارش وہ ہے جو قرآن کریم سے ثابت ہے اور دوسری سفارِش وہ ہے جس کے قائل مشرک ہیں۔

قوله وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (انعام:۵۱)۔

اور اے محمد (ﷺ) تم اِس (علم وحی) کے ذریعہ سے اُن لوگوں کو نصیحت کرو جو اِس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کئے جائیں گے کہ اُس کے سوا وہاں کوئی (ایسا ذی اقتدار) نہ ہوگا جو ان کا حامی اور مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے شاید کہ (اس نصیحت سے متنبہ ہوکر) وہ خوفِ الٰہی کی روش اختیار کرلیں‘‘۔

قوله تعالیٰ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا

کہو شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر میں فرماتے ہیں: ’’مشرکین جن لوگوں کو اپنا شفاعت کنندہ سمجھتے ہیں اُن کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ چونکہ یہ مقرب اور برگزیدہ ہیں اس لئے یہ ہماری شفاعت کریں گے۔ قرآن مجید نے یہ کہہ کر کہ سفارش کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے اس عقیدہ کی تردید کی ہے‘‘۔

مفسر قرآن علامہ ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’مشرکین نے یہ کہا کہ ہم کسی وثن اور صنم کی قطعاً پوجا نہیں کرتے ہم تو ان اولیائے کرام کے نام کی نذر و نیاز صرف اس لئے دیتے ہیں تاکہ یہ لوگ ہم گنہگاروں کے لئے قربِ الٰہی کا ذریعہ اور وسیلہ بن جائیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: (ترجمہ)

''زمین وآسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے اور پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے''۔یعنی سفارش بھی اُسی کی ہوگی جس کے قبضہ وقدرت کے دائرے آسمان وزمین تک وسعت پذیر ہیں''۔

قولہ تعالیٰ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ

کون ہے جواُس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟

اس آیت کریمہ میں اُس شفاعت کا ذکر ہے جو میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کی اجازت اوراس کے حکم سے کی جائے گی۔اس سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ) اُس روز سفارش کچھ فائدہ مند نہ ہوگی مگر اُس شخص کی جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے دے، اوراس کی بات کو پسند فرمالے''۔اس سے پتہ چلا کہ جب کسی شخص میں دوشرطیں پائی جائیں گی تو وہ سفارش کر سکے گا: ا۔جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دیدے کہ تم سفارش کر سکتے ہو۔ ۲۔جس کے لئے شفاعت کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے۔

قولہ تعالیٰ وَ کَمۡ مِّنۡ مَّلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغۡنِیۡ شَفَاعَتُہُمۡ شَیۡـًٔا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ یَّاۡذَنَ اللّٰہُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَرۡضٰی

آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں،ان کی شفاعت کچھ بھی کام نہیں آسکتی جب تک کہ اللہ کسی ایسے شخص کے حق میں اِس کی اجازت نہ دے جس کے لئے وہ کوئی عرضداشت سننا چاہے اور اُس کو پسند کرے۔

اس آیت کریمہ اور سابقہ دونوں آیات کا مطلب ایک ہی ہے۔علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جب مقرب اور برگزیدہ فرشتوں کا یہ علم ہے کہ وہ بھی بارگاہِ قدس میں دم نہیں مار سکتے تو یہ جاہل اوراحمق لوگ غیر اللہ اور معبودانِ باطل سے کس طرح توقع اور اُمید لگائے بیٹھے ہیں؟ جن کی عبادت کا اللہ تعالیٰ نے نہ شریعت میں کوئی حکم فرمایا اور نہ اجازت دی۔بلکہ اس کے برعکس تمام انبیائے کرام کے ذریعہ سے اس کی تردید اور ممانعت فرمائی،اوراپنی نازل کردہ کتب میں اس کی نفی کی''۔

قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان مشرکین سے) کہو کہ پکار دیکھو اُن اپنے معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھ بیٹھے ہو۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ان آیات پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:''اللہ تعالیٰ نے ان تمام اسباب اور ذرائع

کو کالعدم قرار دے دیا ہے جن کو کسی نہ کسی صورت میں مشرکین عقیدۂ سفارش کو ثابت کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ مشرک غیر اللہ کو صرف اس لئے معبود بناتا ہے کہ اُسے اس سے کوئی فائدہ اور نفع حاصل ہو لیکن جب تک کسی شخص میں مندرجہ ذیل چھ صفات نہ پائی جائیں اس وقت تک اُس سے نفع کی توقع عبث ہے: ا۔ اسے نفع اور فائدہ پہنچانے پر قدرت یا ملکیت اور اختیار ہو۔ ۲۔ ملکیت حاصل نہ ہو تو شریک ملکیت ہو۔ ۳۔ شرکت بھی میسر نہ ہو تو مالک کا معین و مددگار ہو۔ ۴۔ اگر مددگار بھی نہیں تو کم از کم مالک کے ہاں اس کی یہ حیثیت تو مُسلَّم ہو کہ اس کی سفارش کے اس کے مانی جاتی ہے۔ ۵۔ اُس کے پاس ایسی ہی سلطنت و ملکیت ہو۔ ۶۔ طاقت وقوت میں اُس سے بڑھ کر ہو۔

پس ایک عقلمند، اور صاحب بصیرت شخص کے لئے اس آیت میں ہدایت اور دلائل کی دولت موجود ہے اور توحید الٰہی سمجھنے کے لئے شمع نور ہویدا ہے۔ شرک و بدعت کی جڑیں کاٹنے کے لئے یہ آیات تلوارِ بے نیام کی حیثت رکھتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اس قسم کی آیات سے بھرا پڑا ہے لیکن افسوس ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے وہ یہ کہ لوگوں میں شعور کا مادہ ختم ہو چکا ہے اور شرک و بدعت میں اس قدر آگے نکل گئے ہیں کہ اُن کا واپس آنا مشکل نظر آتا ہے کہ مشرکین یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے آباؤ واجداد نے جو سوچ اور فکر ان کو دیا ہے وہ اس کے واحد وارث ہیں جس کی حفاظت ان کا فرض ہے یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان کا قلب فہم قرآن کے درمیان حائل ہے۔

اللہ کی قسم! ان مشرکین کے آباؤ واجداد، اپنے ہی جیسوں کو یا اپنے سے زیادہ شریروں کو وارث بنا گئے ہیں چنانچہ قرآن پاک ان کو اور اُن کو برابر رکھتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''☆ مردوں سے اپنی حاجات طلب کرنا۔ اور ☆ اُن سے استغاثہ اور فریاد کرنا۔ دنیا میں سب سے بڑا شرک ہے۔ اس لئے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع اور ختم ہو چکا ہے۔ اور جب وہ خود اپنی جان کے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں رہا تو وہ دوسرے کی فریاد سن کر کیا جواب دے گا؟ اب تو دوسروں کی شفاعت اس کے لئے ممکن ہی نہیں رہی۔ شفاعت طلب کرنے والا اور جس کو شفاعت کنندہ سمجھ لیا گیا دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت کرنا تو درکنار اونچی آواز سے بول بھی نہیں سکتا۔ اور سب سے غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ سے استغاثہ، فریاد رسی اور سوال کرنے

کو اپنا رضا کا سبب اور ذریعہ بھی نہیں قرار دیا بلکہ اس کو عدم اجازت اور شرک سے تعبیر فرمایا ہے اور اپنے غضب اور قہر کا باعث ٹھہرایا ہے۔اب ہر مشرک کی یہ کیفیت ہو چکی ہے کہ اس نے غیر اللہ سے فریاد کر کے حقیقت میں اپنی حاجت اور طلب کے درمیان اللہ تعالیٰ کی ناراضی کو حائل کر لیا ہے۔معبودِ حقیقی کے ساتھ شرک اُس کے دین خالص میں تغیر و تبدل، اہل توحید سے عداوت اور دشمنی یہ سب عیب مشرکین نے اپنے اندر جمع کر رکھے ہیں۔ان کا شرک کرنا، خالق کائنات میں عیب اور نقص نکالنے کے مترادف ہے۔اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور موحدین کی مذمت اور ان سے عداوت ہے۔

ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ اہل توحید مردوں کی تنقیص کرتے ہیں حالانکہ خود ان کا عمل یہ ہے کہ شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تنقیص کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان لوگوں کی تنقیص کے مرتکب ہوتے ہیں جن کو یہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ان معنوں میں کہ اللہ کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ بزرگ ان کے اس شرک پر خوش ہیں اور یہ کہ خود انہوں نے ان کو شرک کی تلقین کی ہے اور یہ ان کی دوستی کا دم بھرتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ شرک کرنے والے انبیاء و رُسل کے ہر دور میں اور ہر جگہ دشمن تصور کئے گئے ہیں۔خصوصاً جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرالیا گیا ان میں تو بہت زیادہ نقص نکالنے کی اس وجہ سے کوشش کی گئی کہ وہ ہماری ان عبادتوں پر راضی ہیں اور یہ کہ ان کو اس قسم کی عبادات کا انہوں نے خود حکم دیا تھا اور اس عبادت سے وہ خوش ہوتے ہیں۔

اس طرح کا کردار ادا کرنے والے مشرکین ہمیشہ کثیر تعداد میں اس دنیا میں رہے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت کی ہے۔اس شرکِ اکبر سے وہی بچ سکتا ہے جو توحید صرف اللہ کے لئے خاص کرے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مشرکین سے دشمنی مول لے، انکے ظلم و ستم برداشت کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست، اللہ اور معبود سمجھے، تمام دنیا کی محبت کو دِل سے نکال کر صرف اللہ سے پیمانِ محبت باندھے۔ساری کائنات کا ڈر قلب سے محو کر کے فقط اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرے، اللہ ہی سے اپنی اُمیدیں وابستہ رکھے اور اپنی عجز و انکساری صرف اسی کے سامنے پیش کرے۔توکل اور بھروسہ ہو تو اللہ پر، کسی وقت امداد کا طالب ہو تو اللہ سے، گڑگڑائے تو اُسی کے سامنے، استغاثہ دائر کرے تو اُسی کی بارگاہِ قدس میں، مقصود و منتہی اسی کو قرار دے، غرض اپنے تمام اُمور اس کی مرضی اور حکم کے مطابق انجام دینے کی طرح ڈالے اور اسی کی رضا کا طالب رہے جب سوال کرے تو اُسی ایک اللہ سے۔اعانت کا خواہاں ہو تو اُسی ایک اللہ سے۔کوئی بھی عمل کرے تو اُسی وحدہ لاشریک لہ کے لئے۔خود بھی اور اپنے تمام اُمور اور

معاملات میں بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہو کر رہ جائے‘‘۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات پر جو سیر حاصل بحث کی ہے حقیقت میں انہوں نے دین اسلام کا بہترین نقشہ کھینچ کر سامنے رکھ دیا ہے۔

قال ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ نَفَى اللّٰهُ عَمَّا سِوَاهُ كُلَّ مَا يَتَعَلَّقُ بِهِ الْمُشْرِكُوْنَ فَنَفٰى اَنْ يَّكُوْنَ لِغَيْرِهٖ مِلْكٌ اَوْ قِسْطٌ مِّنْهُ اَوْ يَكُوْنَ عَوْنًا لِّلّٰهِ وَ لَمْ يَبْقَ اِلَّا الشَّفَاعَةُ فَبَيَّنَ اَنَّهَا لَا تَنْفَعُ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّبُّ كَمَا قَالَ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى فَهٰذِهِ الشَّفَاعَةُ الَّتِىْ يَظُنُّهَا الْمُشْرِكُوْنَ هِىَ مُنْتَفِيَةٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَمَا نَفَاهَا الْقُرْاٰنُ وَ اَخْبَرَ النَّبِىُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ يَاْتِىْ فَيَسْجُدُ لِرَبِّهٖ وَ يَحْمَدُهٗ لَا يَبْدَاُ بِالشَّفَاعَةِ اَوَّلًا ثُمَّ يُقَالُ لَهٗ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَ قُلْ يُسْمَعْ وَ سَلْ تُعْطَ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ وَ قال ابو هريرة رضی اللہ عنہ مَنْ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ فَتِلْكَ الشَّفَاعَةُ لِاَهْلِ الْاِخْلَاصِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لَا تَكُوْنُ لِمَنْ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ وَ حَقِيْقَتُهٗ اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ هُوَ الَّذِىْ يَتَفَضَّلُ عَلٰى اَهْلِ الْاِخْلَاصِ فَيَغْفِرُ لَهُمْ بِوَاسِطَةِ دُعَاءِ مَنْ اَذِنَ لَهٗ اَنْ يَّشْفَعَ لِيُكْرِمَهٗ وَ يَنَالَ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ فَالشَّفَاعَةُ الَّتِىْ نَفَاهَا الْقُرْاٰنُ مَا كَانَ فِيْهَا شِرْكٌ وَ لِهٰذَا اَثْبَتَ الشَّفَاعَةَ بِاِذْنِهٖ فِىْ مَوَاضِعَ وَ قَدْ بَيَّنَ النَّبِىُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهَا لَا تَكُوْنُ اِلَّا لِاَهْلِ التَّوْحِيْدِ وَ الْاِخْلَاصِ انتهى

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے ان باتوں کی نفی کی دی جن سے مشرکین سند پکڑتے ہیں اور خصوصاً اس بات کی نفی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو آسمان وزمین میں کسی قسم کی قدرت ہو یا قدرت کا کچھ حصہ یا وہ اللہ کی کچھ مدد کرتے ہوں۔ باقی رہی سفارش، تو یہ بھی اُسے نفع دے گی جس کے بارے میں ربّ کریم اجازت عطا فرمائے، جیسا کہ فرمایا: ’’وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اُس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو‘‘۔ (الانبیاء:۲۸)۔ البتہ قیامت کے دن وہ شفاعت جس کے مشرکین قائل ہیں اُن کے حق میں نہ ہو سکے گی، کیونکہ قرآن کریم نے اس کی صراحت کے ساتھ غیر مبہم الفاظ میں تردید کی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے اور فوراً شفاعت نہیں کریں گے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے، اُس کی حمد وثنا بیان

کریں گے۔ پھر آپ ﷺ کو حکم ہوگا کہ اپنا سر مبارک اٹھاؤ۔ آپ ﷺ کی بات کو سنا جائے گا اور جو سوال کرو گے وہ دیا جائے گا اور سفارش کیجئے، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ''یا رسول اللہ ﷺ وہ کون خوش نصیب اور سعید سعید شخص ہے جو آپ ﷺ کی شفاعت کا مستحق ہو گا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اپنے دل کی گہرائیوں سے کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا اقرار کرے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ شفاعت اُن کو حاصل ہوگی جو اپنے اعمال و افعال میں مخلص ہوں گے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے، لیکن مشرکین کی شفاعت ہرگز نہ ہو سکے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو سفارش کرنے کی اجازت دے گا اُن کی دُعا کی وجہ سے اہل اخلاص پر اپنا خاص فضل و کرم کرتے ہوئے معاف فرما دے گا تاکہ اُن کی عزت و تکریم ہو اور وہ قابل تعریف مقام حاصل کر لیں۔ پس قرآن کریم نے جس شفاعت کی تردید کی ہے وہ ایسی شفاعت ہے جس میں شرک کی آمیزش ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر شفاعت کو اپنی اجازت سے ثابت اور مقید کر دیا ہے۔ اور نبی رحمت ﷺ نے صاف اور واضح طور پر فرمایا کہ یہ شفاعت صرف موحدین اور سچی توحید والوں کے لئے ہوگی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاص کی جو بہترین تعریف کی ہے وہ ہے ''ایک اللہ کریم کی خاص محبت اور ہر کام میں اس کی رضا جوئی کا نام اخلاص ہے''۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے مطلب کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف توحید کو شفاعت کے حصول کا سبب قرار دیا ہے اور مشرکین کے اس عقیدہ کی تردید فرمائی ہے کہ وہ غیر اللہ سے محبت اور ان کی عبادت کی بنا پر اور ان کو سفارشی سمجھ کر شفاعت کے مستحق قرار پائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے اس زُعم باطل کے برعکس فرمایا کہ شفاعت حاصل کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے توحید میں تجرید و اخلاص کا پایا جانا۔ جب اخلاص پیدا ہو جائے گا تو پھر اس کے لئے شفاعت کی اجازت مل جائے گی۔ مشرکین کی جہالت یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جن کو انہوں نے اپنا ولی، دوست، اور سفارشی سمجھ رکھا ہے وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور اس کی بارگاہ میں ان کے لئے نفع رساں ثابت ہوں گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ بادشاہوں کے مقربین اپنے ساتھیوں کو فائدہ پہنچا دیتے ہیں مشرکین اس بات کو بالکل بھول گئے ہیں کہ اللہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی سفارش کرنے کی جرات نہ کر سکے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اُسی شخص کی سفارش ممکن ہے جس کے

اعمال وافعال اور کردار پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی فصل میں قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی ہے: (ترجمہ) کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ اور دوسری فصل میں یہ آیت ذکر کی ہے کہ: (ترجمہ) وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اُس کے جس کے حق میں سفارش کرنے پر اللہ راضی ہو'۔ رہی تیسری فصل تو اس میں فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کسی کے قول وعمل پر اس وقت تک قطعاً اظہار رضامندی نہیں کرتا جب تک کہ وہ توحید خالص کا حامل اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہ ہو"۔

یہ تینوں فصلیں اُس شخص کے دِل سے شرک کی جڑیں کاٹنے کے لئے کافی ہیں، جس میں عقل وخرد کا مادہ موجود ہے اور وہ غور وفکر کے لئے بھی تیار ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ شفاعت کی چھ قسمیں ہیں۔

ا۔ پہلی: شفاعت کبری ہے، جس سے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام بھی گھبرا جائیں گے۔ حتی کہ معاملہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک آ پہنچے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے: "انا لھا" کہ یہ میرا ہی کام ہے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آئے گا جب کائنات یکے بعد دیگرے تمام انبیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کے لئے عرض کرے گی کہ اس مقام کے عذاب سے لوگوں کو نجات ملنی چاہیئے۔ اس شفاعت کے وہی لوگ مستحق ہوں گے جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا۔

۲۔ دوسری شفاعت دخولِ جنت کی ہوگی۔ اس کا مفصل بیان سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود ہے جو صحیحین میں مروی ہے۔ اور گذشتہ سطروں میں گزر چکی ہے۔

۳۔ تیسری شفاعت ان لوگوں کی ہوگی جو اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہوتے ہوئے اپنے گناہوں کی پاداش میں دخولِ جہنم کے مستوجب قرار پا جائیں گے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ان کی شفاعت کریں گے تاکہ یہ لوگ دوزخ میں نہ جا سکیں۔

۴۔ چوتھی شفاعت ان اہل توحید کے لئے ہوگی جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم کی سزا بھگت رہے ہوں گے۔ احادیث متواترہ، اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم، اور اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل توحید اپنے گناہوں کی وجہ سے سزا بھگتیں گے۔ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں ان نفوس قدسہ نے ان کو بدعتی قرار دیا ہے، ان کی نکیر کی ہے اور ان کو گمراہ ٹھہرایا ہے۔

۵۔ پانچویں شفاعت صرف اہل جنت کے لئے ہو گی تا کہ ان کے اجر میں اضافہ کیا جائے اور ان کے درجات بلند کئے جائیں۔اس شفاعت میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مندرجہ بالا پانچوں شفاعتیں صرف ان مخلصین کے لئے ہیں جنہوں نے کسی غیر اللہ کو نہ اپنا ولی بنایا اور نہ شفاعت کنندہ سمجھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (ترجمہ) اور اے محمد ﷺ تم اس (علم وحی) کے ذریعے سے ان لوگوں کو نصیحت کرو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کئے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں کوئی (ایسا ذی اقتدار) نہ ہو گا جو اِن کا حامی و مددگار رہو یا ان کی سفارش کرے (الانعام:۵۱)۔

۶۔ چھٹی شفاعت بعض اہل جہنم کفار کے لئے ہے تا کہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے اور یہ صرف ابو طالب کے لئے خاص ہے۔

فیہ مسائل

☆ نا قابل قبول شفاعت کی توضیح وتشریح۔ ☆اس شفاعت کا تذکرہ جو مومنین کے لئے فائدہ مند ہو گی۔ ☆ شفاعت کبریٰ کا ذکر جسے مقام محمود بھی کہتے ہیں۔ ☆ رسول کریم ﷺ کی شفاعت کرنے کے طریقے کی وضاحت کہ آپ ﷺ لوگوں کی بات سنتے ہی شفاعت نہیں کریں گے بلکہ سب سے پہلے بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوں گے جب اجازتِ شفاعت ملے گی تو شفاعت کریں گے۔ ☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سوال کرنا کہ ''یارسول اللہ ﷺ وہ کون خوش نصیب اور سعید شخص ہے جو اِس شفاعت کا حقدار ہو گا؟ ☆ یہ شفاعت اُس شخص کے لئے قطعاً نہ ہو گی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہے۔☆ شرک کی حقیقت و ماہیت کا بیان

باب

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ

اس باب میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ رُشد و ہدایت کی توفیق اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے جس کو چاہے ہدایت کی نعمت سے بہرہ مند

ہونے کی توفیق عطا کرے اور جس سے چاہے یہ دولت چھین لے۔

اِنَّکَ لا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ

اے نبی ﷺ! تم جسے چاہو اُسے ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔(القصص:۵۶)۔

اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات پر بھی واضح فرمایا ہے جیسے: (ترجمہ) ''اے میرے رسولِ کریم ﷺ ان کو ہدایت اور راہِ راست پر لانا آپ کا کام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے نورِ ہدایت سے منور فرماتا ہے''۔(البقرۃ:۲۷۲)۔ایک جگہ پر یوں ارشاد ہوتا ہے: (ترجمہ) ''اے میرے پیغمبر ﷺ اکثر لوگ ایمان کی دولت سے بے بہرہ ہی رہیں گے اگرچہ آپ کا کتنا ہی جی چاہتا ہو۔(یوسف:۱۰۳)۔

ان آیات میں جس ہدایت کی نفی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہدایت کی توفیق دینا آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے، اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اور وہی اس پر قدرت رکھتا ہے۔البتہ مندرجہ ذیل آیت میں جس ہدایت کا ذکر کیا گیا ہے، اُس سے ہدایت کی تشریح اور اس کی وضاحت مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر جو ذمہ داری عائد کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ آپ دین اسلام، اس کے احکام اور اللہ کی ہدایت کو لوگوں پر واضح فرمادیں۔آیت یہ ہے: (ترجمہ) ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ﷺ ایک سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کر رہے ہیں''۔

وفی الصحیح عن ابن المسیب عن ابیه رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ اَبَا طَالِبِ الْوَفَاۃُ جَاءَهٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَ عِنْدَهٗ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ اُمَیَّۃَ وَ اَبُوْ جَھْلٍ فَقَالَ لَهٗ یٰ عَمِّ قُلْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کَلِمَۃً اُحَاجُّ لَکَ بِھَا عِنْدَ اللّٰہِ فَقَالَا لَهٗ اَتَرْتَبُ عَنْ مِّلَّۃِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَاَعَادَ عَلَیْهِ النَّبِیُّ ﷺ فَاَعَادَا فَکَانَ اٰخِرُ مَا قَالَ هُوَ عَلٰی مِلَّۃِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَ اَبٰی اَنْ یَّقُوْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَا لَمْ اُنْهَ عَنْکَ فانزل اللہ عز و جل مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَ لَوْ کَانُوْآ اُولِیْ قُرْبٰی (التوبہ:۱۱۳)۔ و انزل اللہ فی ابی طالب اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ (القصص:۵۶)۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سعید رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سیدنا مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔سیدنا مسیّب

رضی اللہ عنہ اپنے باپ سیدنا حزن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اُبوطالب کی وفات کے آثار دکھائی دیئے تو رسول اللہ ﷺ اُس کے پاس تشریف لے گئے اُس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ بھی وہاں بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چچا جان! کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار کرلو، میں تمہارے لئے یہی کلمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بطور دلیل پیش کروں گا۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ بولے ''کیا عبدالمطلب کے مذہب کو چھوڑ دو گے''؟ رسول اکرم ﷺ بار بار کلمہ شہادت کی ترغیب دیتے تھے اور وہ دونوں ابوطالب کو اپنے مذہب پر قائم رہنے پر اصرار کرتے تھے۔ ابوطالب کی آخری بات یہ تھی کہ: ''وہ عبدالمطلب کے دین پر ہی قائم رہے گا'' اور اُس نے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کے اقرار سے اِنکار کردیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اُس سے فرمایا کہ جب تک مجھے روک نہ دیا گیا میں تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔ اس پر اللہ کریم نے یہ آیت نازل فرمائی کہ نبی ﷺ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ رب ذوالجلال نے ابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی کہ: اے نبی! تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

رحمۃ للعٰلمین ﷺ نے ابوطالب کو کلمہ توحید کے اقرار کرنے کی ترغیب دی لیکن ابوطالب نے انکار کردیا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ علم و یقین کے ساتھ لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کے اقرار کا مطلب یہ ہے کہ شرک اور مشرکین سے کلیۃً اظہارِ براءت کی جائے۔ اور تمام عبادات پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے ادا کی جائیں اور یہ کہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کے مطلب کو خوب سمجھتے تھے۔ اس وقت مکہ المکرّمہ میں دو ہی قسم کے لوگ تھے، مسلمان اور کافر۔ اس کلمے کا اقرار وہی شخص کرتا تھا جو شرک سے بالکل بیزار ہو جاتا اور قطع تعلق کر لیتا تھا۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے کیونکہ اگر ابوطالب خلوص دل سے اور ان تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو نفی و اثبات کی صورت میں لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ سے وابستہ ہیں یہ کلمہ پڑھ لیتا تو وہ لازماً اس کے لئے سودمند ثابت ہوتا۔

قرآن کریم میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اور اسی طرح ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اُس کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو

ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں''۔

حدیث کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابو جہل اور عبداللہ بن ابو امیہ اس کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے مقتضیات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کیونکہ اُس وقت ان دونوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اگر ابو طالب نے کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا اقرار کرلیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اس نے عبدالمطلب کے مذہب سے اظہارِ بیزاری کر دیا ہے۔ عبدالمطلب کا مذہب شرک فی الالوہیت ہی تو تھا البتہ توحید ربوبیت کا جیسا کہ پہلے گزر چکا، کافر و مشرک سب اقرار کرتے تھے۔

ابو طالب کے ہدایت یاب نہ ہونے میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں، ان میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ: لوگوں کو اس بات کا علم و یقین ہو جائے کہ کسی کو ہدایت دینا یا نہ دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اس کے سوا کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور اگر ☆ لوگوں کے دلوں کو ہدایت کی طرف ملتفت کرنا، ☆ مصائب و مشکلات سے نجات دلانا، ☆ ان کو عذابِ الٰہی سے بچانا۔ اور ان جیسے دوسرے اُمور رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں ہوتے جو کہ تمام کائنات سے افضل و اشرف ہیں تو اس کے سب سے زیادہ حقدار ابو طالب تھے کیونکہ یہ رشتہ میں آپ ﷺ کے چچا بھی ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو حمایت، نصرت اور اعانت رسولا للہ ﷺ کی ابو طالب نے کی ہے وہ تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ نقش رہے گی لیکن ہم اس حکمت اور بھید کی تہہ تک پہنچنے میں یکسر عاجز اور قاصر ہیں۔ اور اللہ کی ذات ہر عیب سے پاک اور منزہ و مبرہ ہے جس کی حکمتوں کو سمجھنے کے لئے عقل انسانی واطہء حیرت میں ڈوب جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے اپنی معرفت، توحید، اور اخلاصِ عمل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

فیہ مسائل

☆ بہت عظیم اور اہم مسئلہ جس میں آپ ﷺ کے ارشاد ''قل لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' کی وضاحت کی ہے اور اُن لوگوں کی تردید کی گئی ہے جو کلمہ شہادت کے زبانی اقرار کو باعث نجات قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ شرکیہ اعمال کا مرتکب ہو رہا ہو۔ ☆ جب رسولِ عربی ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے کہا کہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا اقرار کرلو تو اس کے مطلب کو ابو جہل اور اُس کے ساتھی جانتے تھے اسی لئے تو انہوں نے ابو طالب کو عبدالمطلب کے مذہب پر قائم رہنے کی ترغیب دی۔ آج کل کتنے ہی ابو جہل ہیں اللہ ان کا ستیاناس کرے جن سے ابو جہل لَا

اِلٰہ اِلَّا اللہ کے مفہوم کوزیادہ جانتا تھا۔ ☆اپنے چچاابوطالب کے قبولِ اسلام کے لئے رسول اللہ ﷺ کی اِنتہائی جدوجہداور بدرجہ غایت کوشش وسعی۔ ☆ عبدالمطلب اوراس کے بڑوں کومسلمان سمجھنے والوں کی تردید۔ ☆رسولِ اکرم ﷺ کے استغفار کے باوجودابوطالب کی مغفرت نہ کی گئی بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ کوان کے لئے استغفار سے روک دیا گیا۔ ☆انسان پر بُرے لوگوں کی صحبت کا اثر پڑنا۔ ☆اپنے اکابرواسلاف کی تعظیم میں غلو کی مضرتیں۔ ☆اپنے اکابر کی زندگی سے اِستدلال، جاہلیت کی رسم ہے۔ ☆ان احادیث سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ اعمال کا دارومدار انسانی زندگی کے خاتمے پر ہے کیونکہ ابوطالب اگر بوقت وفات کلمہ شہادت کا اقرار کرلیتا تو وہ اُس کے لئے ضرور نفع رساں ہوتا۔ ☆مشرکین کے دلوں میں جو یہ شبہ پیدا ہوگیا ہے کہ وہ صرف لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ اپنے جھگڑے اوراختلاف کی بنیاد سمجھتے تھے اس پر غوروتامل۔ اگرچہ حقیقت یہی ہے کہ شریعت اِسلامیہ میں اِس کومرکزی حیثیت حاصل ہے تبھی تو رسولِ معظم ﷺ باربار یہ کوشش فرماتے ہیں کہ ابوطالب اِس کا اقرار کرلے۔ کلمہ شہادت کا مطلب اوراس کے تقاضے اتنے واضح اورروشن ہیں کہ مشرک بھی اِسے سمجھتے تھے، اِسی بنا پر تو اُنہوں نے اپنے معاملات اوراختلافات کو اس پر مرکوز رکھا تھا۔

باب

ما جاء ان سبب کفر بنی آدم وترکھم دینھم ھو الغلو فی الصلحین

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بنی نوع انسان کے کفراورشرک میں مبتلا ہونے اور دِین کوچھوڑنے کا سب سے بڑا سبب بزرگوں کے معاملہ میں غلو کرنا ہے۔

يٰۤـاَھْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (النساء:۱۷۱)

اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ اوراللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔

مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا ہے اس سے اس کو اونچا اور بالا نہ سمجھو۔ یہ خطاب اگرچہ یہود ونصاریٰ سے ہے لیکن اس کے ساتھ ہی پوری اُمت محمدیہ سے بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ خدشہ

ہے کہ یہ اُمت بھی کہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہی سلوک نہ کرلے جو نصاریٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اور یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) ''کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دِل اللہ کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہوجائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تو اُن کے دل سخت ہوگئے اور آج اُن میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں''؟ (الحدید:۱۶)۔

اسی لئے رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں (ترجمہ) ''میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اُمت محمدیہ میں سے جو شخص یہود و نصاریٰ سے مشابہت اختیار کرے گا، اور دین میں افراط یا تفریط سے کام لے گا وہ ان ہی جیسا ہوگیا''۔

مزید فرماتے ہیں: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں غالی رافضیوں کو جلا دیا تھا اور باب کندہ کے قریب گڑھے کھدوا کر اِن کو اِن میں پھینک دیا تھا، صحابہ کرام کا ان غالی رافضیوں کے قتل پر اتفاق تھا۔ لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان کو بجائے جلانے کے تلوار سے قتل کردیا جائے۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے''۔

و فی الصحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی قول اللہ تعالیٰ وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِھَتَکُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا وَّ لَا یَغُوْثَ وَ یَعُوْقَ وَ نَسْرًا (نوح:۲۳) قَالَ ھٰذِہٖ اَسْمَآءُ رِجَالٍ صَالِحِیْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ فَلَمَّا ھَلَکُوْا اَوْحَی الشَّیْطٰنُ اِلٰی قَوْمِھِمْ اَنْ اَنْصِبُوْا اِلٰی مَجَالِسِھِمُ الَّتِیْ کَانُوْا یَجْلِسُوْنَ فِیْھَا اَنْصَابًا وَ سَمُّوْھَا بِاَسْمَآئِھِمْ فَفَعَلُوْا وَ لَمْ تُعْبَدْ حَتّٰی اِذَا ھَلَکَ اُولٰٓئِکَ و نَسِیَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ وَ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آیت (انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو وَدّ اور سواعؔ کو اور نہ یغوثؔ اور یعوقؔ اور نسرؔ کو) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سب قومِ نوح کے صالح لوگ تھے، جب وہ مرگئے تو شیطان نے اُن کی قوم کو یہ بات سمجھائی کہ یہ نیک لوگ جس جگہ بیٹھتے تھے وہاں بطور یادگار پتھر نصب کرو اور اس پتھر کو اُن کے نام سے پکارو، سو اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب اگلے لوگ مرگئے اور علم اُن سے جاتا رہا تب اُن کی اولاد نے اُن یادگاروں کی پرستش شروع کردی۔

ابلیس نے ان سے کہا کہ دیکھو! تمہارے آباؤ اجداد ان بزرگوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کے طفیل

بارش ہوتی تھی۔اس نے ان اصنام کی عبادت کو ان کے سامنے انتہائی خوبصورت انداز میں پیش کیا اور ان کی عظمت کا نقش اس طرح بڑھا چڑھا کر ان کے دلوں میں بٹھا دیا کہ وہ سمجھنے لگے کہ گویا وہی ان کے معبودِ حقیقی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: (ترجمہ) ''اولادِ آدم! کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو۔وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری ہی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے مگر اس کے باوجود اُس نے تم میں سے ایک گروہِ کثیر کو گمراہ کر دیا۔کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے''۔(سورۂ یٰسین)۔

اللہ تعالیٰ کے اس عہد و پیمان کو یاد رکھنے کا اصل فائدہ یہ ہے کہ انسان غلو سے محفوظ رہتا ہے۔شیطان نے صالحین کی شان میں افراط و مبالغہ اور ان سے غلو فی المحبت کی بنا پر ہی ان لوگوں کو مبتلائے شرک کیا تھا۔جیسا کہ آج کل اُمت محمدی میں سے اکثر لوگ شرک کا شکار ہو گئے ہیں، اس لئے کہ شیطان نے صالحین کی محبت و عظمت کو ان کی شان میں بدعت و غلو کو اُن کے سینوں میں اس طرح پیوست کر دیا ہے کہ یہ لوگ اب اعمالِ شرکیہ کو بھی توحید اور رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھ بیٹھے ہیں۔

وَ قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ رحمہ اللہ قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ السَّلَفِ لَمَّا مَاتُوْا عَكَفُوْا عَلٰى قُبُوْرِهِمْ ثُمَّ صَوَّرُوْا تَمَاثِيْلَهُمْ ثُمَّ طَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَعَبَدُوْهُمْ

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر سلف صالحین نے بیان کیا ہے کہ جب وہ مر گئے تو پہلے یہ لوگ ان کی قبروں کے مجاور بنے، پھر ان کی تصاویر بنائیں، پھر زمانہ دراز گزرنے پر ان کی عبادت کرنے لگے۔

قبروں کے پجاریوں کے دل میں شیطان ہمیشہ یہ وسوسہ ڈالتا رہا کہ دیکھو! انبیائے کرام اور صلحائے عظام کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھنا اور ان پر قبے تعمیر کرنا ان اہل قبور سے محبت و عقیدت کا مظہر ہے اور یہ کہ ان کی قبروں کے پاس آ کر دعا کرنا قبولیت دعا کا ذریعہ ہے۔یہ بات ان کے دل میں اچھی طرح گھر کر گئی تو پھر یہ وسوسہ ڈالا کہ: دیکھو! اگر ان کے نام کو وسیلہ ٹھہرا کر دعا کرو گے اور ان کے نام کی قسم دے کر ملتجی ہو گے تو دعا بہت جلد قبول ہو گی۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان تو اس سے کہیں بلند ہے کہ ان بتوں کا نام لے کر اس کی قسم کھائی جائے یا کسی مخلوق کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے۔

جب یہ بات اچھی طرح ان کے ذہن میں بیٹھ گئی تو یہ وسوسہ ڈالا کہ ان کو براہِ راست پکارو، ان کو اپنا شفاعت کنندہ سمجھو، ان کی قبروں پر چادریں چڑھاؤ، اور خوب چراغاں کرو۔اگر ان کی قبروں کا طواف کیا جائے، ان کو بوسہ دیا جائے اور ان پر جانور ذبح کئے جائیں تو یہ بہت ہی نیکی اور سعادتمندی کی بات ہے۔

جب یہ چیز اِن کے ذہن میں راسخ ہوگئی تو کہا: دیکھو! لوگوں کو بھی ان بزرگانِ کرام کی عبادت کی طرف بلاؤ۔ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ ان کے عُرس منانے کا اہتمام کرو، اوران کے یومِ پیدائش مناؤ۔ مشرکین نے جب دیکھا تو انہوں نے اس فعل کو انتہائی نفع بخش سودا سمجھا۔ دنیا میں بھی مالا مال ہوگئے اور آخرت میں بھی اپنے آپ ہی کو نجات یافتہ قرار دیا۔

شریعت اسلامیہ کا ایک ادنیٰ طالبعلم بھی یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب خرافات توحید کے منافی اور اُس دین کے سراسر برعکس ہیں جس کو لے کر محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث کئے گئے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اس کے سوا اور کسی کے آگے نہ جھکا جائے۔ جب یہ تمام باتیں مشرکین کے دلوں میں جاگزیں ہوگئیں تو شیطان نے اپنا آخری تیر بھی چلایا کہ: دیکھو! جو شخص تم کو اس عقیدے کو اپنانے اوران اعمال پر کاربند رہنے سے روکے، وہ شخص ان مراتب عالیہ کا منکر ہے اور بزرگوں کی شان کو گرانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان بزرگوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ اب اگر ان مشرکین کی اصلاح کے لئے کوئی بات کہی جاتی ہے تو وہ غضبناک ہوجاتے ہیں اوران کے دِل نفرت کرنے لگتے ہیں۔ مشرکین کی اس حالت کو قرآن کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: (ترجمہ) ''جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو یکایک وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں''۔ (الزمر:۴۵)۔ اور یہ بات اکثر جاہل اور طاغی نفوس کے سینوں میں بیٹھ چکی ہے۔ اور افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ اکثر اہل علم اور دیندار لوگ بھی اس بیماری میں مبتلا ہیں حتی کہ یہ لوگ اہل توحید کے دشمن ہوگئے ہیں اوران پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں اور عوام الناس کو ان سے متنفر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ لیکن اہل شرک سے ان کی دوستی ہے اور خوب بڑھا چڑھا کر ان کی شان میں قصیدے پڑھتے ہیں ان کی جہالت یہیں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین اسلام اور اس کے رسول ﷺ کے مددگار ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اس کردار کی تردید کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے: (ترجمہ) ''یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہرگز نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے دوست تو صرف متقین اور پرہیزگار لوگ ہی ہیں'' (الانفال:۳۴)

وعن عمر رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللهِ وَ رَسُوْلُهٗ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جس

طرح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی تعریف میں نصاریٰ نے مبالغہ کیا تھا۔ میں ایک بندہ ہوں، بس مجھے اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول کہو۔ (بخاری ومسلم)۔

برا ہو مشرکین کا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی نصیحت پر کان نہ دھرا۔ وہ آپ ﷺ کی مخالفت پر اُتر آئے جس چیز سے رسول اللہ ﷺ نے روکا تھا اس پر عمل کرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ کی اس انداز سے تعریف کی کہ جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی اس سلسلے میں شدید مخالفت کی اور غلو اور شرک میں نصاریٰ کی مشابہت اختیار کرلی اور محذورات ومنہیات میں گر پڑے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نظم ونثر میں اتنی کتابیں لکھیں جن کا شمار کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے بعض ان مشرک علماء کی تردید کی ہے جنہوں نے لکھا ہے کہ: ''جن جن مواقع پر اللہ تعالیٰ سے استغاثہ جائز ہے وہاں رسول اللہ ﷺ سے بھی استغاثہ جائز ہے''۔

اسی موضوع پر خاصی کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن کی شیخ الاسلام نے خوب تردید کی ہے۔ شیخ الاسلام کی یہ تردید اب بھی کتابی صورت میں موجود ہے۔ ایک شخص اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ''غیب کی وہ چابیاں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہیں اُن سے رسول اللہ ﷺ بھی باخبر ہیں''۔ اس کے علاوہ بھی اُس نے بہت سی خرافات اپنی کتاب میں جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قلبی بصیرت کے اس اندھا پن سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ اس ضمن میں بوصیری کی ایک نظم یا یہ شعر دیکھئے: لکھا ہے: (ترجمہ) ''اے مخلوق میں سے بہترین انسان! میں تیرے سوا خطراتِ عامہ میں کس کی پناہ میں آؤں''۔ اس کے بعد کے اشعار پر غور کیجئے کہ اخلاص، دعا، اُمید ورجا، اعتماد اور مشکلات میں پناہ کی خواہش کا اظہار جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، ان اشعار میں ان چیزوں کو غیر اللہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے۔

اصل میں یہ رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے انکار ہے۔ کیونکہ جو آپ ﷺ نے فرمایا تھا اس کے خلاف عمل کیا جا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ دونوں کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ حقیقت میں محبت رسول ﷺ کی صورت میں شیطان نے شرک کو ان کے قلب وذہن میں پیوست کر دیا ہے۔ توحید اور اخلاص کو جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مرحمت فرما کر مبعوث کیا تھا ناقص کر دیا ہے

واقعہ یہ ہے کہ مشرکین رسول اللہ ﷺ کی عظمت وتوقیر کے بجائے آپ ﷺ کی شان میں نقص اور گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ افراط تعظیم سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ یہ اس کا ارتکاب

کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرامین پر رضا مند نہیں اور نہ ان کو تسلیم ہی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور توقیر اس میں ہے کہ:

☆ آپ ﷺ کے ارشادات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ ☆ آپ ﷺ کی منع کی ہوئی اشیاء کو ترک کر دیا جائے۔ ☆ آپ ﷺ کے اختیار کردہ راستہ پر چلا جائے۔ ☆ آپ ﷺ کی سنت مطہرہ کو مشعل راہ بنایا جائے۔ ☆ آپ ﷺ کے دین کی دعوت کو قریہ قریہ پہنچایا جائے۔ ☆ آپ ﷺ کے دین کی مدد و نصرت میں اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا جائے۔ ☆ آپ ﷺ کے نقش قدم پر جو شخص گامزن ہو، اس سے محبت کی جائے۔ اور جو شخص آپ ﷺ کے طریقہ اور سنت کی مخالفت کرے اُس سے عداوت، بغض اور قطع تعلق کر لیا جائے۔ ان لوگوں نے جو کچھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے، اس کے خلاف کیا ہے اور جن سے منع فرمایا تھا اس پر عمل پیرا ہیں۔ فاللہ المستعان۔

وَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِیَّاکُمْ وَ الْغُلُوَّا فَاِنَّمَا اَهْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمُ الْغُلُوُّ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غلو سے بچتے رہو کیونکہ تم سے پہلے جتنے لوگ ہلاک ہوئے وہ سب غلو ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔

ولمسلم عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ هَلَکَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ قَالَهَا ثَلَاثًا

صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا کہ تکلف کرنے اور حد سے بڑھنے والے ہلاک ہو گئے۔

علامہ خطابی کہتے ہیں: کسی عمل میں غلو کرنے والا شخص متنطع کہلاتا ہے، وہ بھی متنطع ہے جو کلامی موشگافیوں میں الجھتا ہے اور ایسے ایسے مسائل کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے جہاں انکی عقلوں کی رسائی ممکن نہ ہو۔ عبادت وتصوف کی اصطلاح میں اُس شخص کو بھی متنطع کہتے ہیں جو حلال اور مباح اشیاء کو اپنے اوپر حرام قرار دے لے جیسے روٹی اور گوشت نہ کھانا، سادے اور موٹے رُوئی کے کپڑے پہننا، بھیڑ بکریوں کے بالوں کے کپڑے استعمال کرنا، نکاح وغیرہ سے اجتناب کرنا۔ ان تمام چیزوں سے اس لئے رُک جانا کہ یہ زُہد، مستحسن اور مستحب ہے؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ پرلے درجے کی جہالت اور ضلالت ہے کہ اس طرح

کے تقشفات کو دین قرار دیا جائے۔امام ابن قیم رحمہ اللہ امام غزالی کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ ''بحث وتمحیص میں انتہا کو پہنچ جانے والے کو متنطع کہا جاتا ہے''۔ابوالسعادات کہتے ہیں: ''کلامی مسائل میں بال کی کھال اتارنے والے کو متنطع کہا جاتا ہے وہ بھی اس دائرہ میں داخل ہیں جو باتکلف بات چیت کرتے اور حلق سے نکالتے ہیں''۔امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''خواہ مخواہ گفتگو میں تفصیلات پیدا کرنا اور بہ تکلف فصاحت و بلاغت کا اظہار کرنا، اجنبی اور غیر مانوس الفاظ بولنا، اور عوام سے خطاب کرتے وقت دقیق عبارات والفاظ استعمال کرنا یہ سب کراہت میں داخل ہے''۔

فیہ مسائل

☆ جو شخص اس زیر بحث باب اور آئندہ ابواب پر غور کرے گا اُس پر اسلام کی مظلومیت واضح اور آشکارا ہو جائے گی اور دلوں کے پھیرنے کے سلسلے میں اُس کو اللہ کے عجیب وغریب کرشمے اور اُس کی حکمتیں نظر آئیں گی۔ ☆ کرۂ ارض پر سب سے پہلا جو شرک پایا گیا وہ صالحین کی محبت وعظمت میں غلو کی وجہ سے تھا۔ ☆ دنیا میں سب سے پہلے جس میں تغیر وتبدل واقع ہوا وہ انبیائے کرام علیہم السلام کا دین تھا اور اُس کے اسباب کی وضاحت۔اور اس حقیقت کا اظہار کہ اہل دنیا کو خوب علم تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہی مبعوث فرمایا ہے (لیکن پھر بھی لوگوں نے اس کی پرواہ نہ کی)۔ ☆ لوگوں نے بدعت کو بہت جلد قبول کر لیا حالانکہ شریعت اِسلامی اور فطرت سلیم اِس کی سخت تردید کرتی ہے۔ ☆ شرک کے پیدا ہونے کی صرف ایک وجہ تھی، وہ یہ کہ حق اور باطل کو آپس میں خلط ملط کر دیا گیا تھا اور اس کے دو سبب واضح طور سے نظر آتے ہیں: ا۔صالحین کی محبت میں غلو اور افراط ومبالغہ۔۲۔اہل علم نے چند ایسے اُمور انجام دیئے کہ بظاہر اُن کی نیتیں درست تھیں لیکن بعد میں آنے والے افراد نے ان کا مطلب اس کے برعکس سمجھا جو سابق اہل علم کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ☆ انسان کی طبیعت کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اِس کے قلب وضمیر میں حق کمزور سے کمزور تر واقع ہوتا چلا جاتا ہے اور باطل آہستہ آہستہ جڑ پکڑتا جاتا ہے۔ ☆ اس باب میں سلف اُمت کے اقوال سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ کفر وشرک میں ملوث ہونے کی سب سے بڑی وجہ بدعت کا ارتکاب تھا۔ ☆ انسان کو بدعت کس گڑھے میں پھینک دیتی ہے؟ اس سے شیطان اچھی طرح آگاہ ہے اگرچہ بدعتی کی نیت اچھی ہی کیوں نہ ہو۔ ☆ اس باب کے مطالعہ سے ایک قاعدہ کلیہ سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ کہ غلو سے قطعی طور پر

اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ اس کا انجام انتہائی رسوا کن اور بسا اوقات انسان کو مشرک بنا دیتا ہے۔ ☆کسی عمل صالح کی انجام دہی کے لئے قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا انتہائی نقصان دہ فعل ہے۔ ☆(مٹی اور پتھر وغیرہ سے) کسی شخص کی شبیہ بنانے کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے۔مزید برآں یہ کہ اِن کے مٹا دینے اور توڑ دینے میں جو حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں، اُن کا علم۔ ☆وقوعِ شرک کے واقعہ کا علم اور اس کے اسباب کی معرفت کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے لیکن یہی وہ اہم پہلو ہے جس سے مسلمان غافل ہو گئے ہیں۔اس واقعہ میں اِس بات کی وضاحت ہے کہ اُن کا اِرادہ صرف یہ تھا کہ ہمارے بزرگ ہمارے سفارشی ہیں۔ ☆اُن مشرکین نے یہ سمجھا کہ جن علماء نے ان اولیاء کی تصویریں بنائی تھیں ان کا اِرادہ بھی وہی تھا جس کا ہم عملاً اظہار کر رہے ہیں۔ ☆رسول اکرم ﷺ نے ہمیں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ غلو میں مبتلا ہونے اور بے معنی موشگافیاں پیدا کرنے والے ہی ہمیشہ ہلاک ہوئے ہیں۔ ☆اس باب میں اِس امر کی تصریح ہے کہ جب علم ناپید ہو گیا تو پھر ان کی عبادت شروع ہو گئی تھی اس سے علم کے وُجود کی قدر و قیمت اور اس کے ختم ہو جانے کے نقصانات کا پتا چلتا ہے ☆یہ بھی پتہ چلا کہ فقدانِ علم کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ علماء اس دُنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔

باب

من التغليظ فيمن عبد الله عن قبر رجل صالح فكيف اذا عبده

اس باب میں بتایا گیا ہے کہ کسی بزرگ کی قبر کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا کس درجہ فتنوں کو دعوت دیتا ہے، چہ جائیکہ خود اُس مردِ صالح کی عبادت کی جائے۔

فی الصحيح عن عائشة رضی اللہ عنہا اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ كَنِيْسَةٌ رَاَتْهَا بِاَرْضِ الْحَبْشَةِ وَ مَا فِيْهَا مِنَ الصُّوَرِ فَقَالَ اُولٰٓئِکَ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ اَوِ الْعَبْدُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوْه فِيْهِ تِلْکَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِکَ شَرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ فَهٰؤُلَآءِ جَمَعُوْا بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ فِتْنَةَ الْقُبُوْرِ وَ فِتْنَةَ التَّمَاثِيْلِ

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ملک حبشہ میں ایک گرجا

دیکھا جس میں تصاویر بھی تھیں۔ سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ چشم دید منظر رسول اکرم ﷺ کو بتایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان میں اگر کوئی صالح اور دیندار شخص فوت ہو جاتا تو یہ لوگ اُس کی قبر کے پاس مسجد بنا لیتے اور پھر اُس مسجد میں فوت شدہ شخص کی تصویر بنا کر لٹکا دیتے تھے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس قسم کے افراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بدترین لوگ شمار ہوتے ہیں۔ ان لوگوں میں بیک وقت دو فتنے جمع ہو گئے، ایک قبروں کا اور دوسرا تصاویر کا۔

اس ارشادِ گرامی سے ثابت ہوا کہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے افراد پر لعنت فرمائی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''چونکہ قبروں پر مساجد کی تعمیر کی وجہ سے اکثر و بیشتر قومیں شرک میں ملوث ہو کر عذاب الٰہی کا شکار ہوئی تھیں، اسی بنا پر رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی اُمت کو اس سے سختی سے منع فرما دیا کیونکہ انسان جب کسی صالح اور بزرگ شخص کی تصویر کو دیکھتا ہے تو سمجھنے لگتا ہے کہ اس میں نجوم اور کواکب کی تاثیر کو بڑا دخل ہوگا۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ بنسبت لکڑی یا پتھر کے کسی صالح اور بزرگ کی تصویر سے زیادہ جلدی متاثر ہوتا اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم مشرکین کو کسی بزرگ کی قبر پر دیکھتے ہیں تو وہ وہاں آہ وزاری میں مبتلا ہوتے ہیں، انتہائی خوف وخشیت کی حالت میں دعائیں کرتے ہیں اور قلب وذہن کی تمام توجہات سے اس طرح قبر پر عبادت میں مشغول ہوتے ہیں کہ مسجد میں ان کی یہ کیفیت ہرگز نہیں ہو پاتی۔ اکثر لوگوں کو سجدہ کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے اور وہ وہاں نماز پڑھنے اور دعاء والتجا کرنے کو مسجد سے زیادہ بابرکت سمجھتے ہیں، اسی خرابی کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے قبروں کو بالکل صاف اور سطح زمین کے برابر رکھنے کا حکم فرمایا۔ حتیٰ کہ قبرستان میں نماز پڑھنے سے بھی منع فرما دیا گیا۔ اگرچہ نمازی کی نیت برکت حاصل کرنا نہ ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے طلوع شمس کے وقت نماز پڑھنے کو منع فرمایا اس لئے کہ مشرکین اس وقت سورج کی پوجا اور پرستش کرتے تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کو اس وقت نماز پڑھنے سے منع فرما دیا، بیشک نمازی سورج کی پوجا نہ کرتا ہو، شریعت کا مقصد یہ ہے کہ شرک تک رسائی کے تمام دروازوں کو بند کر دیا جائے۔

جو شخص قبرستان میں نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ اسے برکتِ کثیر حاصل ہوگی تو گویا وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کا مرتکب ہوا ہے، وہ شریعت اسلامیہ کی کھلم کھلا مخالفت پر اتر آیا ہے اور دین اسلام میں ایسی رخنہ اندازی کر رہا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قطعاً اجازت نہیں دی۔ تمام مسلمانوں کا

اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ شریعت اسلامیہ میں قبروں میں نماز پڑھنا ممنوع بلکہ حرام ہے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والے پر لعنت بھی کی ہے۔

دین میں سب سے بڑی بدعت قبروں میں مسجد بنانا اور وہاں نماز پڑھنا ہے، اور شرک میں مبتلا ہونے کا سب سے بڑا سبب بھی یہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرامین اور نصوص حد تواتر تک پہنچ گئے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا حرام ہے۔ تمام ائمہ کرام قبرستان میں مسجد تعمیر کرنے کو خلافِ سنت اور منافی شریعت قرار دیتے ہیں۔

ولهما عنها قَالَتْ لَمَّا نُزِلَ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَّهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَاِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا فَقَالَ وَهُوَ كَذٰلِكَ لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَّسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا وَلَوْ لَا ذٰلِكَ اُبْرِزَ قَبْرُهٗ غَيْرَ اَنَّهٗ خَشِيَ اَنْ يُّتَّخَذَ مَسْجِدًا اخرجاه

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ پر وفات کی علامات ظاہر ہوئیں تو آپ ﷺ شدت تکلیف سے اپنی چادر کبھی چہرۂ انور پر ڈال لیتے اور کبھی چہرے کو کھلا رکھتے جب کھلا رکھتے تو فرماتے کہ یہود ونصاریٰ پر لعنت ہو اُنہوں نے انبیائے کرام کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ یہود ونصاریٰ کے اس کردار سے ڈرا رہے تھے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ بنائے جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر بھی عام صحابہ کی قبروں کی طرح ظاہر ہوتی۔

اسلام کی بے چارگی کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس عمل بد سے رسول اللہ ﷺ نے روکا، اور اس کے کرنے والے کو ملعون قرار دیا، آج اسی عمل میں آپ ﷺ کی اُمت کی اکثریت گرفتار ہو چکی ہے۔ اسلام کی نگاہ میں یہ بدترین گناہ ہے لیکن بعض لوگ اسے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور اس کی رضا کا سبب سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ سے عداوت اور جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ اگر آپ اس پر ذرا غور فرمائیں گے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قبر کے پجاریوں اور اصنام پرستوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ذرائع شرک کے سد باب کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے سلسلے میں انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی قبر کی دیوار

کو اتنا اونچا کر دیا کہ اس میں داخل ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ پھر اس کے ارد گرد چار دیواری تعمیر کی جس کی وجہ سے وہ ایک گھیرے میں آ گئی۔ بعدازاں ان کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ آپ ﷺ کی قبر کو قبلہ نہ بنا لیا جائے، کیونکہ وہ نمازوں کے سامنے پڑتی تھی اور ان کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا تھا کہ وہ عبادت کی صورت میں، اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دیں گے چنانچہ اس خطرے کے پیش نظر قبر کے جانب شمال میں دونوں طرف دیواریں اس انداز سے تعمیر کی گئیں کہ نمازوں کے سامنے آنا ممکن نہ رہا''۔

ولمسلم عن جندب بن عبد الله رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتَ بِخَمْسٍ وَ هُوَ یَقُوْلُ اِنِّیْ اَبْرَاُ اِلَی اللهِ اَنْ یَّكُوْنَ لِیْ مِنْكُمْ خَلِیْلٌ فَاِنَّ اللهَ قَدِ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا وَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ اُمَّتِیْ خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِیْلًا اَلَا وَ اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ مِنْ قُبُوْرِ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّیْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ فَقَدْ نَهٰی عَنْهُ فِیْ اٰخِرِ حَیَاتِهٖ ثُمَّ اَنَّهٗ لَعَنَ وَ هُوَ فِی السِّیَاقِ مَنْ فَعَلَهٗ وَ الصَّلٰوةَ عِنْدَهَا مِنْ ذٰلِكَ وَ اِنْ لَّمْ یُبْنَ مَسْجِدٌ وَ هُوَ مَعْنٰی قَوْلِهَا خَشِیَ اَنْ یُّتَّخَذَ مَسْجِدًا

صحیح مسلم میں سیدنا جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وفات سے پانچ روز قبل یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں تم میں سے کسی کو اپنا خلیل نہیں بنا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے اور اگر میں اپنی اُمت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو (سیدنا) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو بناتا۔ غور سے سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا کرتے تھے۔ خبردار! میں تم کو قبروں میں مساجد تعمیر کرنے سے منع کرتا ہوں۔ اس سے رسول اکرم ﷺ نے اپنی آخری زندگی میں روکا تھا، پھر آپ ﷺ موت و حیات کی کشمکش میں تھے کہ یہود و نصاریٰ اور اُس شخص پر جو قبروں میں مسجد بنا کر یا بغیر مسجد بنائے نماز پڑھے، لعنت فرمائی ہے۔ مذکورہ مفہوم اور اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کہ ''خَشِیَ اَنْ یُّتَّخَذَ مَسْجِدًا'' میں کوئی فرق نہیں بلکہ یہ ہم معنی اور ہم مطلب عبارات ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے معلوم ہوا کہ خلت کا مقام محبت سے کہیں بلند ہے۔ بعض لوگ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ محبت کا مقام اور درجہ خلت سے بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اور رسول اکرم ﷺ کو حبیب کے لقب سے نوازا ہے۔ یہ اُن لوگوں کی جہالت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ محبت

عام ہے اور خلت خاص محبت کی انتہٰی کو خلت کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خلیل ٹھہرالیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور خلیل نہیں ہے، جہاں تک محبت کا تعلق ہے اس کی صف میں کئی لوگ آتے ہیں چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے والد ماجد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے آپ کو محبت تھی اسی طرح اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں، پاک وصاف رہنے والوں اور صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے لیکن اس نے اپنی مخلوق میں سے صرف دو انبیاء کو خلیل ٹھہرایا ہے ایک سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اور دوسرے رسول اکرم ﷺ کو۔

رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں اس میں رافضیوں (موجودہ اہل تشیع) اور جہمیوں کی تردید ہوگئی کیونکہ یہ دونوں فرقے اہل بدعت میں سے سب سے زیادہ شریر ہیں بلکہ بعض سلف نے تو ان کو بہتر فرقوں میں سے بھی باہر نکال دیا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ان رافضیوں (شیعوں) کی وجہ سے شرک اور قبروں کی پوجا شروع ہوئی اور یہ وہ فرقہ ہے جس نے سب سے پہلے قبروں میں مساجد تعمیر کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف واضح اشارہ موجود ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی محبت جس سے زیادہ ہوگی وہی آپ ﷺ کی جانشینی کا زیادہ مستحق ہو گا۔ دوسری بات یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے پر اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ تیسری یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ سے یہ عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لئے فرمائیں تو آپ ﷺ برہم اور ناراض ہوئے۔ یہ واقعہ آپ ﷺ کے مرض الموت کا ہے۔

یہود و نصاریٰ کے اس فعل پر رسول اللہ ﷺ نے جو انکار فرمایا ہے، اس کے دو سبب تھے: ۱۔ پہلا یہ کہ وہ انبیائے کرام کی قبروں کو تعظیمی سجدہ کیا کرتے تھے۔ ۲۔ دوسرا یہ کہ وہ انبیاء کی قبروں پر نماز پڑھنا باعث برکت خیال کرتے تھے اور حالت نماز میں ان انبیاء کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انبیاء کی تعظیم و توقیر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ایک خاص درجہ حاصل ہو جائے گا۔ پہلی صورت شرکِ جلی کہلاتی ہے اور دوسری شرکِ خفی۔ اِسی بنا پر وہ لعنت کے مستحق ٹھہرائے گئے۔

جناب سید المرسلین ﷺ کی اس درجہ سخت تہدید، شدید وعید اور ان کو ملعون قرار دینے کے بعد ایک

مسلمان کا قبروں کی تعظیم کرنا، اوران پر قبے (ومزار) تعمیر کرنا، وہاں جا کراور خصوصاً ان کو مرکزِ توجہ ٹھہرا کر نماز پڑھنا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے؟ یہ لوگ اگر ذرا بھی غور وفکر کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ براہِ راست اللہ اوراس کے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ دشمنی اور جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ کی قسم یہی وہ دروازہ ہے جس سے یغوث، یعوق، نسر اور اصنام پرستوں میں شیطان داخل ہوا اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ پس مشرکین میں دو جُرم بیک وقت جمع ہو گئے: ایک صالحین کی شان میں غُلُوْ، اور دوسرا صالحین کے طریقے کی مخالفت۔ اہل توحید کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا کیونکہ یہ اہل اللہ اور صالحین کے نقش قدم پر چلے ان کو اس مقام سے بلند نہ سمجھا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو فائز کیا ہے، اور وہ عبدیت کا عظیم مقام ہے، جس میں اُلوہیت کی کوئی بھی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔

فَاِنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يَكُوْنُوْا لِيَبْنُوْا حَوْلَ قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَ كُلُّ مَوْضِعٍ قُصِدَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ فَقَدِ اتَّخِذَ مَسْجِدًا بَلْ كُلُّ مَوْضِعٍ يُّصَلّٰى فِيْهِ يُسَمّٰى مَسْجِدًا كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طُهُوْرًا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی قبر کے اردگرد مسجد بنالیں کیونکہ جس جگہ نماز پڑھنا مقصود ہو وہ مسجد ہی کا حکم رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں نماز پڑھی جائے اُسے مسجد ہی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے لئے رُوئے زمین کو پاک صاف اور مسجد قرار دے دیا گیا ہے۔

و لاحمد بسند جيد عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعا اِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَ هُمْ اَحْيَاءٌ ورواه ابو حاتم فی صحيحه وَالَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ

مسند امام احمد میں بسند جید سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بدترین اور شریر لوگ وہ ہوں گے کہ جن کی زندگی میں بڑے بڑے آثارِ قیامت نمودار ہوں گے۔ امام ابو حاتم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ (یہ وہ لوگ ہوں گے) جو قبرستانوں میں مسجدیں تعمیر کریں گے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب قبرستان میں مسجد تعمیر کرنے کو حرام سمجھتے ہیں۔

اس پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ درج کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ”انبیاء وصالحین اور بعض بادشاہوں کی قبروں پر جو مساجد نظر آ رہی ہیں ان کا انہدام ضروری ہے اور ان کو منہدم کرنے میں کسی صاحب علم کو

اختلاف نہیں ہے''۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''قبروں پر جو بڑے بڑے قبے (ومزار) نظر آرہے ہیں ان کو منہدم کردینا واجب ہے کیونکہ ان کی بنیاد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر رکھی گئی ہے۔

علامہ زیلعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح کنز میں تحریر فرماتے ہیں کہ:''قبروں پر تعمیرات کرنا مکروہ ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ قبروں کو چونے (وسیمنٹ) سے پختہ کرنا اور ان پر قبے وغیرہ بنانا ممنوع ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چونا گچ کرنے اور اس پر تعمیر کرنے کو منع فرمایا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ عمل مکروہِ تحریمی ہے۔

اگر پہلے سے مسجد بنی ہوئی ہے تو اس میں نماز پڑھنا منع ہے۔ قبر آگے ہو یا پیچھے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلا اختلاف کسی مذہب کے ایسا کرنا معصیت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (ترجمہ) تم سے پہلے لوگ انبیاء وصالحین کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا کرتے تھے۔ خبردار! میں تم کو قبرستان کو عبادت گاہ بنانے سے منع کرتا ہوں''۔

اگر پہلے سے مسجد نہیں ہے تو بھی قبر کے پاس نماز پڑھنا ممنوع ہے، اس لئے کہ نماز کی مخالفت تو قبر کی وجہ سے ہے، خواہ مسجد ہو یا نہ ہو، ہر وہ مقام جہاں نماز ادا کی جائے، اُسے مسجد کہا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی یہی ہے کہ:''میری اُمت کے لئے ساری زمین کو پاک اور مسجد قرار دے دیا گیا ہے''۔ ایک قبر کی جگہ ہو یا زیادہ کی، بہرحال جہاں قبر ہو وہاں نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ قبر اور اس کے صحن میں نماز پڑھنا حرام ہے۔ اس طرح جو مسجد قبرستان میں تعمیر ہو چکی ہو، اس میں نماز پڑھنا حرام ہے خواہ نمازی اور قبر کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا نہ ہو۔

فیہ مسائل

☆ جو بھی کسی صالح اور بزرگ کی قبر کے پاس عبادت کے لئے مسجد تعمیر کرتا ہے، اگرچہ اُس کی نیت صحیح ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہدیدی فرمان کی زد میں آتا ہے۔ ☆ کسی صالح شخص کی تصویر بنانے کی حرمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ترین وعید ہے۔ ☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید تہدیدی کلمات میں عبرت ونصیحت کا یہ پہلو پنہاں ہے کہ ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کی نرم الفاظ میں وضاحت فرمائی اور پھر وفات سے

پانچ روز پہلے اس کی سختی سے تردید فرمائی۔ آپ ﷺ نے اسی پر بس نہیں کی (بلکہ وفات کے وقت ایسے لوگوں کو جو قبروں میں مساجد تعمیر کرتے ہیں، ملعون قرار دیا)۔ ☆ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی قبر پر تعمیر مسجد سے منع فرمایا حالانکہ آپ ﷺ کی قبر اُس وقت موجود نہ تھی۔ ☆ قبروں پر مسجد بنانا اور اُن میں عبادت کرنا یہود و نصاریٰ کا طریقہ تھا۔ ☆ اسی بنا پر رسولِ کریم ﷺ نے یہود و نصاریٰ کو ملعون قرار دیا۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرنے کا اصل مطلب یہ تھا کہ مسلمان آپ ﷺ کی قبر پر اس قسم کے افعال کا ارتکاب نہ کریں۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کی قبر کو ظاہر اور کھلا نہ رکھنے کا سبب اور مصلحت۔ ☆ قبر کو عبادت گاہ بنانے کے نقصانات کا تفصیل سے جائزہ لینا۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے والوں اور اُن بدترین لوگوں کو جن کی زندگی میں قیامت برپا ہوگی، ایک ہی مقام دیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے شرک کے وقوع سے پہلے ہی اُس کے اسباب پر روشنی ڈال دی۔ ☆ رحمت عالم ﷺ نے وفات سے صرف پانچ روز قبل اس فتنے کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگاہ فرمایا۔ اہل بدعت کے سب سے زیادہ شریر دو فرقوں کی تردید۔ اور بعض اہل علم نے تو ان کو بہتر فرقوں سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ان دو فرقوں میں ایک رافضی (شیعہ) اور دوسرا جہمیہ ہے۔ خصوصاً رافضیوں کی وجہ سے مسلمانوں میں شرک اور قبروں کی عبادت کے فتنے نے جنم لیا اور یہی وہ فرقہ ہے جس نے سب سے پہلے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ☆ اس باب میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ کو وفات کے وقت سخت تکلیف برداشت کرنی پڑی۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کو خلت کی عظمت و بزرگی سے نوازا گیا ہے۔ ☆ اس بات کی وضاحت کہ خلت کا مقام محبت سے اونچا ہے۔ ☆ اس بات کی بھی تصریح کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کا اپنی زندگی میں ہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ فرمانا۔

باب

ان الغلو فی قبور الصالحین یصرھا اوثانا تعبد من دون اللہ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ بزرگوں کی قبروں کے بارے میں غلو کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُن کو بتوں کی حیثیت دے دی جاتی ہے اور پھر اُن کی بھی

پرستش ہونے لگتی ہے۔

روی مالک فی المؤطا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اَللّٰھُمَّ لا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب موطا میں روایت نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! میری قبر کو وثن نہ بنانا جسے لوگ پوجنا شروع کر دیں۔ اُن اقوام پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر نازل ہوا جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ ﷺ کی قبر کو تین دیواروں میں چھپا دیا ہے اور آپ ﷺ کی قبر مبارک کے اطراف کو آپ کی دعا کی وجہ سے اللہ رب العزت نے اپنی خاص رحمت اور حفاظت وصیانت میں لے لیا ہے۔ زیر بحث حدیث کے الفاظ اس بات پر شاہد ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کو پوجا جاتا تو وہ بہت بڑا وثن بن جاتی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قبر انور کو اس طرح محفوظ فرمایا ہے کہ وہاں تک پہنچنا کسی بادشاہ کے اختیار میں بھی نہیں رہا۔ حدیث مذکورہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وہ قبر، وثن کہلاتی ہے جسے قبروں کے پجاری اپنے ہاتھوں سے چومنا چاٹنا شروع کر دیں یا ان کے تابوتوں سے برکت حاصل کرنے کا ارادہ کریں۔ افسوس کہ آجکل قبروں کی تعظیم اور ان کی عبادت کا فتنہ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ الامان والحفیظ۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اُس درخت کو جڑ سے کاٹ پھینکنے کا حکم صادر کیا جس کے نیچے بیٹھ کر رحمت عالم ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر لوگوں سے بیعت لی تھی۔ اس درخت کو اس لئے کاٹ دیا گیا کہ لوگوں نے وہاں جا کر اُس کے نیچے نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شرک کا فتنہ پھیلنے کے خدشے کی وجہ سے اس کو کٹوا دیا تھا۔

خالد بن دینار کہتے ہیں کہ ابوالعالیہ نے ہمیں مندرجہ ذیل عجیب وغریب واقعہ سنایا، فرماتے ہیں کہ ''جب ہم نے تستر (نامی ایرانی شہر) فتح کیا تو ہرمزان کے مال میں جہاں اور بہت سی اشیاء دستیاب ہوئیں وہاں ایک چارپائی بھی ملی جس پر ایک شخص کی لاش تھی، اور اُس کے سرہانے ایک مصحف رکھا ہوا تھا۔ ہم اسے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے۔ امیر المؤمنین کے حکم کے مطابق سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ ابوالعالین رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے میں نے اُس کو اس طرح پڑھ کر سنایا جیسا ہم

قرآن پڑھا کرتے ہیں۔ خالد بن دینار: اُس مصحف میں کیا لکھا ہوا تھا؟ ابوالعالیہ بولے: تمہاری ہی جیسے اُمور واحکام، اور تمہارے ہی جیسی خوش الحانی، اوراس کے علاوہ بہت سی آئندہ پیش آنے والی باتیں۔ خالد بن دینار نے سوال کیا: تم نے اس شخص کی لاش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ: ہم نے دن کی روشنی میں مختلف تیرہ قبریں کھودیں اور پھر رات کی تاریکی میں ہم نے اس میت کو ایک قبر میں دفن کر کے تمام قبروں کو برابر کر دیا تاکہ لوگوں کو پتہ ہی نہ چل سکے کہ وہ کس قبر میں مدفون ہے۔ خالد بن دینار: اس لاش کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کہ وہ کون تھا؟ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ: وہ سیدنا دانیال علیہ السلام کی لاش تھی۔ خالد بن دینار: تمہاری رائے میں اُن کو فوت ہوئے کتنا عرصہ گزرا ہوگا؟ ابوالعالیہ: تین سوسال کے قریب۔ خالد بن دینار: جسم میں کسی قسم کی تبدیلی تو نہیں ہوئی تھی؟ ابوالعالیہ: ہرگز نہیں صرف گدی کے قریب چند بال متغیر ہو گئے تھے کیونکہ انبیاء کے جسموں کو زمین خراب نہیں کرسکتی۔

اس واقعہ کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''مہاجرین اور انصار مجاہدین صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا دانیال علیہ السلام کی قبر کو اس لئے برابر اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا تاکہ بعد میں آنے والے لوگ شرک و بدعت کے فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ اور اس لئے بھی قبر کو ظاہر نہیں کیا تاکہ لوگ یہاں آ کر دعا اور تبرک حاصل نہ کرسکیں۔ کیونکہ اگر قبر کو نمایاں اور ظاہر کر دیا جاتا تو بعد میں آنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی پوجا شروع کر دیتے۔ اور اگر متاخرین قبر کو ظاہر کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو اس پر تلواروں سے جنگ شروع ہو جاتی اور پھر اللہ کے سوا قبر کی پوجا شروع ہو جاتی''۔

اہل قبور کے لئے دُعائے مغفرت کی نیت سے جانا ممنوع نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: (ترجمہ) قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں''۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لے گئے تھے۔

ولابن جرير بسنده عن سفيان عن منصور عن مجاهد اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى قَالَ كَانَ يَلُتُّ لَهُمُ السَّوِيْقَ فَمَاتَ فَعَكَفُوْا عَلٰى قَبْرِهٖ

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ ''اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى'' میں مذکور اللّات کے بارے میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول اپنی سند سے عن سفیان عن منصور نقل کرتے ہیں کہ ''لاتّ حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ فوت ہو گیا تو لوگ اس کی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ گئے''۔

زیر بحث روایت کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ لوگ اس شخص کی سخاوت دیکھ کر، اس کی محبت میں غلو کا شکار ہو گئے اور نوبت بایں جا رسید کہ اس کی عبادت شروع ہو گئی اور پھر اس کی قبر مشرکین عرب کا بہت بڑا وثن اور بت بن گئی۔

وکذا قال ابو الجوزاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ كَانَ يَلُتُّ السَّوِيقَ لِلْحَاجِّ

ابن الجوزاء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی نقل کیا ہے کہ لات حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَ الْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَ السُّرُجَ رواه اهل السنن

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔ اور اُن کو بھی ملعون قرار دیا جو قبروں میں مسجدیں بناتے اور قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔ اس حدیث کو اہل سنن نے روایت کیا ہے۔

کچھ لوگوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا سہارا لے کر عورتوں کو قبرستان جانے کی رخصت دے دی ہے، تو اُنہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی قبر پر تشریف لے گئیں اور قبر پر کھڑی ہو کر کہنے لگیں کہ: (ترجمہ) ''(اے بھائی!) اگر میں تمہاری وفات کے وقت تمہارے پاس موجود ہوتی تو تمہاری قبر کی زیارت نہ کرتی''۔ اس روایت سے بھی عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت مستحب ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ مردوں کے لئے مستحب ہے کیونکہ اگر عورتوں کے لئے بھی قبروں کی زیارت مستحب ہوتی تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کی قبر کی زیارت پر اس معذرت کا اظہار نہ کرتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو اجازت دینے کی علت اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ ''قبروں کی زیارت موت دلاتی ہے، دل کو نرم کرتی ہے اور آنکھوں کو پرنم کرتی ہے''۔ (مسند احمد)۔ اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر عورت کے لئے یہ اجازت دے دی جائے تو وہ اپنی فطری کمزوری کے باعث جزع فزع اور بین کرنے سے باز نہیں رہ سکتی جس کا حرام ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اس طرح عورتوں کا قبروں کی زیارت کے لئے جانا گویا حرام کاموں میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتا تھا اور ظاہر ہے کہ کوئی ایسی حد نہیں مقرر نہیں کی جا سکتی جس کی بناء پر عورتیں جزع و فزع ایسے حرام کاموں سے بچ سکیں۔ اسی لئے ان کو بالکل روک دیا گیا۔ شریعت کا اصول بھی یہی ہے کہ کسی فعل کی حکمت پوشیدہ ہو یا ظاہر، حکم کا اطلاق مظنہ (یعنی خطرہ) کی بنا پر آتا ہے تاکہ نہ

صرف اس برائی کو روکا جا سکے بلکہ وہ ذرائع و وسائل جو عام طور پر اس برائی کی طرف لے جاتے ہیں ان سے بھی روک دیا جائے۔

محمد بن اسماعیل الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف ''تطہیر الاعتقاد'' میں فرماتے ہیں کہ: ''یہ بڑے بڑے قبے (ومزار) اور میلے جو الحاد اور شرک میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہیں جن کی وجہ سے اسلام کی بنیادیں ہل کر رہ گئی ہیں ان کو تعمیر کرنے والے بڑے بڑے بادشاہ، سلاطین، رؤسا اور والیان ریاست ہی تو تھے۔ انہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کے قبے ومزار بنائے، یا ان لوگوں کی قبروں پر قبے ومزار تعمیر کئے جن کے متعلق یہ ملوک اور سلاطین حسن ظن رکھتے تھے۔ جیسے کوئی فاضل، یا عالم، یا صوفی، یا فقیر، یا کوئی بہت بڑا بزرگ۔ جو لوگ ان کو جانتے تھے وہ تو ان کی قبروں کی زیارت اس نیت سے کرتے تھے کہ ان کے لئے دعا اور استغفار کریں۔ یہ لوگ ان کے نام کی قطعاً دہائی نہ دیتے تھے اور نہ ان کو وسیلہ ہی خیال کرتے تھے۔ بلکہ ان کے لئے دعا کرتے اور بخشش مانگتے۔ لیکن ان اصحابِ قبور کو جاننے والے جب خود فوت ہو گئے تو بعد میں آنے والوں نے دیکھا کہ قبر پر ایک شاندار قبہ ومزار تعمیر ہے، جس پر چراغاں بھی ہوتا ہے اور نہایت قیمتی فرش بچھایا گیا ہے اور قبر پر اعلیٰ قسم کے کپڑے کے پردے لٹک رہے ہیں اور قبر کو ہاروں اور پھولوں سے خوب لادا اور سجایا گیا ہے۔ اس پر انہوں نے سوچا کہ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ ان سے کوئی نفع حاصل کیا جائے یا کسی مصیبت سے نجات حاصل کی جائے۔ اور یہ ان قبروں کے مجاور اِن قبروں کے متعلق طرح طرح کے افسانے تراشتے ہیں۔ یعنی فلاں وقت یہ ہوا اور فلاں زمانے میں وہ ہوا۔ فلاں شخص کو تکلیف دُور ہو گئی اور فلاں شخص کو اتنا نفع ہوا حتی کہ سادہ لوح عوام کے دلوں میں جھوٹا، من گھڑت اور شرکیہ عقیدہ گھر کر جاتا ہے۔ حالانکہ صحیح اور درست مسئلہ وہی ہے جو احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو شخص قبروں پر چراغاں کرتا ہے یا ان پر کوئی تحریر لکھ کر لٹکاتا ہے یا قبر پر کسی قسم کی تعمیر کرتا ہے وہ عنداللہ ملعون قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں اور معروف ہیں جن کی روشنی میں مندرجہ بالا اعمال ممنوع اور حرام ٹھہرائے گئے ہیں اور وہ عظیم خطرہ کا ذریعہ اور سبب بھی ہیں''۔

فیہ مسائل

☆ اوثان کی تشریح وتوضیح۔ ☆ عبادت کا تفصیلی بیان۔ ☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی شے سے پناہ مانگی ہے

جس سے کہ خطرے کا اندیشہ ہو۔ ☆ رسول اکرم ﷺ نے قبروں پر چراغاں کرنے اور ان میں مساجد تعمیر کرنے کو ایک جیسا گناہ قرار دیا ہے۔ ☆ ایسے افراد پر اللہ تعالیٰ کے شدید غضب اور غصے کا ذکر جو قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔ ☆ لات کی عبادت کیسے کی گئی؟ لات عرب کا بہت بڑا بت تھا۔ ☆ اس کی پہچان کہ لات ایک صالح اور بزرگ شخص کی قبر تھی۔ ☆ لات، صاحب قبر کا نام تھا، اس کی وجہ تسمیہ بھی تفصیل سے بیان کی گئی ہے ☆ رسول اللہ ﷺ نے اُن عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کا اُن لوگوں کو بھی ملعون قرار دینا جو قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔

باب

ما جاء فی حمایة المصطفٰی ﷺ جناب التوحید و سد کل طریق یوصل الی الشرک

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اُن اقوال واعمال کی، جو عقیدۂ توحید میں نقص واضحلال کا باعث بنتے ہیں، کس طرح بیخ کنی کی اور شجرِ توحید کی آبیاری کیلئے کیا کیا کوششیں فرمائیں۔

قول اللہ تعالیٰ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَ هُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ

دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا نقصان میں پڑنا اُس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔ اب اگر یہ لوگ تم سے منہ پھیرتے ہیں تو اے نبی ﷺ ان سے کہہ دو کہ میرے لئے اللہ بس کافی ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہی (اللہ)، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعاء فرمائی تھی: (ترجمہ) ''اے اللہ! ان لوگوں میں خود ان ہی کی قوم سے ایک رسول بھیج''۔ (البقرۃ:۱۲۹)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور

فرمایا: (ترجمہ) ''اللہ نے مومنوں پر بڑا اِحسان کیا ہے کہ ان میں اِن ہی میں سے ایک پیغمبر ﷺ مبعوث فرمایا''۔

سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا: (ترجمہ) ''لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آیا ہے'' (التوبہ: ۱۲۸)
سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے شاہِ نجاشی سے اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے قاصد سے کہا تھا: ''اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایسا رسول (ﷺ) مبعوث فرمایا ہے جس کے حسب ونسب کو ہم جانتے ہیں، جن کے اوصافِ حمیدہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، جن کا آنا جانا، سفر وحضر، بیٹھنا اٹھنا اور چلنا پھرنا ہمارے علم میں ہے اور جس کی صداقت وامانت ہمارے ہاں مسلم ہے''۔
حقیقت یہ ہے کہ شریعت محمدیہ کا ایک ایک امر اور حکم صاف ستھرا اور نکھرا ہوا ہے اور اس پر عمل کرنا انتہائی آسان ہے۔ لوگوں کا ہدایت قبول کرنا اور دینی ودنیوی اُمور میں کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہونا رسول اکرم ﷺ کا دلی منشاء تھا اور آپ ﷺ کی یہی اصل تمنا اور خواہش تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اِس بات کی وضاحت کردی ہے کہ ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہی جو جنت کے قریب لے جاتی ہو اور جہنم سے دُور رکھتی ہو اور میں نے وہ بیان نہ کی ہو''۔ (رواہ الطبرانی)۔
رحمت دو عالم ﷺ نے اپنی اُمت کو شرکِ جیسی معصیت سے ڈرایا اور اُن اسباب وذرائع سے آگاہ فرمایا جن کی وجہ سے ایک عام آدمی مرتکب شرک ہوسکتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے شرک میں مبتلا ہونے کے اسباب بیان کرنے اور اُن کی وضاحت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ اُن اسباب وذرائع میں سب سے اہم یہ ہیں: ۱۔ قبروں کی تعظیم کرنا۔ ۲۔ اُن کی تعظیم میں غلو سے کام لینا۔ ۳۔ قبرستان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا۔ ۴۔ قبرستان میں نماز پڑھنا۔ اور اس قسم کے بیشمار اسباب ہیں جن کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جاچکا ہے اور آئندہ بھی آرہا ہے۔

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا وَ صَلُّوْا فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَيْثُ كُنْتُمْ (رواه ابوداؤد باسناد حسن رواته ثقات)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ اور میری قبر کو (عید یعنی) عرس کی جگہ نہ ٹھہراؤ۔ اور مجھ پر درود وسلام بھیجو کیونکہ تم جہاں بھی رہو یہ دُرود وسلام مجھ

تک بہر حال پہنچتا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: (ترجمہ) ''اپنی نماز کا کچھ حصہ گھروں میں ادا کیا کرو۔ نماز اور عبادت سے محروم کر کے اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ''۔

ہر اُس عام اجتماع کو جو باقاعدہ ہفتے، مہینے یا سال کے بعد منعقد کیا جائے، عید کہتے ہیں۔ مشرکین کی جتنی عیدیں مشہور ہیں اُن میں سے بعض زمان سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض مکان سے۔ جب اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ کو نازِل فرمایا تو ان مشرکین کی زمانی عیدوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایامِ منٰی جیسی تقریبوں سے نوازا۔ جن عیدوں کا تعلق مکان سے تھا اُن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے مکہ المکرّمہ، مزدلفہ، عرفہ اور دوسرے مشاعر عطا کیے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا دُرود و سلام مجھے پہنچ جایا کرے گا، خواہ تم میری قبر سے قریب رہو یا دُور۔ لہٰذا میری قبر کو زیارت گاہ بنانے کی ضرورت نہیں''۔

وعن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ رَاٰی رَجُلًا یَجِیْءُ اِلٰی فُرْجَةٍ کَانَتْ عِنْدَ قَبْرِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَیَدْخُلُ فِیْهَا فَیَدْعُوْ فَنَهَاهُ وَ قَالَ اَلَآ اُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا سَمِعْتُهٗ مِنْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَّ لَا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ تَسْلِیْکُمْ یَبْلُغُنِیْ اَیْنَ کُنْتُمْ رَوَاهُ فِی الْمُخْتَارَةِ

سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک میں ایک کھڑکی کے پاس آتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس تھی۔ اور اس کھڑکی سے اندر داخل ہو کر دُعا کرتا۔ اِمام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے روکا اور فرمایا: آؤ میں آپ کو ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جسے میرے والد نے میرے دادا سے اور اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری قبر کو میلا (عید اور عرس) اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنالینا۔ تم مجھ پر دُرود و سلام بھیجا کرو۔ تم جہاں بھی ہو گے تمہارا درود و سلام مجھ کو پہنچ جایا کرے گا۔ روایت کیا اس کو مختارہ میں۔

علی بن حسین سے امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔ خانوادۂ حسین رضی اللہ عنہ میں زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

سے کوئی شخص زیادہ عالم نہ تھا۔امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے افضل مرتبہ کے مالک تھے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''غور کیجئے! یہ حدیث اہل مدینہ اور اہل بیت سے مروی ہے اور یہ وہ بزرگ ہیں جو نسب و مکان کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں۔ لہٰذا ظاہر ہے وہ دُوسروں کی نسبت زیادہ محتاط، اضبط اور قابل حجت ہیں، اس بنا پر اس حدیث کے لائق استدلال ہونے کے بارے میں کون شک وشبہ کا اظہار کرسکتا ہے؟''۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اہل مدینہ کے لئے اِس بات کو مکروہ قرار دیا ہے کہ وہ جب بھی نماز کے لئے مسجد میں آئیں، قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر سلام کہیں کیونکہ یہ سلف اُمت کا طریقہ نہ تھا۔ پھر فرماتے ہیں:''اِس اُمت کی اصلاح صرف اُن ہی باتوں سے ممکن ہے جن سے قرون اُولیٰ کی اصلاح ہوئی تھی''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کا یہ عام دستور تھا کہ وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے کے بعد اپنے کاروبار کے لئے نکل جاتے یا بیٹھ جاتے، قبر نبوی کے پاس سلام کے لئے نہ آتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ صلوٰۃ وسلام جو ہم نے نماز میں پڑھا ہے وہ کامل اور افضل ترین ہے۔ اس کے بعد مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر صلوٰۃ وسلام کہنے یا وہاں نماز پڑھنے یا دُعا وغیرہ کرنے کی شریعت اسلامیہ میں کوئی دلیل نہیں ملتی بلکہ اس سے روکا گیا ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (ترجمہ)''میری قبر کو عید و میلا گاہ نہ بنا لینا اور تم مجھ پر دُرود بھیجتے رہنا وہ مجھ تک پہنچ جاتا ہے''۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ وسلام دُور سے ہو یا نزدیک سے بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو ملعون قرار دیا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مسجد اور عبادت گاہ بنا لیتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک میں ایک دروازہ تھا جس سے انسان اندر جا سکتا تھا اور اس کے بعد ایک دوسری دیوار کا اضافہ کر دیا گیا جس سے ہر شخص اندر داخل ہوسکتا تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حجرۂ مبارک میں قطعاً داخل نہ ہوتے، نہ نماز کے لئے، نہ صلوٰۃ وسلام کے لئے، نہ اپنے یا کسی دوسرے کے لئے دعا کی غرض سے اور نہ کسی حدیث کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کے لئے۔ نہ شیطان کو یہ جرات ہوئی کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں اس قسم کا وسوسہ ڈال سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صلوٰۃ وسلام کو سن رہے ہیں تاکہ سننے والے کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہے یا ہم سے گفتگو فرمائی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حدیث بیان کی ہے یا سلام کا جواب دیا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم تو اس نوع کی بدعات سے محفوظ رہے لیکن اس قسم کے وساوس کو دوسرے افراد کے دلوں میں ڈالنے میں شیطان کامیاب ہوگیا جس کی وجہ سے وہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ صاحب قبر ہمیں بعض اُمور کے انجام دینے کا حکم صادر کرتا ہے اور بعض سے روکتا ہے، وہ ہمارے سوالات کا جواب دیتا ہے اور ہم سے ہم کلام ہوتا ہے حتی کہ بعض اوقات وہ اپنی قبر سے باہر نکل کر بھی ہم سے بالمشافہ گفتگو کرتا ہے۔ان کا یہ عقیدہ بھی ہوگیا کہ میت کی روح، جسم کی شکل اختیار کر کے ہم سے ہم کلام ہوتی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات مختلف ارواح کو دیکھا تھا اور ان سے باتیں بھی کی تھیں۔

صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارک کی طرف یا کسی دُوسری قبر یا مشہد کی طرف قصداً جانا منع ہے کیونکہ اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ اِس قبر کو زیارت گاہ بنالیا گیا ہے، اور یہ ممنوع ہے۔ دوسری بات یہ کہ شرک میں مبتلا ہونے کا یہ سب سے بڑا ذریعہ اور سبب ہے۔ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: (ترجمہ) ”تین مساجد کے علاوہ کہیں سفر کر کے نہیں جانا چاہیئے اور وہ یہ ہیں: مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ“۔

فیہ مسائل

☆ رسول اکرم ﷺ کا اپنی اُمت کو شرک کی چاردیوار سے بے حد دُور رہنے کی ہدایت کرنا۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے ساتھ جو اُلفت و محبت تھی اور ہماری نجات کے لئے آپ ﷺ کو جو شغف تھا اُس کا مختصر خاکہ۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قبر کی زیارت کی مخصوص صورت سے منع فرمایا۔ ☆ رسول اللہ کا نفلی نماز گھر پڑھنے کی ترغیب دینا۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ بات مسلم اور معروف تھی کہ قبرستان میں نماز پڑھنا منع ہے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وجہ بیان فرماتے ہوئے کہا کہ جو شخص مجھ پر دُرود وسلام پڑھتا ہے خواہ وہ دور ہو یا نزدیک وہ صلوٰۃ وسلام میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے لہٰذا قریب آنے کی ضرورت نہیں۔ ☆ اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ عالم برزخ میں ہیں اور اُمت کے اعمال میں سے صرف دُرود و سلام ہی آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

باب

باب ماجاء ان بعض هذه الامة يعبد الاوثان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُمتِ محمدی ﷺ کے بعض افراد بت پرستی میں مبتلا ہو جائیں گے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿سورۃ النساء﴾

کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ جِبت اور طاغُوت کو مانتے ہیں۔ اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔

اللہ کے سوا جس چیز کی بھی عبادت کی جائے اسے وثن کہتے ہیں، وہ حجر و شجر کی صورت ہو یا قبور و مشاہد کی شکل میں۔ کسی نبی اور ولی کی عبادت ہو یا کسی بزرگ اور صالح شخص کی جیسا کہ حدیث میں پہلے گزر چکا ہے۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کہا: (ترجمہ) ''تم اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پوج رہے ہو وہ تو محض بت ہیں اور تم ایک جھوٹ گھڑ رہے ہو''۔ (سورۃ العنکبوت: ۱۷)

اور مشرکین نے کہا: (ترجمہ) ''انہوں نے جواب دیا'' کچھ بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور انہی کی سیوا میں ہم لگے رہتے ہیں''۔ (سورۃ الشعراء: ۷۱)۔

مزید فرمایا کہ: (ترجمہ) ''اس نے کہا'' کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو''؟ (سورۃ الصٰفٰت: ۹۵)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حیّی بن اخطب،

اور کعب بن اشرف قریش مکہ کے پاس آئے تو قریش مکہ کہنے لگے کہ تمہارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور مزید برآں تم میں اہل علم بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ لہٰذا ہمیں یہ بتاؤ کہ ہم اچھے ہیں یا محمد ﷺ؟ اہل مکہ بولے: پہلے تم اپنا تعارف تو کراؤ کہ تم کون ہو اور محمد کون ہے؟ قریش مکہ نے بیک زبان کہا:

☆ ہم صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ☆ عمدہ اور موٹی تازی اونٹنیوں کو ذبح کر کے فقراء و مستحقین میں تقسیم کرتے ہیں۔ ☆ پیاسوں کو پانی اور دودھ پلانا ہمارا شیوہ ہے۔ ☆ قیدیوں کو آزاد کرنا ہمارا اصول ہے۔ ☆ حجاج کرام کے لئے پانی کی سہولتیں مہیا کرنا اور ان کی خدمت میں مصروف رہنا ہمارے آباؤ اجداد سے ہمیں ورثے میں ملا ہے۔ باقی رہے محمد ☆ تو ان کی کوئی اولاد نہیں بلکہ تن تنہا اور اکیلے ہی ہیں۔ ☆ ہمارے خاندانی تعلقات کو اس نے منقطع کر کے رکھ دیا ہے۔ ☆ قبیلہ غفار کے چوروں اور ڈاکوؤں نے اس کی حمایت اور نصرت کا اعلان کر دیا ہے۔ اب بتائیے کہ ہم اچھے ہیں یا محمد؟ حییّ بن اخطب اور کعب بن اشرف بولے: تم ان سے بہتر اور صحیح راستے پر ہو۔ ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے زیر نظر آیات نازل فرمائیں۔

یہی واقع مسند امام احمد میں ابن عباس سے منقول ہے۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ ابو العالیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حسن وغیرہ نے الجبت سے سحر اور طاغوت سے شیطان مراد لیا ہے۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ﴿سورۃ المائدہ:۶۰﴾

پھر کہو کیا میں ان لوگوں کی نشان دہی کروں جن کا انجام اللہ تعالیٰ کے ہاں فاسقوں کے انجام سے بھی بدتر ہے۔ وہ جن پر اللہ نے لعنت کی، جن پر اس کا غضب ٹوٹا۔ جن میں سے بندر اور سُور بنائے گئے جنھوں نے طاغوت کی بندگی کی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ سے کہا: اے میرے رسول ﷺ ان مخالفین سے کہہ دیجیے کہ آؤ میں تم کو بتاؤں جو قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عذاب میں گرفتار ہوگا؟ تم ہمیں وہی سمجھتے ہو، حالانکہ فرمایا، وہ تم ہی لوگ ہو، جن کی صفات مذمومہ اللہ نے بیان کی ہیں کہ: ☆ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور۔ ☆ اللہ کے غضب کے شکار۔ ☆ ایسا غضب جس کے بعد اللہ کی رضا ناممکن۔ ☆ اور سب سے بڑی مکروہ صفت یہ کہ اس نے تمہیں بندر، اور خنزیر کی شکل میں بدل دیا۔

ایک حدیث میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے بندروں، اور خنزیروں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ وہی قوم تو نہیں جن کی شکلوں کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا اور بدل دیا تھا ؟اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو کبھی ہلاک نہیں کیا یا کہا کہ کسی قوم کو مسخ نہیں کیا، جس کی نسل کو باقی رکھا ہو، بندر اور خنزیر تو پہلے ہی موجود تھے''۔ (رواہ المسلم)۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''معالم التنزیل'' میں رقمطراز ہیں کہ قُلْ: رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے۔ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ اے یہودِنا مسعود تمہارا ہمارے متعلق یہ کہنا کہ ہمارا دنیا اور آخرت میں بہت کم حصہ ہے اور یہ کہ ہمارا دین تمہارے دین سے ناقص ہے۔ حقیقت میں دنیا اور آخرت میں تم جیسے بدکردار لوگوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہر بری خصلت تمہارے اندر موجود ہے اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے۔

مَثُوْبَةً: یعنی بلحاظ انجام کے کون شخص گھاٹے میں ہے؟ (آؤ میں بتاتا ہوں)

عِنْدَ اللهِ مَنْ لَّعَنَهُ الله: آخرت میں خسارہ ان لوگوں کو ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ نے ملعون قرار دیا۔

وَغَضِبَ عَلَيْه: اور جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا غضب اور قہر نازل فرمایا۔ جیسے یہود۔

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ: یعنی یہ کہ ان کی نافرمانیوں کی بنا پر ان کو بندر اور سور بنا دیا، امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصحاب السبت کو بندر، اور عیسیٰ علیہ السلام کے مائدہ کا انکار کرنے والوں کو خنزیر بنا دیا گیا۔

علی بن ابی طلحہ، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ بندر اور خنزیر دونوں ہی اصحاب السبت میں سے ہیں چنانچہ ان کے نوجوان افراد کو بندر، اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا۔

وَ عَبَدَ الطَّاغُوْت : یعنی ان میں سے بعض لوگوں کو شیطان کی عبادت کرنے والے بنا دیا گیا۔ کیونکہ یہ شیطان کی چال اور اس پھندے میں پھنس گئے۔

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا (سورۃ الکھف:۲۱)

جو لوگ ان کے معاملات پر غالب تھے انہوں نے کہا ''ہم تو ان پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے''۔

مطلب یہ ہے کہ اپنی جانوں پر کھیل جانے والے نوجوانوں کی قبروں پر انہوں نے وہ مذموم اور مکروہ عمل کیا جس کے کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا''۔

آپ ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مقصد اپنی امت کو متنبہ کرنا ہے کہ کہیں وہ بھی ان یہود و نصاریٰ جیسا

عمل وکردار ادا نہ کرنے نہ لگ جائے۔

عن ابی سعیدخدری رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْهُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ أَلْيَهُوْدُ وَ النَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ (اخرجاه)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم پہلی امتوں کی پیروی میں ایسے برابر ہو جاؤ گے جیسے تیر، تیر سے۔ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے تھے تو تم بھی گھسو گے۔ صحابہ اکرام نے عرض کی کہ یہود و نصارٰی کی پیروی ہم کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پھر اور کون ہو سکتا ہے؟

القذہ: تیر کے پر کو کہتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو یہود و نصاری کا رکردار تھا، یہ امت بھی بالکل ان کی تقلید کرے گی۔ رسول اکرم ﷺ نے وہاں کے مشرکوں کو یہود و نصاری کے مشرکین کے ساتھ یہ کہہ کر تشبیہ دی ہے کہ جس طرح ایک تیر کے پر دوسرے تیر کے پر کی طرح ہوتے ہیں اسی طرح تم میں کی اکثریت یہودیوں اور عیسائیوں کے نقش قدم پر چلے گی اور شرک کا ارتکاب کرے گی۔

ایک حدیث میں یوں ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''حتٰی کہ پہلی امتوں میں سے کسی نے اگر اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسے بدبخت لوگ پائے جائیں گے جو ایسے (غیر انسانی) فعل کا ارتکاب کریں گے''۔

آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصارٰی کا کوئی برے سے برا عمل بھی میری امت کے لوگ نہ چھوڑیں گے۔

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا تھا کہ: ''اگر ہمارے عبادت گزار اور صوفی بگڑے تو وہ یہود ونصارٰی سے مشابہت میں برابر ہوں''۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب یہ دونوں گروہ کس کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالٰی کی یہ خاص رحمت ہے کہ امت محمدی مجموعی طور پر گمراہ نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم یہود و نصارٰی کی پیروی کریں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ: اگر وہ نہیں تو ان کے علاوہ اور کون ہے جن کے نقش قدم پر تم چلو گے؟

مطلب یہ ہے کہ ہاں، میری امت یہود و نصاری کی پیروی کرے گی۔

ولمسلم عن ثوبان رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ اللهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا وَ إِنَّ أُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا وَ أُعْطِيْتَ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَ الْأَبْيَضَ وَ إِنِّيْ سَأَلْتُ رَبِّيْ لِأُمَّتِيْ أَنْ لَّا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ بِعَامَّةٍ وَ أَنْ لَّا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحُ بَيْضَتَهُمْ وَإِنَّ رَبِّيْ قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِذَا قَضَيْتُ قَضَآءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ وَ إِنِّيْ أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَّأُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَأَنْ لَّا أُسَلِّطُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحُ بَيْضَتُهُمْ وَ لَوْ إِجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ بِأَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَ يُسْبِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا

صحیح مسلم میں سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے سامنے اس طرح سمیٹ دیا کہ میں مشرق و مغرب تک بیک وقت دیکھ رہا تھا۔ اور میری امت کی حدود مملکت وہاں تک جا پہنچیں گی جہاں تک مجھے زمین کو سمیٹ کر دکھلایا گیا ہے۔ اور مجھے دو خزانے عطا فرمائے گئے۔ ایک سرخ اور دوسرا سفید۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے بارے میں عرض کیا تھا کہ اسے ایک ہی قحط سالی سے صفحہ ہستی سے نہ مٹا دیا جائے اور یہ کہ میری امت پر مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسرا خارجی دشمن مسلط نہ کیا جائے جو مسلمانوں کے بلاد و اسباب کو مباح سمجھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ اے محمد ﷺ، جب میں کسی بات کا فیصلہ کر دیتا ہوں تو اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ میں نے تیری امت کے بارے میں تمہیں وعدہ دے دیا ہے کہ اسے ایک ہی قحط سالی سے تباہ نہیں کیا جائے گا۔ اور دوسرے یہ کہ ان کے اپنے افراد کے علاوہ کسی دوسرے کو ان پر مسلط نہیں کیا جائے گا کہ ان کے مملوکہ مال و اسباب کو مباح سمجھ لے اگرچہ کفر کی ساری طاقتیں اکٹھی ہو کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے جمع کیوں نہ ہو جائیں۔ ہاں مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کرتے اور قیدی بناتے رہیں گے۔

امام ابوداؤد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اسی مضمون کی نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: پینتیس، چھتیس یا سینتیس سال تک اسلام کا خوب بول بالا رہے گا۔ پھر اگر وہ ہلاک ہو جائیں گے تو ہلاک ہونے والوں کا راستہ ہوگا اور اگر دین ان کو قائم رکھے گا تو پھر ستر سال تک چلے گا، راوی نے کہا کہ میں نے پوچھا یہ مدت آج کے بعد سے شروع ہوگی یا پہلے سالوں سمیت؟ آپ ﷺ نے فرمایا پہلے سالوں سمیت۔

سنن ابی داؤد میں مندرجہ ذیل حدیث بھی منقول ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’زمانہ قریب سے قریب تر ہوتا چلا جائے گا۔علم میں کمی واقع ہوتی رہے گی،فتنوں کا عام دور دورہ ہوگا بخل عام ہوجائے گا،اور قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوجائے گا۔سوال کیا گیا یارسول اللہ ﷺ ہرج کا کیا معنیٰ؟ آپ ﷺ نے فرمایا قتل اور خونریزی‘‘۔

آئمۂ مضلین سے جاہل امراء، علمائے سوٗ، اور بے علم عبادت گزار مراد ہیں، جو بغیر علم کے لوگوں کی رہنمائی کریں گے۔اور کتاب وسنت کے خلاف لوگوں کے فیصلے نمٹائیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور اللہ کی مخلوق کو بھی گمراہ کریں گے۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن کہیں گے کہ: (ترجمہ) ’’اے رب ہمارے، ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اورانہوں نے ہمیں راہ راست سے بے راہ کردیا‘‘۔

اور بعض اس قسم کے گمراہ اور مضل بھی گزرے ہیں جو اپنے مریدوں کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ میرے مرنے کے بعد بھی اگر تم کو کسی قسم کی ضرورت اور مشکل پیش آجائے تو میری قبر پر آجانا ہم تمہاری مشکل دُور کردیں گے۔اور یاد رکھیئے اس آدمی سے کسی بھلائی کی توقع نہیں ہے جس کو ایک گز بھر مٹی اپنے ساتھیوں سے جدا کردیتی ہے۔اور یہ صاف گمراہی ہے کہ آدمی اپنے ساتھیوں کو دعوت دے کہ آ وَ اللہ کو چھوڑ کر غیر کی عبادت کریں اور اس سے اپنی حاجتیں طلب کریں، حالانکہ ان پر وہ قادر نہیں ہے اور نہ ان کی مشکلات کو دُور کرسکتا ہے۔ان ہی جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ کریم فرماتا ہے: (ترجمہ) ’’پھر وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کو پکارتا ہے جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ۔ یہ ہے گمراہی کی انتہا۔وہ ان کو پکارتا ہے جن کا نقصان ان کے نفع سے قریب تر ہے، بدترین ہے اس کا مولیٰ اور بدترین ہے اس کا رفیق‘‘۔

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے: (ترجمہ) ’’لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے معبود بنالئے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں جو خود اپنے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہی رکھتے۔ جو نہ مار سکتے ہیں نہ جِلا سکتے ہیں نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں‘‘۔

اللہ تعالیٰ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں کہتا ہے: ’’اللہ تعالیٰ سے رزق مانگو اور اسی کی بندگی کرو اور اس کا شکرادا کرو۔اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو‘‘۔

قرآن کریم میں اس موضوع کی بے شمار آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ ہدایت اور صراط مستقیم کو واضح الفاظ میں گمراہی سے ممتاز اور ممیّز کرتا ہے۔اور بعض لوگوں کی گمراہی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ وہ علی الاعلان اس

بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا مقام اور عزت حاصل ہے کہ جہاں پہنچ کر تمام احکام الٰہی ان سے ساقط ہو چکے ہیں اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے، ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی استغاثہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کو نفع پہنچانے اور تکلیف دینے پر قدرت حاصل ہے۔ اور بعض مواقع پر وہ تدبیر امر بھی کرتے ہیں یہ سب ان کی کرامات ہیں۔ ان کو لوح محفوظ کے اسرار کا بھی علم ہے اور لوگوں کے دلوں کے بھید بھی ان پر واضح ہیں۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر ان کی قبروں پر مساجد تعمیر کرنا، اور پھر ان پر چراغاں کرنا جائز اور مستحب سمجھتے ہیں۔

اس قسم کے اور بھی باطل اور خلاف شریعت دعوے، افراط و تفریط، غلو اور عبادت غیر اللہ جیسے اقوال و افعال اور عقائد باطلہ کے وہ قائل ہیں۔ اس نوع کی ہفوات کفر اور ارتداد اور اس کی کتاب اور اس کے رسول کی خلاف ورزی اب کتنی عام ہو چکی ہے؟۔

ورواه البرقانی فی صحیحه وزاد وَإِنَّمَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِىْ الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ وَإِذَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ السَّيْفُ لَمْ يُرْفَعْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ لَا تَقُوْمَ السَّاعَةُ حَتّٰى يَلْحَقَ حَيٌّ مِّنْ أُمَّتِىْ بِالْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى تَعْبُدَ فِئَامٌ مِّنْ أُمَّتِى الْأَوْثَانَ وَاِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِىْ أُمَّتِىْ كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ أَنَّهٗ نَبِيٌّ وَ أَنَا خَتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِىْ وَ لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِىْ عَلَى الْحَقِّ مَنْصُوْرَةٌ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِىَ أَمْرُ اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى

حافظ برقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں لکھا ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: ''میں اپنی امت کے بارے میں گمراہ کن لیڈروں سے ڈرتا ہوں۔ اور جب ان میں تلوار چل پڑے گی تو قیامت تک نہ رک سکے گی اور اس وقت تک قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک کہ میری امت کی ایک جماعت مشرکوں سے نہ جا ملے۔ اور یہ کہ میری امت کے بہت سے لوگ بت پرستی نہ کر لیں۔ اور میری امت میں تیس جھوٹے دجال پیدا ہوں گے جو سب کے سب نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ حالانکہ میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ میری امت میں سے ایک گروہ حق پر قائم رہے گا اور فتحیاب ہوگا۔ ان کی مدد چھوڑنے والے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ اِنَّمَا استعمال فرمایا، جو حصر کے لئے بولا جاتا ہے اور جس میں امت کو آئمہ ضلال کی گمراہیوں سے سخت الفاظ میں متنبہ کیا گیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کو گمراہ، اور بے دین امراء، حکماء، اور آئمہ سے شدید ترین خطرہ تھا کہ یہ لوگ عوام کو گمراہ کرنے اور پھسلانے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ یہ خطرہ رسول اللہ ﷺ کے دل میں اللہ تعالیٰ کے القاء اور اطلاع سے پیدا ہوا، جیسا کہ گزشتہ ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم پہلی امتوں کی پوری نقالی کرو گے، جیسے تمام پروں کے بال برابر ہوتے ہیں''۔

اسی مضمون پر مشتمل سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنی امت کے متعلق گمراہ آئمہ وحکام سے شدید ترین خطرہ محسوس کرتا ہوں''۔ (ابوداؤد، طیالسی)۔

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''میں اپنی امت کے بارے میں گمراہ آئمہ وحکام سے ڈرتا ہوں''۔

اللہ کریم نے آپنی کتابِ مبین میں صراط مستقیم، اور اس سیدھے راستے کی، جو تمام مومنوں اور صحابہ کرام کا راستہ تھا، بار بار وضاحت فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں شک وشبہ کا کوئی معمولی غبار بھی باقی نہیں رہنے دیا۔ اور اب جو شخص دین میں کوئی ایسی بدعت پیدا کرتا ہے جس کا کتاب وسنت میں کوئی وجود نہیں ملتا تو وہ شخص عند اللہ ملعون ہے اس کی بدعت مردود ہے۔ اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص بدعت پیدا کرے یا بدعتی کو پناہ دے، اس پر اللہ تعالیٰ کی، تمام فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ نہ فرائض قبول فرمائے گا نہ نوافل''۔

ایک جگہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''جو شخص ہمارے دین میں ایسی چیز جاری کرتا ہے جو اس میں نہیں، وہ مردود اور نا قابل عمل ہے''۔

اور ایک موقع پر یہ الفاظ بیان فرمائے گئے ہیں: ''ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

یہ مندرجہ بالا صحیح احادیث ہیں، جن پر اصول دین، اور احکام شریعت کا دارومدار ہے اور ان احادیث کے مفہوم کو قرآن کریم نے بار بار، اور کئی مواقع پر وضاحت اور تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''لوگو: جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو، مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو''۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد الٰہی ہے: (ترجمہ) ''اس کے بعد اے نبی ﷺ ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ

کرو جو علم نہیں رکھتے‘‘(سورۃ الجاثیہ:۱۸)۔

اس مضمون کی آیات قرآن مجید میں کثرت سے ملتی ہیں۔خلیفہ ثانی سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے وہ الفاظ جو انہوں نے سیدنا زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ کو فرمائے،سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں فرماتے ہیں: ’’کیا تمہیں اس چیز کا علم ہے جو اسلام کے گرنے کا باعث بنتی ہے؟ میں نے عرض کی نہیں۔سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عالم شخص کا پھسل جانا اور منافق کا کتاب اللہ کے بارے میں جھگڑا کرنا اور گمراہ حکام وآئمہ کا فیصلہ،اسلام کے منہدم ہونے کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے۔(دارمی)۔

یزید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جس وقت بھی وعظ وارشاد کے لئے کھڑے ہوتے ، یہ جملہ ضرور ارشاد فرماتے:’’اللہ تعالیٰ حق وانصاف سے فیصلہ کرتا ہے اس میں شک کرنے والے ہی ہلاک ہوتے ہیں‘‘۔

زیر بحث حدیث میں قبور کے ان پجاریوں کی زبردست تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم غیر اللہ کی عبادت کر کے شرک کے مرتکب نہیں ہوئے۔ یہ الفاظ وہ درحقیقت توحید سے ناواقفیت کی بنا پر کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا عمل شرک پر مبنی ہے اور توحید کے سراسر خلاف ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک توحید،تمام اعمال سے زیادہ اہم اور مطلوب ومقصود ہے۔اور شرک تمام اعمال سیئہ سے زیادہ قابل نفرت ہے۔

زیر بحث حدیث کی مزید وضاحت صحیح بخاری ومسلم کی روایت سے ہوتی ہے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعًا روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:’’اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ بنودوس کی عورتوں کے چوتڑ ذوالخلصہ بت کے گرد حرکت نہ کریں گے۔ پھر فرمایا: ذوالخلصہ بنودوس کا بت تھا،جس کی وہ جاہلیت کے زمانے میں پوجا کیا کرتے تھے‘‘۔

ابن حبان معمر سے روایت کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ اِنَّ عَلَیۡهِ الۡاٰنَ بَیۡتًا مَبۡنِیًّا مُغۡلَقًا

اب وہ ایسی جگہ ہے جہاں ایک مکان تعمیر ہے اور اس کا دروازہ بند ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بنوثقیف کے اسلام اور لات کے گرائے جانے کا واقعہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:’’ہر اس جگہ کو جہاں شرک اور کسی بھی طاغوتی طاقت کی پرستش ہو رہی ہو جہاں تک ممکن ہو، اسے منہدم کر دینا ضروری ہے۔ایک دن بھی اسے باقی نہ رکھا جائے۔

پھر ان بڑے بڑے قبوں اور ہر قسم کی تعمیرات کو جو قبوں پر بنائی گئی ہیں، اور جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت ہورہی ہے گرادینا ضروری ہے۔

اسی طرح ان حجر وشجر کو، جن کو لوگ تبرک سمجھتے ہیں اور جن پر نذر و نیاز دیتے ہیں، طاقت وقدرت ہوتے ہوئے فوراً ختم کردینا چاہیے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر کولات، مناۃ، اور عزی کا سا مقام دے دیا گیا ہے یا ان سے بھی بڑھ کر ان کی تکریم ہوتی ہے۔ ان کے پجاری اپنے سے پہلے یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ اور قدم بقدم ان کی تقلید میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کم علمی اور جہالت کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہیں۔

سب سے بڑا ظلم تو یہ ہو رہا ہے کہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھا جارہا ہے۔ اسی طرح سنت کو بدعت سمجھ کر رد کردیا گیا اور بدعت کو سنت سمجھ کر اپنا لیا گیا ہے۔ شریعت مطہرہ کے نشانات ختم ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور اسلام کی بیچارگی کا یہ عالم ہے کہ اس پر غور وفکر کرنے کی کوئی شخص بھی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ علمائے حق، اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اور سفہاء اور احمق لوگوں کا دور، دورہ ہے۔ کوئی کام بھی تو ٹھیک سے نہیں ہو رہا ہے۔ مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ اور لوگوں کی بدعملی اور گناہوں کی وجہ سے بر و بحر میں فساد برپا ہو چکا ہے۔

لیکن ان ناموافق حالات کے باوجود مسلمانوں میں سے ایک جماعت حق وانصاف پر قائم رہے گی، جو مشرکین اور مبتدعین سے برسرپیکار ہوگی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کرۂ ارضی کا وارث ہوجائے۔ کیونکہ وہی بہتر اور اعلیٰ وارث ہے۔

فیہ مسائل

☆ سب سے اہم مسلئہ یہ بیان ہوا ہے کہ جبت اور طاغوت کا مطلب اور معنٰی کیا ہے؟ ☆ کیا یہ قلبی کیفیت اور اعتقاد کا نام ہے یا جبت اور طاغوت کو باطل سمجھتے ہوئے طاغوت کی عبادت کرنے والوں کی موافقت کا نام ہے ؟ ☆ یہود کا یہ کہنا کہ وہ کافر جو اپنے کفر کو پہچانتے ہیں وہ ایمانداروں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ☆ چھٹا مسئلہ جو اصل میں باب سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ اس جماعت کا امتِ محمدیہ میں ہر وقت پایا جانا ضروری ہے جیسا کہ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ☆ اس بات کی وضاحت کہ امتِ محمدیہ میں بہت سے لوگ غیر اللہ کی عبادت میں مبتلا ہوں گے۔ ☆ سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ کلمہ

شہادت کا اقرار کرتے ہوئے نبوت کا اقرار کریں گے جیسے مختار ثقفی نے کیا تھا اور نبوت کے اس دعویدار کا عقیدہ یہ ہوگا کہ وہ بھی اس امت کے افراد میں سے ایک فرد ہے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم حق اور سچے ہیں۔ خصوصاً محمد ﷺ خاتم الرسل ہیں۔ اس تضاد اور اختلافِ عقائد کے باوجود بعض اس کی تصدیق کریں گے۔ اور اسے نبی مانیں گے۔ مختار کذاب کا دعوٰی نبوت صحابہ رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں تھا۔ اس قرب کے باوجود بے شمار لوگوں نے اس کی نبوت کا اقرار کیا۔ ☆ اس بات کی بشارت کہ حق وانصاف دنیا سے بالکل ختم نہیں ہوگا جیسا کہ باقی امم کے دور میں ہوا، بلکہ قیامت تک ایک جماعت حق وصداقت کا علَم بلند رکھے گی۔ ☆ حزب اللہ کی سب سے بڑی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی تعداد کی قلت کے باوجود جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے۔ یا انہیں ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش کریں گے، وہ اس جماعت کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔ ☆ حزب اللہ کے وجود کی شرط قیامت تک کے لئے ہے۔ ☆ زیر بحث احادیث میں مندرجہ ذیل علامات کی وضاحت ہوتی ہے:

☆ رسول اللہ ﷺ کا یہ بتانا کہ آپ ﷺ پر مشرق ومغرب کی طرف سے زمین سمیٹ کر دکھلائی گی اور جو کچھ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ حرف بحرف ثابت ہو بخلاف شمال وجنوب کے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی فرمانا کہ مجھے دو خزانے عطا کیے گئے ہیں۔

☆ آپ ﷺ کا یہ بتانا کہ امت کے بارے میں میری پہلی دو دعائیں قبول ہوئی ہیں۔

☆ آپ ﷺ کا یہ بھی واضح کرنا کہ میری تیسری دعا قبول نہیں ہوئی۔

☆ رسول اللہ ﷺ کا یہ بتانا کہ میری امت میں آپس میں تلوار چل جائے گی تو پھر رکنے کا نام نہیں لیگی۔

☆ رسول اللہ ﷺ کا یہ پیش گوئی کرنا کہ میری امت میں جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔

☆ آپ ﷺ کا یہ بھی فرمانا کہ ایک گروہ حق وانصاف کی حمایت کرتا رہے گا۔

مندرجہ بالا امور اگرچہ بعید از قیاس ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ جو فرما گئے ہیں وہ حرف بحرف ثابت ہو کر رہا۔

☆ رسول اکرم ﷺ کا امت کے گمراہ پیشواؤں سے خطرہ محسوس فرمانا۔ بلکہ اس بات کو حصر اور مقید کر دینا کہ صرف ان سے ہی خطرہ ہے۔

(۱۱) اوثان کی عبادت کی خود تشریح فرمادینا۔

باب

مَا جَآءَ فِي السِّحر

اس باب میں جادو کا بیان ہے

وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (سورۃ البقرۃ:۱۰۲)

اورانہیں خوب معلوم تھا کہ جواس چیز کا خریدار بنااس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

جس کے وجوہ اور اسباب پوشیدہ اور انتہائی دقیق ہوں اسے لغت عرب میں ''السحر'' کہتے ہیں۔ایک حدیث میں رسول اللہ نے فرمایا: فصاحت بیان میں بھی جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔(بخاری،موطا،مسند احمد)۔

سحر (جادو) کوالسحر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا اثر آخر شب میں مخفی طور پر پایا جاتا ہے۔ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الکافی'' میں فرماتے ہیں: ''السحر ان تعویذ گنڈوں اور دھاگوں کی گرہوں کو کہتے ہیں جو انسان کے بدن اور خصوصاً دل پر اثر کرتے ہیں، جن کی وجہ سے انسان بیمار ہو جاتا ہے۔اور کبھی کبھی اس کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔بعض اوقات میاں بیوی میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ) ''یہ لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے ہیں جس سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیں''۔ (البقرۃ:۱۰۲)۔ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ) اور گرہوں میں پھونکنے والوں (والیوں) کے شر سے۔(الفلق:۴)

یعنی وہ جادوگرنیاں جو بوقت جادو، دھاگے وغیرہ میں گرہ باندھتی ہیں اور ہر گرہ میں پھونکتی ہیں۔اگر جادو میں کوئی موصرانہ حقیقت کارفرمانہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے پناہ مانگنے کی تلقین نہ کرتا۔

اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کا اثر ہو گیا تھا۔یہاں تک کہ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خیال کرتے کہ کوئی کام کر رہے ہیں حالانکہ ایسا نہ ہوتا۔اُمّ المؤمنین

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس دو فرشتے آئے۔ایک میرے سر کے پاس اور دوسرا میرے قدموں کے پاس آ کر بیٹھ گیا ایک نے کہا اسے کیا تکلیف ہے ؟ دوسرے نے جواب دیا ''اس کو جادو کر دیا گیا ہے''۔پہلے نے پھر پوچھا ''اس کو کس نے جادو کیا ''؟ جواب ملا: لبید بن اعصم نے۔کنگھی میں دھاگے کی گرہیں لگائی ہیں اور اسے کھجور کے خوشہ کے خول میں بند کر کے بئر ذروان میں ڈال دیا ہے''۔(بخاری)۔

☆ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خلاق کا ترجمہ نصیب اور حصہ کیا ہے۔

☆ سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اہل کتاب کو یہ علم تھا اور ان سے عہد لیا گیا تھا کہ آخرت میں جادوگر کا کوئی حصہ نہیں۔

☆ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا '' جادوگر کا کوئی دین اور مذہب نہیں ہوتا۔

زیر بحث آیت کریمہ سے پتا چلا کہ جادو حرام ہے اور سابقہ تمام مذاہب میں بھی انبیاء علیہم السلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پائے گا''۔(طہ:٦٩)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کے نزدیک جادو سیکھنا اور سکھلانا دونوں کفر ہیں۔

عبدالرزاق ،صفوان بن سلیم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے تھوڑا یا زیادہ جادو سیکھا اس کا معاملہ اللہ سے ختم ہوا''۔یہ حدیث مرسل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جادو کو کفر ہی قرار دیا ہے۔جیسے: ''ہم تو آزمائش ہیں تم کفر میں نہ پڑو''۔(سورۃ البقرۃ: ١٠٢)۔سلیمان علیہ السلام نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے۔(سورۃ البقرۃ:١٠٢)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ان دونوں کو خیر وشر،کفر اور ایمان کا علم تھا جس کی وجہ سے ان کو اس بات کا بھی علم تھا کہ جادو کفر ہے''۔

وقوله يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وِالطَّاغُوتِ۔(سورۃ النساء:٥١)۔قال عمر اَلْجِبْتُ السِّحْرُ وَ الطَّاغُوتُ الشَّيْطٰنُ وقال جابر الطواغيت كهان كان سنزل عليهم الشيطٰن فيْ كلّ حي واحد

ان کا حال یہ ہے کہ وہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں۔امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الجبت جادو اور الطاغوت شیطان ہے۔سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طاغوت وہ کاہن ہیں جن پر شیطان اترتا تھا اور ہر قبیلے کا

الگ الگ کاہن ہوتا تھا۔

جبت اور طاغوت کیا ہے؟

مصنف رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ الجبت بھی جادو میں سے ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''الجبت جادو اور الطاغوت شیطان ہے''۔ یہ اثر ابن ابی حاتم وغیرہ نے نقل کیا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا جبت جادو ہے اور طاغوت شیطان ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: طواغیت سے کاہن مراد ہیں اور ان کاہنوں کے پاس شیطان آیا کرتے تھے اور ہر قبیلے کا الگ الگ کاہن ہوتا تھا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ابن ابی حاتم نے تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: ''وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ ان طواغیت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، جن کے پاس یہ لوگ اپنے فیصلے لے جاتے ہیں؟ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''جہینہ کا ایک الگ کاہن ہے، بنو اسلم کا علیحدہ کاہن ہے، قبیلہ ہلال کا جدا کاہن تھا۔ غرض یہ کہ ہر قبیلے کا الگ الگ کاہن تھا اور یہ وہی کاہن تھے جن کے پاس شیاطین آیا کرتے تھے اور ان کو مختلف خبریں بتایا کرتے تھے''۔

سلف امت کے اقوال وارشادات کے مطالعہ کرنے سے یہ بات روز روشنک کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ہر وہ چیز انسان کو اللہ کی عبادت سے روکے، اللہ اور اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے سدراہ ثابت ہو، خواہ وہ انسان کی صورت میں ہو یا جن کی، شجر وحجر کی صورت میں ہو یا قوانین اسلامیہ کے علاوہ اجنبی دستور کی صورت میں۔ غرض کسی بھی شکل میں ہو، طاغوت کہلائے گی اور ان پر عمل کرنے والے اور نافذ کرنے والے بھی طاغوت کہلائیں گے۔

طاغوت میں وہ کتب بھی شامل ہیں جو عقل انسانی کی ایجاد ہیں، جن سے شریعت اسلامیہ سے دوری پیدا ہونے کا امکان ہو۔

وعن جندب مرفوعاً حَدُّالسَّاحِرِ ضَرْبُهُ بِالسَّيْفِ (رواہ الترمذی)

سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے۔

جادوگر کی سزا: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''حسن عن جندب الخیر روایت کی ہے کہ وہ

ایک جادوگر کے پاس آئے اور اسے تلوار ماردی، یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے۔ پھر یہ حدیث بیان کی۔ اور جندب الخیر، جندب بن کعب یا جندب بن زہیر ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ دونوں ایک ہیں۔

ابن سکن نے بریدہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جادوگر کو ایک ہی وار سے ختم کر دیا جائے تا کہ امت متفق رہے۔

قولهٗ حد الساحر ضربع بالسيف

ضربۃ اور ضربہ دونوں طرح روایات میں آیا ہے اور دونوں صورتیں درست ہیں، معنیٰ میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ امام مالک، امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کو سامنے رکھ کر جادوگر کے بارے میں فیصلہ دیا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ عمر، عثمان، عبداللہ بن عمر، حفصہ، جندب بن عبداللہ، جندب بن کعب، قیس بن سعد، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم کے نزدیک بھی یہی ہے کہ جادوگر کو قتل کر دیا جائے۔

وفِيْ صحيح البخاری عن بجالة بن عبدة قَالَ كَتَبَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ أَنِ قْتُلُوْا كُلَّ سَاحِرٍ وَّ سَاحِرَةٍ قَالَ فَقَتَلْنَا ثَلا ثَ سَوَاحِرَ

صحیح بخاری میں بجالہ بن عبدہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ہر جادوگر کو خواہ مرد ہو یا عورت قتل کر دو۔ بجالہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پیغام سن کر ہم نے تین جادوگروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جادوگر کو توبہ کی مہلت دیئے بغیر قتل کر دینا چاہیئے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے کیونکہ جادوگر کی توبہ سے جادو کا علم زائل نہیں ہوسکتا

وَصَحَّ عَنْ حَفْصَةَ رَضِىَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا أَنَّهَا أَمَرَتْ بِقَتْلِ جَارِيَةٍ لَّهَا سَحَرَتْهَا فَقُتِلَتْ وَكَذٰلِکَ صَحَّ عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ أَحْمَدُ ثَلَاثَةٌ مِّنْ أَصْحٰبِ النَّبِیْ ﷺ

اُمّ المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی ایک لونڈی کو جس نے حفصہ رضی اللہ عنہا پر جادو کا وار کیا تھا، قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ اس لونڈی کو قتل کر دیا گیا۔ جندب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا واقعہ منقول ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جادوگروں کو قتل کرنا رسول اللہ ﷺ کے تین صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جادوگر کے قتل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں ابی

عثمان الہندی سے روایت کرتے ہیں کہ ابی عثمان نے کہا: ولید کے پاس ایک جادوگر آیا اور اس نے ایک شخص کو ذبح کر کے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ہم بہت حیران ہوئے اور ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی چند لمحوں کے بعد جادوگر نے اس شخص کا سر دوبارہ ملا دیا اور وہ صحیح سالم ہو گیا۔ اتفاق سے سیدنا جندب الازدی رضی اللہ عنہ وہاں آ گئے، انہوں نے آگے بڑھ کر جادوگر کو قتل کر دیا۔

امام بیہقی نے یہ واقعہ دلائل النبوۃ میں تفصیل سے لکھا ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ولید نے اس جادوگر کو قید کر دیا تھا۔ یہ واقعہ کئی طرق سے منقول ہے۔

اس سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔

جادوگر کا قتل کرنا تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (۲) اُمّ المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا۔ (۳) سیدنا جندب الازدی رضی اللہ عنہ۔ واللہ اعلم۔

فیہ مسائل

☆ جبت اور طاغوت کے معنٰی اور ان میں فرق واضح کرنا۔ ☆ طاغوت کبھی جنوں اور کبھی انسانوں میں سے بھی ہوتا ہے۔ ☆ خصوصاً ان سات امور، جو انتہائی مہلک اور جن سے خصوصی طور پر بچنے کا حکم دیا گیا ہے، کی معرفت۔ ☆ جادوگروں کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ ☆ جادوگر کو بلا توبہ کرائے قتل کر دیا جائے۔ ☆ جادوگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی تھے، ان کے بعد ان کا وجود کیونکر نا ممکن ہو سکتا ہے؟

باب

بیان شئ من انواع السحر

اس باب میں جادو کی چند اقسام بیان کی گئی ہیں

قال احمد حدثنا محمد بن جعفر حدثنا عوف بن حیان ابن العلاء حدثنا قطن بن قبیصۃ عن ابیه انهٗ سمع النبی ﷺ قَالَ إِنَّ الْعِيَافَةَ وَ الطَّرْقَ وَ الطِّيَرَةَ مِنَ الْجِبْتِ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا مخارق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ پرندوں کو اڑانا، زمین پر خطوط کھینچنا اور کسی کو دیکھ کر فالِ بد لینا، سب جادو کی اقسام ہیں۔

شارح کتاب الشیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر کرامات اولیاء اللہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ان شیطانی شعبدہ بازیوں کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے جن سے عوام، اور جاہل لوگوں کو یہ دھوکا لگا ہے کہ جس شخص سے اس قسم کی شعبدہ بازی ظاہر ہو وہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے اکثر لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ پھر کہا ہے کہ اس موضوع پر مفصل احکام سے باخبر ہونا مقصود ہو تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الفرقان بین اولیاء الشیطان'' کا مطالعہ کیجئے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی وضاحت فرما دی ہے کہ علم نجوم جادو میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''جادوگر کہیں بھی نجات نہ پا سکے گا''۔ (طٰہٰ:٦٩)

جس قدر علم نجوم زیادہ حاصل کرتا جائے گا اسی قدر گناہ بڑھتا جائے گا۔ کیونکہ علم نجوم کو موثر سمجھنا گناہ ہے جیسے جادو کو مؤثر خیال کرنا باطل ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

قَالَ عَوْف أَلْعِيَافَةُ زَجْرُ الطَّيرِ وَ الطَّرْقَ أَلْخَطُّ يُخَطَّ بِالْأَرْضِ وَالْجِبْتَ قَالَ الْحَسَنُ رَنَّةُ الشَّيْطٰنِ اسناد جيّد)ولابی داؤد و انسائی و ابن حبان في صحيحه المسند منه

سیدنا عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پرندوں کو اڑانا، عیافہ اور زمین پر خطوط وغیرہ کھینچنا طرق کہلاتا ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شیطان کی چیخ وپکار اور آہ وبکا کو الجبت کہتے ہیں۔ اس حدیث کی سند جید ہے۔

و عن ابن عباس قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ النُّجُوْمِ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ (رواہ ابوداؤد واسنادہ صحیح)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے علم نجوم کا کچھ حصہ حاصل کیا۔ تو گویا اس نے اتنا جادو سیکھ لیا اور جس قدر زیادہ سیکھتا جائے گا اتنا ہی اس کی وجہ سے گناہ میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

وللنسائی من حديث ابی هريرة مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً ثُمَّ نَفَثَ فِيْهَا فَقَدْ سَحَرَ وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَكَ وَ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص گرہ دیتے وقت اس میں پھونک

مارے اس نے جادو کیا ہے۔ اور جو شخص جادو کرے اس نے شرک کیا اور جو اپنے جسم پر تعویذ دھاگہ لٹکائے اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

جادوگر جب کسی شخص کو نشانہ بنانا چاہے تو دھاگہ لے کر اسے گرہ دیتے جاتے ہیں اور ہر گرہ پر کچھ نہ کچھ پڑھ کر پھونک مارتے جاتے ہیں۔ جس سے وہ اپنے اس قبیح عمل میں کامیاب ہو جاتے ہیں ان کے اس گرہ دینے کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے۔

گنڈوں پر (پڑھ پڑھ) کر پھونکنے والیوں کی برائی سے۔ (الفلق: ۴)

''نفث'': اس پھونک کو کہتے ہیں جس میں آب دہن کی آمیزش بھی ہو۔ یہ خاص جادوگر کا عمل ہے جب کوئی جادوگر کسی پر جادو سے حملہ کرنا چاہتا ہے تو وہ ارواح خبیثہ اور شیاطین سے بھی مدد لیتا ہے اور اس دھاگے کو گرہ دیتے وقت اس میں ایسی پھونک مارتا ہے جس میں لعاب دہن کی آمیزش ہوتی ہے۔ اس پھونک سے زہریلا مادہ خارج ہوتا ہے اس پھونک میں خبیث روحیں اور شیطان اس جادوگر کی مدد کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس گرہ میں پھونک مارتے ہیں۔ چنانچہ جس پر جادو کرنا مقصود ہو، اس پر اللہ تعالیٰ کے اذن سے جسے اہل علم کی اصطلاح میں اذن کونی قدری کہتے ہیں۔ نہ کہ اذن شرعی، اثر ہو جاتا ہے۔ یہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا خلاصہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ جادوگر مشرک ہے کیونکہ جادو کا اثر بغیر شرک کے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض لوگوں سے اس کی حکایات بیان کی ہیں۔

جس شخص کا قلبی تعلق کسی غیر اللہ سے ہو جائے، وہ اس کو معتمد علیہ اور قابل بھروسہ قرار دے لے اور اس سے اپنی امیدیں وابستہ کر لے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اسی چیز کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص اپنے رب، اپنے مولا، اپنے الٰہ اور اس رب تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے جو ہر چیز کا مالک ومختار تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اس کی حفاظت اپنے ذمہ لے لیتا ہے اسے ہر شر سے محفوظ رکھتا ہے اور اس سے اپنی محبت و مودّت کا سلوک کرتا ہے۔ کیونکہ وہی نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ): کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟۔ اور جو شخص جادوگر، شیاطین، یا ان کے علاوہ کسی دوسری مخلوق پر بھروسہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی کی تحویل میں دے دیتا ہے۔ اور پھر انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دل کی آنکھ سے اس قسم کے لوگوں کے حالات پر غور کرے جو غیر اللہ پر بھروسہ اور اعتماد کر لیتے ہیں

تواس پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی، کہ وہ لوگ کس قدر گمراہ، بے بس، اور مایوس نظر آتے ہیں

ابن عبدالبر یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کرتے ہیں کہ ''جھوٹا اور چغل خور ایک ساعت میں جو فساد برپا کر دیتا ہے۔ جادوگر ایک سال میں بھی اتنا فساد برپا نہیں کر سکتا''۔ ابوالخطاب اپنی کتاب عیون المسائل میں لکھتے ہیں: ''چغلی کھانا اور لوگوں میں فساد برپا کرنا جادو ہی کی ایک قسم ہے''۔ وہ اپنی کتاب فروع میں مزید فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''چغلی کو سحر اور جادو اس لئے کہا گیا ہے کہ چغل خور بھی اپنی باتوں اور عمل سے مکر وحیلہ کر کے دوسرے کو اسی طرح اذیت اور تکلیف پہنچانا چاہتا ہے۔ جس طرح کہ جادوگر۔ اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ چغلی کھانا انتہائی اذیت رساں فعل ہے۔ اور اس کا اثر ہی مرتب ہوتا ہے۔ جو جادو کا ہوتا ہے۔ بعض اوقات چغلی جادو سے بھی زیادہ سنگین اور اذیت رساں ثابت ہوتی ہے قریب قریب دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ البتہ جادوگر کو جادو کی وجہ سے کافر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ خاص فعل ہے۔ اور اس کی وجہ بھی خاص ہے۔ لیکن چغل خور جادوگر نہیں البتہ دونوں کے فعل سے نتیجہ ایک ہی جیسا نکلتا ہے۔ لہٰذا ساحر اور جادوگر کا فر قرار دیا جائے گا بخلاف چغل خور کے۔ کیونکہ اس کے لئے وہی حکم لگایا جائے گا جو کہ اس عمل یا اس کے اثر کے مطابق ہوگا۔ مگر ایسے عمل میں جو کہ موجب کفر یا عدم قبول توبہ ہو''۔

مندرجہ بالا گفتگو سے زیر بحث حدیث کی باب سے مطابقت ظاہر ہے۔ جو چغلی کی حرمت پر دال ہے۔ اور چغلی کی حرمت پر علمائے امت کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''غیبت اور چغلی کی حرمت پر علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے البتہ خیر خواہی کے لئے غیبت جائز ہے۔ اور ان کے کبائر میں سے ہونے پر بھی حجت اور دلیل پائی گئی ہے''۔

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اتنی کثرت سے باتیں بنانا جس سے لوگوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے جیسا کہ حدیث میں منقول ہے کہ ''بڑھ چڑھ کر باتیں بنانا لوگوں کی عام عادت ہو گئی ہے''۔

فصاحت وبلاغت اور پوری وضاحت سے اپنی بات بیان کرنا۔ صعصعہ بن صوحان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کیونکہ بعض اوقات مدعا علیہ اصل حق دار کی نسبت، تیز کلام اور چرب زبان ہونے کی وجہ سے، سامعین کو مسحور اور قائل کر کے دوسرے کا حق چھین لیتا ہے''۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ''بعض اہل علم نے اسی بنا پر فصاحت کی مذمت کی ہے کیونکہ یہ جادو ہی کی ایک قسم ہے اور جادو بذات خود مذموم ہے''۔ اکثر اہل علم اور اہل ادب کی ایک جماعت نے فصاحت کی تاویل

مدح سے کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بیان کی تعریف فرمائی ہے۔ ایک دفعہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک سائل آیا اور اس نے اپنے سوال کو انتہائی فصاحت و بلاغت سے پیش کیا تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''واللہ یہ جادو ہے۔ لیکن حلال ہے''۔

ایک مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جو شخص حق کو پامال کرنے میں فصاحت و بلاغت سے کام لے وہ عنداللہ انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ وہ اس طرح زبان کی کمائی کھاتا ہے جیسے گائے اپنی زبان سے کھاتی ہے''۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

و عن ابن مسعود أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَلَا هَلْ أُنَبِّئُكُمْ مَا الْعَضْهُ هِيَ انَّمِيْمَةُ اَلْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ (رواہ مسلم)

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں الضہ کے بارے میں بتاؤں کہ وہ کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ وہ چغلی کھانا ہے۔ یعنی دو شخصوں میں ایسی بات بنانا جس سے وہ آپس میں لڑائی جھگڑے پر اتر آئیں۔

ولھما عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ م؟نَالْبَيَانِ لَسِحْرًا (صحیح بخاری ومسلم)

صحیح بخاری و مسلم مین عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فصاحت و بلاغت میں بھی جادو کا اثر ہوتا ہے۔

فیہ مسائل

☆ عیافہ، طرق اور الطیر ہ جادو ہی کی اقسام ہیں۔ ☆ عیافہ اور طرق کی مکمل وضاحت اور تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ☆ علم نجوم بھی جادو کی ایک قسم ہے۔ ☆ پھونک مار کر گرہ دینا جادو ہے۔ ☆ چغلی کھانا جادو کی ایک شکل ہے۔ ☆ بعض اوقات فصاحت و بلاغت سے بات کرنا بھی جادو کہلاتا ہے۔

باب

ماجاء فی الكُهّان و نحوهم

اس باب میں کہانت اور غیب دانی کے بارے میں احکام شریعت کے وضاحت کی گئی ہے

روی مسلم فی صحیحہٖ عن بعض ازواج النبی ﷺ عن النبی ﷺ قال مَنْ أَتٰی عَرَّافًا فَسَأَلَہٗ عَنْ شَیْءٍ فَصَدَّقَہٗ بِمَا یَقُوْلُ لَمْ تُقْبَلْ لَہٗ صَلٰوۃُ أَرْبَعِیْنَ یَوْمًا

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کی بعض ازواج مطہرات سے مروی ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ، جس شخص نے کسی نجومی کے پاس جا کر کچھ پوچھا اور اس کی تصدیق بھی کی تو اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہوگی۔

وہ شیاطین جو کسی نجومی کی بعض باتیں چوری چھپے سن کر دوسروں کو بتاتے ہیں ان کو کاہن کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اکثر شیاطین فرشتوں کی بعض باتیں سن لیا کرتے تھے۔لیکن آپ ﷺ کی بعثت کے بعد آسمان پر کڑی نگرانی کردی گئی لہذا اب وہ بہت ہی مشکل سے کوئی بات سن پاتے ہیں۔اب صورت حال یہ ہے کہ یہ شیاطین بعض علاقوں کی خبریں دوسرے علاقوں کے کاہنوں کو بتا دیتے تھے۔جس سے جاہل لوگ ان کاہنوں کی کرامت اور کشف کے قائل ہوجاتے ہیں اور اکثر لوگ اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ ان کو بتانے والے اولیاءاللہ ہیں جو بعض اوقات غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔حالانکہ یہ سب کچھ سیاطین کی طرف سے کیا جارہا ہے۔اس کی وضاحت قرآن کریم میں کی گئی ہے۔''ترجمہ: اور جس دن وہ سب (جن وانس) کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہ جنات تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کیے۔ جو انسانوں میں ان کے دوست دار ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمالے لئے مقرر کیا تھا۔اللہ فرمائے گا (اب) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے بیشک تمہارا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے''۔

زیر نظر حدیث میں کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت کی گئی ہے۔علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ان کاہنوں اور منجموں کو جو بازاروں میں سادہ لوح عوام کو گمراہ کرتے اور فریب دے کر ان کی جبین صاف کرتے ہیں، جو شخص روکنے کی طاقت رکھتا ہو۔روکے، ان پر سخت گرفت کرے اور ان کے پاس آنے والے لوگوں کو بھی منع کرے اور سمجھائے۔ان کاہنوں کی چند ایک باتوں کے صحیح ہوجانے سے ان کے جال میں نہ

پھنسنا چاہئے۔اور نہ اس فریب میں آنا چاہئے کہ ان کے پاس لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے اور اس سے بھی دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ کہ ان کے پاس علم والے لوگ آتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس اہل علم نہیں بلکہ جاہل لوگ آتے ہیں۔ اگر ان کے پاس علم کی دولت ہوتی تو خلاف شریعت امور کا ارتکاب نہ کرتے ان کا حال یہ ہے کہ رات دن محرمات کے ارتکاب میں مبتلا اور مشرکانہ تعویذ گنڈوں میں مصروف رہتے ہیں''۔

ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم مین مندرجہ ذیل الفاظ سے حدیث مروی ہے مزید برآں حاکم کا کہنا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم کی شروط پر پوری اترتی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''جو شخص کاہن اور نجومی کی بات کی تصدیق کرے۔ تو گویا انے اس دین اسلام کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر اتارا گیا''۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تو راوی کے نام کی جگہ خالی چھوڑ دی تھی لیکن اس روایت کو امام احمد، امام بیہقی اور حاکم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں کاہن اور جادوگر کے کفر پر واضح دلیل ہے کیونکہ یہ علم غیبت کا دعوٰے کرتے ہیں جو سراسر کفر ہے اور ان کی تصدیق کرنے والا بھی کافر ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا علم غیب کا دعوٰی کرنا یا کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ علم غیب جانتا ہے، کفر ہے۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت اس پر شاہد ہے: ''اس گھڑی (قیامت) کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہی بارش برساتا ہے وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا پرورش پا رہا ہے، کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آنی ہے۔ اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے''۔ (سورۃ لقمٰن: ۳۴)۔

سورۃ الانعام میں ارشادِ ربانی ہے: (ترجمہ): ''اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ سورۃ جن میں ارشاد فرمایا گیا کہ: ''وہ عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جسے اس نے پسند کرلیا ہو''۔ پس جو شخص عراف یا کاہن کی تصدیق کرتا ہے وہ مندرجہ بالا آیات سے کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور جو آیات سے کفر کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

وعن عمران بن حصین مرفوعًا لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَطَیَّرَ اَوْ تُطُیِّرَلَہٗ اَتَکَھَّنَ اَوْ تُکُھِّنَ لَہٗ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَلَہٗ وَمَنْ اَتٰی کَاھِنًا فَصَدَّقَہٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ بِمَآ اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص خود فال نکالے یا اس کے

لئے فال نکالی جائے یا خود کاہن بنے یا اس کے لئے کوئی دوسرا شخص کاہن تجویز کرے یا جو شخص خود جادوگر ہو یا اس کے لئے کوئی دوسرا شخص جادوگر کو تجویز کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ اور جو شخص کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو گویا اس نے شریعت محمدیہ سے کفر کا ارتکاب کیا۔ (رواہ البزار سند جید)۔

یعنی جو شخص خود بدفال لے یا کسی شخص کے لئے کوئی دوسرا فال لے اور وہ شخص جو خود کاہن ہو یا کسی کاہن کے کہنے پر چلے، اسی طرح وہ شخص جو خود جادو کرے یا اس کے لئے کوئی دوسرا شخص جادو کرے۔ پس جو شخص بھی ان امور میں مبتلا ہوا، اس سے رحمت دو عالم ﷺ بے زار ہیں کیونکہ ان میں سے بعض تو شرک ہیں۔ جیسے کسی چیز سے بدفال لینا۔ اور بعض کفر ہیں جیسے کہانت اور جادو۔ اور جو شخص ان پر رضامندی ظاہر کرے اور ان کی باتوں پر عمل کرے وہ ان کا ساتھی ہے۔ اس لئے اس نے باطل اور کفر کو قبول کر کے اس پر عمل کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کاہن، نجومی، اور علم رمل جاننے والے کو عراف کہا جاتا ہے۔ جیسے وہ شخص جو اٹکل پچو سے کام لے کر غیب دانی، اور کشف وغیرہ کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہو''۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے بارے میں جو حروف ابجد وغیرہ لکھ کر حساب کرتے اور نجوم سیکھتے تھے ،فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسا عمل کرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ اور اجر نہیں ہے۔

افسوس کہ لوگوں میں جو موجودہ جاہلیت پائی جاتی ہے وہ سابقہ دور جاہلیت سے بھی بدترین ہے جسے قرآن وحدیث بھی دور نہیں کر سکتے کیونکہ انہوں نے قرآن وحدیث کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور یہی قرآن وحدیث ان کے خلاف بطور حجت پیش ہوگا۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان لوگوں کی خوشنما پگڑیوں، لمبی لمبی داڑھیوں اور خوب صورت چہروں کے جال میں نہ آنا چاہیے کیونکہ اس کے پس پردہ جہالت اور کور پن کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا ۔اس میں شک نہیں کہ جو شخص ولایت کا دعوٰی کرتا ہے اور بعض پوشیدہ امور کی اطلاع دینے کو بطور دلیل پیش کرتا ہے وہ اولیاء الشیطان میں سے ہے۔ نہ کہ اولیاء الرحمان میں سے! کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن اور متقی بندے کے ہاتھ سے کرامت ظاہر کرتا ہے جیسے دعا قبول ہو جانا۔ یا کوئی اچھا عمل سرزد ہو جانا۔ جس میں اس مومن و متقی کو نہ کوئی دخل ہوتا ہے، نہ طاقت ہوتی ہے اور نہ وہ اپنے ارادے سے یہ کام کرتا ہے۔ برعکس ان ششیاطین کے جو مغیبات اور پوشیدہ امور کی خبر دینے کا دعوٰی کرتے ہیں۔

ہر شخص کو صحابہ کرام اور تابعین عظام کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جو تمام اولیاء کے سردار اور پیشوا تھے۔ کیا ان میں سے کسی نے بھی اس قسم کا غلط دعوے کیا؟ اور کیا کوئی خلاف شریعت بات زبان سے نکالی؟ اللہ

جانتا ہے! کبھی نہیں۔ بلکہ ان کی حالت تو یہ ہوتی تھی کہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت ان کی آنکھوں سے آنسو بند نہ ہوتے تھے۔اوران کواس بات کی طاقت نہ کہ اپنے آپ پر ضبط کرسکیں۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لیجئے کہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت اتنا روتے کہ ہچکی بندھ جاتی اور سلسلہ تلاوت رک جاتا۔سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ نماز میں قرأت شروع کرتے تو پچھلی صفوں میں رونے کی آواز سنائی دیتی۔اور اکثر ایسا ہوا کہ رات کے وقت ذکرواذکار میں اتنا روئے کہ بیمار پڑ گئے۔اورکئی روز تک صحابہ کرام بیمار پرسی کے لئے تشریف لاتے رہے۔

تمیم داری کا یہ حال تھا کہ رات سونے کے لئے بستر پر تشریف لاتے تو جہنم کی آگ کا نقشہ سامنے آجاتا اور ساری ساری رات کروٹ بدلتے رہتے۔آخر نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔اگر آپ اولیاء اللہ کی صفات دیکھنا اور پڑھنا چاہتے ہیں تو سورۃ الرعد، سورۃ المومنون، سورۃ الفرقان، سورۃ الذاریات، اور سورۃ الطّور کی تلاوت کیجیے۔آپ کو اولیاء اللہ کی صفات کا علم ہوجائے گا۔یہ اولیاء اللہ نہیں ہیں جو جھوٹے دعوے کرتے پھرتے ہیں۔اوراللہ کی ان صفات کے خود مدعی ہیں جو اس نے اپنی ذات کے لئے مخصوص کی ہوئی ہیں۔جیسے کبریائی، عظمت اور علم غیب وغیرہ۔ان کا دعوٰے غیب دانی ہی کفر ہے۔یہ ولی اللہ کیسے بن سکتے ہیں؟ ان جھوٹوں اور افترا پرداز شیطانوں کی وجہ سے عوام الناس کی مصیبتوں میں اضافہ ہی ہوا ہے۔جو نسلاً بعد نسل اپنے مشرک اباؤ اجداد سے یہ علوم سیکھ رہے ہیں۔اور سادہ لوح عوام کے دلوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ہم سب کو اللہ تعالیٰ دین حنیف پر ثابت قدم رہنے اوران باطل امور سے مجتنب رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

قرآن کریم میں مومنوں کی صفات کا جابجا تذکرہ موجود ہے۔ان میں سے چند صفات یہ ہیں: (۱)۔اللہ کے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔(۲) اپنے عہد و پیمان کونہیں توڑتے۔(۳) صلہ رحمی کرتے ہیں۔(۴) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔(۵) بڑے حساب کے تصور سے کپکپا جاتے ہیں۔(۶) اللہ کی رضا کے لئے صبر کرتے ہیں۔(۷) نماز قائم کرتے ہیں۔(۸) اپنا مال اللہ کی راہ میں رات دن خرچ کرتے ہیں۔(۹) برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں۔(۱۰) اللہ کے ذکر سے ان کے دل مطمئن رہتے ہیں۔(۱۱) اچھے اعمال کرتے ہیں۔(۱۲) زمین پر آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔(۱۳) جب جہلا سے ملتے ہیں تو سلام کہہ کر نکل جاتے ہیں۔(۱۴) رات کو قیام کرتے ہیں۔(۱۵) عذاب دوزخ سے ہمیشہ پناہ مانگتے ہیں۔(۱۶) خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے۔(۱۷) بخیلی سے بھی کام نہیں لیتے۔(۱۸) اللہ کے ساتھ کسی کونہیں پکارتے۔(۱۹) کسی کو

ناحق قتل نہیں کرتے۔ (۲۰) جھوٹ نہیں بولتے۔ (۲۱) لغویات میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ (۲۲) سحری کے وقت توبہ واستغفار میں گزارتے ہیں۔ (۲۳) کسی سائل کو محروم نہیں کرتے۔ (۲۴) زنا نہیں کرتے۔

ایسی صفات کے حاملین ہی اصل مین اولیاء اللہ ہیں جن کو کسی قسم کا غم نہ ہوگا۔

قرآن کریم میں مومنوں کی بیشمار مرقوم ہیں، بلکہ قرآن کریم کی اکثر آیات ایمان اور اہل ایمان کے بارے میں مذکور ہیں۔ حقیقت میں یہی لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ جہالت اور گمراہی نے عوام کے دلوں پر ایسی گرفت کر لی ہے کہ یہ لوگ ایسے عظیم اوصاف اور اس بلند مرتبہ کو، جو صرف اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا حصہ ہی ہے، ایسے افراد میں بھی سمجھ لیا ہے جنہیں پاکیزگی اور گندگی کی بھی تمیز نہیں بلکہ وہ اپنے کپڑوں میں ہی پیشاب کر لیتے ہیں۔ انتہائی گندے اور میلے کچیلے رہتے ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں نہ کوئی اچھا کام کرتے ہیں۔ ان سے ہر نعمت چھن چکی ہے، ان کے اندر اگر کوئی چیز باقی ہے تو وہ صرف حیوانیت ہے۔

ورواه الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن من حديث ابن عباس دون قولہٖ ’’وَمَنْ أَتٰی کَا ھِنًا‘‘ قال البغوی اَلْعَرَّافُ الَّذِ یَدَّعِیْ مَعْرِفَةَ الْاُمُوْرِ بِمُقَدَّمَاتٍ یُّسْتَدَلُّ بِھَا عَلَی الْمَسْرُوْقِ وَمَکَانَ الضَّآ لَّۃَ وَ نَحْوَ ذٰلِکوقیل ھُوَ الْکٰھِنُ وَ الْکَاھِنُ ھُوَ الَّذِیْ یُخْبِرُ عَنِ الْمُغِیْبَاتِ فِی الْمُسْتَقْبِلِ وقیل اَلَّذِیْ یُخْبِرُ عَمَّا فِی الضَّمِیْرِ

طبرانی نے اوسط میں سند حسن سے یہی حدیث سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ البتہ اس میں ’’وَمَنْ أَتٰی کَاھِنًا‘‘ سے آگے تک کے الفاظ نہیں ہیں۔ امام بغوی رحمہ اللہ علیہ نے عراف کی تشریح میں بیان کیا ہے کہ جو شخص چند باتیں ملا کر مسروقہ چیز اور جائے سرقہ کی نشان دہی کر دے اس کو عراف یعنی نجومی کہتے ہیں۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ جو شخص آئندہ آنے والی خبریں بتائے اس کو کاہن کہا جاتا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ جو شخص کسی کے دل کی بات بتائے وہ کاہن ہوتا ہے۔

وقال ابو العباس بن تیمیه اَلْعَرَّافُ إِسْمُ لِّلْکَاھِنِ وَالْمُنَجِّمُ وَ الرَّمَّالُ وَ نَحْوِھِمْ مِمَّنْ یَّتَکَلَّمُ فِیْ مَعْرِفَةِ الْاُمُوْرِ بِھٰذِہِ الطُّرُقِ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کہانت، تنجیم اور علم رمل وغیرہ کی مدد سے بعض امور کی اطلاع دے اس کو عراف کہتے ہیں۔

وقال ابن عباس فِیْ قَوْمٍ یَکْتُبُوْنَ اَبَاجَادٍ وَ یَنْظُرُوْنَ فِي النُّجُوْمِ مَآ أَرٰیٰ مَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ لَہٗ عِنْدَ اللهِ مِنْ خَلَاقٍ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے بارے میں جو حروف ابجد وغیرہ لکھ کر حساب کرتے اور نجوم سیکھتے تھے ،فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسا عمل کرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ اور اجر نہیں ہے۔

فیہ مسائل

☆ قرآن کریم پر ایمان اور کاہن کی تصدیق ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ ☆اس بات کی وضاحت کہ کاہن کی تصدیق کرنا کفر ہے۔ ☆جس شخص کے لئے کہانت کی گئی ہو،اس کا حکم۔ ☆جس کی شخص کے لئے فال لی گئی ہواس کی وضاحت۔ ☆جس شخص کے لئے جادو کیا گیا ہواس کا حکم۔ ☆جو شخص حروف ابجد وغیرہ لکھ حساب کرتا ہے اس کے بارے میں حکم۔ ☆ کاہن اور عراف میں جو فرق ہے اس کی وضاحت۔

باب

ماجآء فی النشرة

اس باب میں جادو وغیرہ اور جنوں کو نکالنے کے علاج کے متعلق امور کا ذکر کیا گیا ہے۔

عن جابر أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ النُّشْرَةِ فَقَالَ هِیَ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ ۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔وہ کہتے ہیں رسول اکرم ﷺ سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ شیطانی عمل ہے۔(رواہ احمد بسند جید، وابوداؤد)

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص سے جادُو دُور کرنے کو نشرہ کہتے ہیں اور یہ کام وُہی شخص کرسکتا ہے جو جادُو جانتا ہو۔القاموس میں ہے کہ یہ بضم النون ہے۔اس سے شیطانی عمل سے ترتیب دیا گیا نشرہ مراد ہے جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔

وَقَالَ سُئِلَ أَحْمَدُ عَنْهَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ یَکْرَہُ هٰذَا کُلَّهٗ وفی الخار عن قتادة رضی اللہ عنہ قلت لابن الْمُسَیِّب رَجُلٌ بِهٖ طِبٌّ أَوْ یُؤَخَّذُ عَنْ إِمْرَأَتِهٖ أَیُحَلُّ عَنْهُ أَوْ یُنَشَّرُ قَالَ لَا بَأْ سَ بِهٖ إِنَّمَا یُرِیْدُوْنَ بِهِ الْإِ صَلَاحَ فَأَمَّامَ یَنْفَعُ فَلَمْ یُنْحَ عَنْهُ

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نشرہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام صاحب

نے فرمایا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس سارے عمل کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ اور صحیح بخاری میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید ابن مسیّب ((سے پوچھا کہ اگر کسی شخص پر جادو یا کوئی ایسا ٹوٹکا ہو جس سے وہ اپنی عورت کے پاس نہیں آ سکتا۔ آیا اس کا حل کیا جائے یا نشرہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے اصلاح مقصود ہے اور جو چیز فائدہ مند ہو اس کے استعمال کی ممانعت نہیں۔

یہ سعید ابن المسیّب رضی اللہ عنہ کی رائے ہے جس سے ایسا نشرہ مراد ہے جو جادو کی اقسام پر مبنی نہ ہو۔

وَرُوِی عَنِ الْحَسَن اَنَّہٗ قَالَ لَا یَحُلُّ السِّحْرَ اِلَّا سَاحِرٌ قال ابن القیم اَلنُّشْرَۃُ حَلُّ السِّحْرِ عَنِ الْمَسْحُوْرِ وَھِیَ نَوْعَانِ احدھما **حَل بِسِحْرٍ مِّثْلِہٖ وَ ھُوَ الَّذِیْ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ وَ عَلَیْہِ یُحْمَلُ قَوْلُ الْحَسَنِ فَیَتَقَرَّبُ النَّاشِرُ وَالْمُنْتَشِرُ اِلَی الشَّیْطٰنِ بِمَا یُحِبُّ فَیُبْطِلُ عَمَلَہٗ عَنِ الْمَسْحُوْرِ** و الثانی **اَلنُّشْرَۃُ بِا لرُّقْیَۃِ وَ التَّعَوُّذَاتِ وَ الْاَدْوِیَۃِ وَ الدَّعْوَاتِ الْمُبَاحَۃِ فَھٰذَا جَآئِزٌ**

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جادو کو جادوگر ہی دور کر سکتا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جادو کیے گئے شخص سے جادو کو دور کرنا نشرہ کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جادو کو جادو ہی سے دور کیا جائے۔ یہ شیطانی عمل ہے جو ناجائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جادو دور کرنے والا اور جس پر جادو کا وار کیا گیا ہے۔ دونوں ایسا فعل کرتے ہیں جس سے شیطان کا قرب حاصل ہو چنانچہ شیطان اپنا اثر دور کر دیتا ہے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

نشرہ کی دوسری قسم وہ ہے جو جھاڑ پھونک، تعوذ، ادویات اور جائز ادعیہ سے علاج کیا جاتا ہے۔ یہ جائز ہے۔

جادُو دُور کرنے کے جواز میں جن احادیث کو پیش کیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ، لیث بن ابی سلیم سے روایت کرتے ہیں، لیث بن ابی سلیم کہتے ہیں کہ مجھے یہ نسخہ تیر بہدف ملا ہے کہ مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر پانی والے برتن میں پھونک کر مریض کے سر پر ڈال دیا جائے۔ ان شاء اللہ فوراً صحت یاب ہو جائے گا۔ آیات یہ ہیں: سورۂ یونس آیت نمبر ۸۱ تا ۸۲۔ سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۱۸ تا ۱۲۱۔ اور سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۶۹۔

ابن بطال نے کہا کہ وہب بن منبہ کی کتاب میں ہے کہ ''بیری کے سات سبز اور تازہ پتے لے کر ان کو دو

پتھروں میں پیس کر پانی میں ڈال دو اور اس پانی پر آیۃ الکرسی، چاروں قل پڑھ کر دم کر دو۔ اور پھر بیمار کو تین گھونٹ پلا دو اور باقی پانی سے وہ غسل کر لے۔ یہ نسخہ بیمار کے لئے تیر بہدف ثابت ہوگا، جبکہ جادو کے ذریعے مرد کو بیوی کی مجامعت سے دیا گیا ہو‘‘۔

فیہ مسائل

☆ جادو کا علاج جادو سے کرنے کی ممانعت۔ ☆ ممنوع علاج اور جس علاج کی رخصت دی گئی ہے اس میں فرق کی وضاحت جس سے شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

باب

مَا جآ ءَ فِی التَّطَیُّرِ

اس باب میں شگون اور فال کے بارے میں شریعت کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور اس کو کسی قطعی فیصلے پر پہنچنے کا ذریعہ قرار دینے سے روکا گیا ہے۔

قول اللہ تعالیٰ اَلَآ اِنَّمَا طٰئِرُھُمْ عِنْدَ اللّٰہِ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔

درحقیقت ان کی فالِ بد تو اللہ تعالیٰ کے پاس تھی، مگر ان میں سے اکثر بے علم تھے۔ **(الاعراف:۱۳۱)**

پرندے یا جانور وغیرہ سے فال لینے کو تطیر کہتے ہیں زیر نظر باب میں اس کی ممانعت پر بحث کی گئی ہے۔ مشرکین عرب کی یہ عادت تھی کہ کسی کام کو شروع کرنے سے قبل پرندوں اور حیوانات کے اڑنے اور گزر جانے سے فال لیتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا اور اسے باطل قرار دیا اور امت کو بتایا کہ یہ حرکت نہ حصول نفع کے لئے مؤثر ثابت ہو سکتی ہے اور نہ دفع ضر کے لئے۔

تطیر چونکہ ایک شیطانی اور شرکیہ عمل ہے جو توحید کے سراسر خلاف ہے اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اس کی تردید فرمائی ہے۔

قولہ الا انما طآئرھم عند اللہ

پوری آیت کریمہ یہ ہے: ترجمہ: ’’جب اچھا دور آتا تو کہتے کہ ہم اسی کے مستحق ہیں اور جب برا دور آتا تو موسیٰ

اوراس کے ساتھیوں کواپنے لئے فال بدٹھہراتے حالانکہ درحقیقت ان کی فال بدتو اللہ کے پاس تھی مگران میں اکثر بےعلم تھے‘‘۔(سورۃ العراف:۱۳۱)جب فرعون اوراس کی قوم کوصحت وعافیت،اورکشادگی رزق کی نعمتیں کثرت سے میسرآئیں توخوشی سے پھولے نہ سمائے اور کہنے لگے کہ ہم ہی اس کے صحیح اورحقیقی حقدار ہیں اور اس کے برعکس جب کبھی مصائب اورقحط سالی وغیرہ کے عذاب میں مبتلا ہوجاتے توفوراًاپنی اصل بیہودگی پراتر آتے اور کہتے کہ یہ مصائب وآلام موسیٰ علیہ السلام اوراس کے ماننے والوں کی وجہ سے نازل ہوئے ہیں۔ان کی اس یاواگوئی کی تردیداللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ:’’کہ یہ مصائب وآلام اورعذاب الٰہی تمہارے ہی کفر،تکذیب آیات الٰہی اوراس کے رسول کوجھٹلانے کی پاداش میں نازل ہوئے ہیں۔

قوله ولكن اكثرهم لا يعلمون

یعنی ان کی اکثریت احمق اورجاہل ہے،وہ عقل اورغوروفکر سے کام نہیں لیتے۔اگرذرابھی عقل وخرد سے کام لیں توان پر یہ بات عیاں ہوجائے کہ ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کی ہدایات میں توسراسرخیر برکت، سعادت دارین اورکامیابی ہی کامیابی ہے۔اوران انعامات سے وہی شخص بہرہ مندہوسکتا ہے جوسچے دل سے ایمان لائے اورہمارے پیغمبرکی اطاعت کرے۔

بعض اوقات کسی مریض کے پاس کوئی صحت مند شخص چلاجائے تومشیت ایزدی سے اس مخالفت کی بناپر صحت مند شخص اس مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے۔اسی بناپررسول اللہ ﷺ نے فرمایا:’’مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو‘‘۔اورایک دوسرے موقع پرفرمایا کہ:’’کسی بیمارکوتندرست کے پاس نہ لے جایاجائے‘‘ ۔جہاں طاعون کی وباپھیلی ہوئی ہو،اس جگہ کے متعلق فرمایا کہ:’’اگرکسی علاقے کے بارے میں پتاچلے کہ وہاں طاعون کی وباپھیلی ہوئی ہےتووہاں نہیں جاناچاہیئے‘‘۔اس قسم کے تمام امراض،تقدیرالٰہی سے پہنچتے ہیں فی نفسہ کوئی مرض متعدی نہیں ہے۔امام احمداورامام ترمذی،سیدناابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاًروایت کرے ہیں کہ آپ ﷺ نے تین بارفرمایا:’’کوئی بیماری متعدی نہیں ہے۔ایک دیہاتی نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ خارش کی پھنسی پہلے پہل اونٹ کے ہونٹ یادم پرظاہرہوتی ہے،پھراتنابڑااونٹ سارے کاساراخارش کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔اس پررسول اللہ ﷺ نے باانداز سوال فرمایا کہ پہلے اونٹ کوکس نے خارش لگائی؟ نہ کوئی بیماری متعدی ہے،نہ کوئی بدفالی ہے،نہ الوکابولناہےاورنہ ماہ سفرکی بتدیلی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہرنفس کو پیدافرماکراس کی زندگی،اس کی مشکلات،اوراس کارزق سب کچھ لکھ دیاہے‘‘۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی وضاحت فرمادی ہے کہ اس قسم کی مصائب ومشکلات صرف اللہ تعالیٰ کی قضاء قدر سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ صحت وعافیت کی زندگی بسر کرے اور ان اسباب وعلل سے دامن کشاں رہے جن سے کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو، جیسا کہ اسے حکم ہے کہ خواہ مخواہ آگ اور پانی میں نہ کود جائے۔ کیونکہ ان کی فطرت اور جبلت میں یہ اثر پایا جاتا ہے کہ وہ انسان کو ہلاک کردیتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو چاہیے کہ مجذوم کے پاس جانے سے پرہیز کرے۔ اور ایسے شہر میں جانے کی کوشش نہ کرے جہاں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہو۔ کیونکہ وہاں جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دینے کے مترادف ہے۔ اور اس بات کو قطعاً نہ بھولے کہ تمام اسباب کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی دوسرے کی کوئی مجال اور طاقت نہیں کہ وہ کسی سبب کو سودمند یا ضرررساں بنادے۔

ہاں! البتہ جب توکل علی اور قضاوقدر پر ایمان مضبوط تر ہوجائے، اس قسم کے مریضوں کے پاس جانے میں انسان کے لرزش نہ پیدا ہو، اللہ تعالیٰ پر اعتماد ویقین کمال کی حدتک پہنچا ہوا ہو اور اس کے قلب میں یہ بات راسخ ہوچکی ہو کہ اللہ کی مرضی اور مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، تو اس صورت میں بعض اوقات انسان اسباب پر حاوی ہوجاتا ہے اور خصوصاً جب کوئی خاص یا عام مصلحت ہو تو انسان کو ضرور جانا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا جس میں آپ ﷺ نے ایک مجذوم کو پکڑا اور اپنے ساتھ کھانا کھانے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ: ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اس پر بھروسہ اور توکل کر کے کھانا شروع کرو''۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا ہے اور یہ حدیث عبداللہ بن عمر اور سلمان فارسی سے بھی مروی ہے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے واقعے سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے جبکہ آپ ﷺ نے زہر ہلاہل کے جام کو بسم اللہ پڑھ کر پی لیا اور اس زہر نے رتی بھر بھی تکلیف نہ پہنچائی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص اور ابومسلم الخولانی رضی اللہ عنہ کو دیکھئے کہ وہ اپنی فوج سمیت سمندر کی سطح پر ایسے چلے جارہے تھے جیسے خشکی پر محوسفر ہوں۔

صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن الحکم نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہم میں چند افراد ایسے بھی ہیں جو فالِ بد لیتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (ترجمہ) ''یہ ویسے ہی اپنے دل میں وسوسہ اور وہم پاتے ہیں، اس کی وجہ سے وہ اپنے کام سے نہ رُکیں''۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ ہے کہ اس قسم کا تشاؤم اور فالِ بد لینا انسان کے عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ فی نفسہٖ کسی پرندے وغیرہ کے اُڑانے میں تطیر نہیں ہے کیونکہ انسان کا وہم، خوف کھانا اور

اُس کا شرک میں مبتلا ہو جانا اس کے دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتا ہے۔اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کو اس امر کی پوری تفصیل سے آگاہ فرمایا اور اس قسم کے تطیر وغیرہ نقصانات اور فساد فی الدین کی وضاحت بیان فرمائی تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی علامت نہیں بیان کی اور نہ اس قسم کے خوف و ہراس کی کوئی وجہ جواز ہے تاکہ لوگوں کے دِل مطمئن رہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت راسخ ہو جائے اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات ان کے سینوں میں مستحکم اور مضبوط تر ہو جائیں۔یہی وہ مقصودِ اعظم ہے جس کی وضاحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ شروع کیا،اور اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے کتابیں بھی نازل فرمائیں،اسی مقصد توحید کی خاطر زمین وآسمان کی تخلیق کی، جنت اور دوزخ کے لئے توحید کو میزان قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے دلوں سے شرک وبدعت کی جڑوں کا کاٹا تاکہ لوگ اہل جہنم کے سے عمل سے دامن کشاں رہیں۔

پس جو شخص توحید کی مضبوط رسی کو تھام لے،اور اللہ تعالیٰ پر توکل اور یقین کو پختہ کرلے تو طیرہ وغیرہ کے دل میں جاگزین ہونے سے پہلے ہی اسکی جڑیں کٹ جائیں گی اور اس کے تمام تخیلات باطلہ ختم ہو جائیں گے

سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے باتیں کررہے تھے کہ ہمارے اوپر سے ایک پرندہ چیختا ہوا گزر گیا۔ایک آدمی کہنے لگا''بھلائی ہے بھلائی ہے''۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا کہ''دیکھو! اس میں خیر ہے نہ شر ہے''۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی اس کی تردید اور ممانعت فرمائی کہ کہیں اس کے دِل میں خیر وشر کی تاثیر کا عقیدہ نہ پیدا ہو جائے۔

چند احادیث اس قسم کی موجود ہیں جن سے بعض علماء نے فال لینے کا جواز پیش کیا ہے،ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ترجمہ)''تین چیزوں میں نحوست ہے،۱۔عورت،۲۔گھوڑے،اور۳۔مکان میں''۔امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کا بہترین جواب دیا ہے،فرماتے ہیں:''رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی میں شوم وغیرہ کے اثبات کی کوئی دلیل نظر نہیں آتی۔حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء کو منحوس اور بعض کو مبارک پیدا کرتا ہے۔منحوس کے پاس جانے سے نحوست پیدا ہو جاتی ہے اور مبارک اجسام والے افراد سے خیر و برکت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔جیسے کسی کے ہاں صالح لڑکا پیدا ہو تو گھر میں چار چاند لگ جاتے ہیں،اور اگر منحوس لڑکا ہو تو اس کے شر سے سارا گھرانا برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔لہٰذا اس حدیث میں عورت،گھر اور گھوڑے کی بھی یہی صورت ہے کسی کو نیک بخت،منحوس اور صاحبِ خیر پیدا کرنا اللہ

تعالیٰ ہی کے قبضہ واختیار میں ہے۔ دونوں صورتوں میں فقط اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر کو دخل ہے، اللہ تعالیٰ مختلف اسباب ونتائج پیدا کرتا ہے جیسے کستوری سے خوشبو آئے گی جس سے انسان محظوظ ہوتا ہے اور لذت حاصل کرتا ہے اور گندگی سے بدبو آئے گی جس سے ہر انسان نفرت کرتا ہے۔ ان دونوں قسموں میں فرق واضح ہے۔ یہی صورت مذکورہ حدیث کی۔ پس مبارک ومنحوس اشیاء اور تطیر میں فرق ہے، وہ ایک قسم ہے، اور یہ دوسری قسم"۔

ولھما عن انس **قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا عَدْوٰی وَ لَا طِیَرَةَ وَ یُعْجِبُنِی الْفَالُ قَالُوْا وَ مَا الْفَالُ قَالَ اَلْکَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ**

ترجمہ: صحیحین میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہے اور نہ فال بد کوئی چیز ہے اور مجھے فال پسند ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ فال کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی بات کو فال کہتے ہیں۔

غیلان کا کوئی وجود نہیں یہ جنوں میں سے جادوگر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جنات میں بھی جادوگر موجود ہیں جو انسانوں میں مختلف خیالات پیدا کرتے ہیں اور معاملات کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ اس حدیث کا کہ "جب بھتنے پریشان کریں تو اذان کہا کرو" بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کی شرارتوں سے اپنی حفاظت کرو۔ اس مفہوم کو سامنے رکھئے تو معلوم ہوگا کہ نفی سے مراد غول کے وجود کی نفی نہیں ہے۔ غول کے وجود پر سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی حجت اور دلیل ہے وہ فرماتے ہیں کہ: "میں نے ایک طاقچہ میں کھجوریں بھر کر رکھی ہوئی تھیں کہ بھتنے یکے بعد دیگرے آتے اور کھجوریں اٹھا کر لے جاتے"۔

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "فال خوشی، اور تکلیف دونوں حالتوں پر بولا جاتا ہے۔ البتہ طیرۃ تکلیف دہ حالت کے لئے خاص ہے۔ بعض اوقات خوشی کی حالت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فال کو اس لئے پسند فرمایا ہے کہ جب لوگ اللہ کی طرف سے کسی فائدہ کی اُمید کریں گے اور کسی اچھے نتیجے کی توقع رکھیں گے تو ان کے حصول کے لئے خواہ سبب ہلکا پھلکا ہو یا بہت بڑا دونوں صورتوں میں خیر ہی ہوگی۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی اُمیدیں اور آرزوئیں ختم کرلیں گے تو سوائے مصائب کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن تطیر میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے بدگمانی اور مصائب کی توقع کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ تفاؤل کی صورت یہ ہے کہ جب مریض کسی کو یہ کہتا ہوا سنے کہ یا سالم! تو مریض کے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب میں بہت جلد صحت یاب ہو جاؤں گا۔ یا کوئی شخص اپنی کسی گم شدہ چیز کو تلاش کر رہا ہو اور وہ کسی کو یہ کہتا ہوا

سنے کہ یا واجد! تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ میری چیز مجھے ضرور مل جائے گی۔ مندرجہ ذیل حدیث اس کی تائید کرتی ہے:

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ فال کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی بات کو فال کہتے ہیں''۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ مجھے فال بہت اچھی لگتی ہے جس سے ثابت ہوا کہ فال اور چیز ہے اور طیرہ جس کی ممانعت کی گئی ہے، اور چیز ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''فال کو پسند کرنے یا اس سے خوش ہونے میں شرک کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، بلکہ یہ انسانی فطرت اور طبیعت کے عین مطابق ہے کیونکہ فطرف انسانی ہر اُس چیز کو اچھا سمجھتی ہے جو اس کے ذوق کے مطابق ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ ''آپ ﷺ کو دنیا میں دو چیزیں پسند ہیں، ایک خوشبو اور دوسری عورت''۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو محبوب گردانتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ کو اچھی آواز سے اذان اور تلاوتِ قرآنِ کریم کو سننا بہت محبوب تھا۔ آپ ﷺ اچھے اخلاق اور عمدہ خصلتوں اور عادتوں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہر اچھی چیز کو، اور جو اُس کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہو اُسے پسند فرماتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت اور فطرت میں یہ صفت ودیعت فرمادی ہے کہ وہ ہر اچھے نام کو چاہتا اور اُس سے محبت کا خواہاں ہے جس کی وجہ سے انسان طبعی طور پر ان کی طرف میلان رکھتا ہے جیسے انسان کی طبیعت ہے، اسی طرح ان اشیاء کے ناموں میں بھی یہ تاثیر رکھ دی ہے جس سے انسان ان کا نام سنتے ہی خوشی اور مسرت محسوس کرنے لگتا ہے جیسے کامیابی و کامرانی، تندرستی اور سرخروئی اور مبارکبادی وغیرہ الفاظ سنتے ہی انسان کی طبیعت کھلکھلا اٹھتی ہے، دل مضبوط ہو جاتا ہے اور سینہ کھل جاتا ہے اور انسان کا جسم ایک تازگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ لیکن مذکورہ اوصاف کے خلاف اگر کوئی چیز انسان کے کان میں پڑے تو غم اور خوف کے آثار دکھائی دیتے ہیں، اور انسان کا جسم ایک گھٹن سی محسوس کرتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ چیز دنیا میں مصائب و مشکلات کا پیش خیمہ بنتی ہے اور قوتِ ایمانی میں نقص اور کمی واقع ہو جاتی ہے، بعض اوقات تو یہ چیز انسان کے شرک میں مبتلا ہو جانے کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے''۔

حلیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فال کو اس لئے پسند فرمایا کہ نحوست بری چیز تھی، جس سے انسان اللہ تعالیٰ کے متعلق بغیر کسی سبب کے بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ البتہ فال سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے متعلق حسن ظن رکھے''۔

ولابی داوٗد بسند صحیح عن عقبة بن عامر قال ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِندَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَحسَنُهَا الْفَآلُ وَ لا تَرُدُّ مُسلِمًا فَاءِ ذَا رَاى أَحَدُكُم مَا يَكرَهُ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ لا يَاْتِىْ بِالْحَسَنٰتِ اِلَّا أَنتَ وَ لا يَدْفَعُ السَّيِّاٰتِ إِلَّا أَنتَ وَ لا حَوْلَ وَ لا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ

سنن ابوداوٗد میں صحیح سند سے مروی ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کے پاس فال بد کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے فال بہتر ہے۔اور یہ کسی مسلمان کو کسی مقصد سے باز نہیں رکھتی۔تم میں سے کوئی شخص ناپسند چیز دیکھے تو یہ دعاء کرے۔ '' اے اللہ، تیرے سوا کوئی بھلائی نہیں لاتا اور تیرے سوا کوئی برائی دور نہیں کرسکتا۔اور تیری مدد کے بغیر ہمیں نہ بھلائی کی طاقت، نہ برائی سے بچنے کی ہمت ہے۔

قرآن کریم میں ہے: (ترجمہ) ''اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ تمہاری بدولت ہے۔کہو سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔آخران لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی، اے انسان! تجھے جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ تیرے اپنے کسب وعمل کی بدولت ہے۔

اللہ تعالیٰ پر توکل اور یقین کامل رکھتے ہوئے، اور تطیر وغیرہ سے جو بسا اوقات مصائب ومشکلات میں گھر جانے کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے، منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کرنا اور مدد چاہنا توحید کا اصل الاصول اور مغز ہے، جو اس دعائیہ جملہ میں پنہاں ہے، حقیقی توکل ہی وہ سب سے بڑا اور عظیم سبب ہے جس سے تمام بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں اور مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے کو ''اَلْحَوْل'' کہتے ہیں اور ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیلی پر قدرت صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کے ہاتھ میں ہے۔اس دعائیہ جملے میں بغیر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قوت کے حول اور قوت کے حصول کی نفی کی گئی ہے جس کا دوسرا نام توحید ربوبیت ہے۔اور توحید ربوبیت، توحید اُلوہیت کی سب سے بڑی دلیل اور حجت ہے۔

وعن ابن مسعود مرفوعًا اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ وَمَا مِنَّا إِلَّا وَ لٰكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ رواه ابوداوٗد، والترمذی وصحہ وَجَعَلَ أٰخِرَهُ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے بدفالی لینے کو دوبار شرک سے تعبیر فرمایا۔ اور ہم میں کوئی ایسا شخص نہیں جسے باتقاضائے بشریت ایسا وہم نہ گزرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ توکل کی وجہ سے اس کو دفع

کرتا ہے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کر کے صحیح کہا اور آخری جملہ یعنی "وَمَا مِنَّا إِلَّا وَ لٰكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ" کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے۔

وَ لِاَحْمَدَ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَمْرٍو وَ مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهٖ فَقَدْ أَشْرَكَ قَالُوْا فَمَا كَفَّارَةُ ذٰلِكَ قَالَ أَنْ تَقُوْلَ اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ وَ لَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ وَ لَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ

ترجمہ: مسند احمد میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو فالِ بد اپنے کام سے روک دے اس نے شرک کیا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اس کا کفارہ یہ ہے: "اے اللہ، تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں اور تیرے پرند کے سوا کوئی پرند نہیں اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

کسی چیز کو دیکھ کر یا سن کر اس کو منحوس سمجھتے ہوئے اپنے کام یا سفر سے رُک جانا شرک ہے لہٰذا جو شخص ایسا خلافِ شریعت عمل کرے گا وہ مشرک ہوگا۔ اور اس لحاظ سے کہ ایسے شخص نے اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد نہیں کیا بلکہ غیر اللہ پر اعتماد کر لیا ہے اس لئے اس کے اس فعل میں شیطان کا عمل دخل اور اس کا حصہ پایا جائے گا۔

وله من حديث الفضل ابن عباس **إِنَّمَا الطِّيَرَةُ مَا اَمْضَاكَ اَوْ رَدَّكَ**

مسند احمد میں سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فالِ بد یہ ہے کہ وہ تجھے کسی کام میں لگا دے یا روک دے۔

جب کوئی شخص تطیر کے بعد اس کے مطابق عمل کرے یعنی یا تو اپنے کام سے رُک جائے یا اُس پر عمل شروع کر دے، تو یہی وہ حد فاصل ہے جسکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، کیونکہ انسان تطیر پر اعتماد اور بھروسہ کر لیتا ہے۔ اور وہ فال جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہے اس میں اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہوتا ہے۔ اس میں صرف خوشی اور مسرت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور بس۔ اس امتیازی فرق کو بالکل نہ بھولنا چاہیئے۔

فیہ مسائل

☆ اللہ تعالیٰ کے قول۔ ☆ مرض کے متعدی ہونے کی نفی۔ ☆ فالِ بد کی نفی۔ ☆ اُلو سے فالِ بد کی

ممانعت۔ ☆صفر کے عقیدہ کی تردید۔ ☆فال کی ممانعت نہیں بلکہ یہ مستحب ہے۔ ☆فال پر مفصل بحث اوراس کے تمام پہلوؤں کی وضاحت ۔ ☆اگر فال بد کے وساوس دل میں پیدا ہوجائیں اور انسان ان کو ناپسند کرے تو یہ تکلیف دہ نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کی وجہ سے یہ وساوس ختم ہوجاتے ہیں۔ ☆جس شخص کے دل میں اس قسم کے وساوس پیدا ہوجائیں ان کو رفع کرنے کی دعاء۔ ☆فال بد کے شرک ہونے کی تصریح۔ ☆قابل مذمت تطیر سے پردہ اٹھا گیا ہےاور پوری تفصیل سےاس نشاندہی کی گئی ہے۔

باب

ماجاء فِی التَّنْجِیْمِ

اس باب میں علم نجوم کے بارے میں شرعی احکام کی وضاحت کی گئی ہے۔

قال البخاری فی صحیحه قال قتاده خَلَقَ اللّٰهُ هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلَاثٍ زِیْنَةً لِّلسَّمَآءِ وَرُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَ عَلَامَاتٍ یُّهْتَدٰی بِهَا فَمَنْ تَأَوَّلَ فِیْهَا غَیْرَ ذٰلِکَ أَخْطَأَ وَ أَضَاعَ نَصِیْبَهٗ وَ کَلَّفَ مَا لَا عِلْمَ لَهٗ بِهٖ انتهی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین چیزوں کے لئے پیدا فرمایا ہے۔(۱)۔آسمان کی زینت کے لئے۔(۲)۔شیاطین کو مارنے کے لئے۔(۳)۔ اور بر بحر میں راستے معلوم کرنے کے لئے۔ جو شخص اس کے علاوہ کوئی اور مطلب لیتا ہے وہ خطا کار ہے۔اس نے اپنا حصہ شرعی ضائع کر دیا اور خود کو اس تکلف میں ڈال دیا، جس کا کوئی علم نہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''آسمانی سیاروں کی رفتار سے زمین کے حادثات و واقعات کی کھوج لگانے کو تنجیم کہتے ہیں''۔ الخطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وہ علم نجوم جس کی کتاب وسنت میں ممانعت کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ نجومیوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ آنے والے فلاں دن یا فلاں مہینے میں یہ حادثہ رُونما ہو گا۔ یا اس قسم کی ہوا چلے گی، یا فلاں وقت بارش ہوگی یا فلاں چیز مہنگی ہو جائے گی، فلاں سستی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔اس قسم کی پیشن گوئی سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ فلاں ستارہ جب فلاں برج میں داخل ہوتا ہے یا

فلاں فلاں ستارے جب جمع یا الگ ہو جاتے ہیں تو اِن کی وجہ سے زمین پر اس قسم کے انقلابات وتغیرات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ نجومیوں کا یہ دعویٰ حقیقت میں علم غیب کا دعویٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے مخصوص ہے''۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ستاروں میں اللہ کریم نے تین فائدہ رکھے ہیں: ا۔ آسمان کی زینت ہیں۔ ۲۔ مسافروں کے لئے نشانِ راہ ہیں۔ ۳۔ اور شیاطین کے لئے شعلوں کا کام دیتے ہیں جو شخص ان کے علاوہ کچھ اور سمجھے تو اس نے اپنی رائے سے کام لیا جس میں خطا کھائی، اپنا دینی حصہ ضائع کر بیٹھا اور بلا علم تکلف سے کام لیا اور بعض جاہل جو اللہ کے اوامر کو نہیں جانتے انہوں نے ان ستاروں کے متعلق کاہنوں کی سی نئی نئی باتیں بنائیں جیسے یہ کہ جو شخص ان ان ستاروں کی گردش میں شادی کرے گا اس کا سفر یوں ختم ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ کوئی بھی ستارہ ہو اس میں سرخ بھی پیدا ہوتے ہیں اور سیاہ بھی، لمبے اور چھوٹے بھی، خوبصورت اور بدصورت بھی، ان ستاروں اور چار پایوں اور پرندوں کو علم غیب کی چیزوں کا کیا علم ہوسکتا ہے۔ اگر اللہ کے سوا کسی کو غیب کا علم ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ حقدار سیدنا آدم علیہ السلام تھے جن کو اللہ کریم نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور ہر چیز کے نام بتائے''۔

غور فرمایئے، تابعین کرام کے دور میں جو منکرات و بدعات پیدا ہوگئی تھیں ان کی تردید کس انداز سے امام موصوف نے کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب نے تردید کا حق ادا کر دیا ہے۔ مبتدعین کی بیہودگیاں ہر زمانے میں اور خصوصاً تابعین کے بعد سے آج تک بڑھتی ہی چلی گئی ہیں، جنہوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ بعض مقامات میں کم ہیں اور بعض مقامات میں زیادہ۔ جو اللہ کا بندہ لوگوں کو ان سے روکتا ہے اور صحیح راستے کی نشان دہی کرتا ہے اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''ہم نے تمہارے قریب کے آسمان کو عظیم الشان چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے''۔ ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: (ترجمہ) ''اس نے زمین میں راستہ بتانے والی علامتیں رکھ دیں اور تاروں سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں''۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نظر اثر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ستارے آسمانِ دنیا میں ہیں جیسا کہ ابن مردویہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''آسمانِ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے دھوئیں سے پیدا کیا اور اس میں سورج اور چاند کو روشن کیا اور اسے ستاروں سے مزید فرمایا جس سے شیاطین کو شعلے پڑتے ہیں اور شیاطین سے حفاظت ہوتی ہے''۔

یعنی ان ستاروں سے سمندروں اور جنگلوں میں مشرق ومغرب، اور جنوب وشمال کی جہت کا پتہ لگایا جاتا ہے جس سے مسافر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (ترجمہ)''اللہ تعالیٰ وہ ذاتِ کبریا ہے جس نے تمہارے فائدہ کے لئے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم اِن سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرسکو''۔یعنی ان سے اپنی منزل مقصود کا تعین کر لیتے ہو۔

اس آیت سے یہ ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ تم غیب کی باتیں معلوم کر لیتے ہو جیسا کہ نجومیوں کا دعویٰ ہے۔ اس کی تردید اس سے پہلے بتفصیل گذر چکی ہے۔نجومیوں کے اس قول کی کوئی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ جناب قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ''جو تین فوائد اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بیان فرما دیئے ہیں، ان کے علاوہ اگر کوئی شخص اور مطلب نکالے گا تو وہ خطا کار ہوگا اور خیر کثیر سے محروم ہو جائے گا۔کیونکہ اس نے اپنے آپ کو ایسے کام میں مشغول اور مصروف کرلیا ہے جو سراسر نقصان دے ہے اور فائدہ سے یکسر خالی''۔

سوال: نجومیوں کی بعض باتیں درست ثابت ہوتی ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: نجومیوں کی بعض باتوں کی حیثیت وہی ہے جو کاہنوں کی ہے یہ ایک بات درست کہتے ہیں اور سو جھوٹ بولتے ہیں۔ان کی درست بات کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ بر بنائے علم درست ہے بلکہ وہ اتفاقاً درست ثابت ہو جاتی ہے اس میں نجومی کا کمال نہیں ہے۔پس جو شخص ان کو سچا سمجھتا ہے وہ آزمائش اور فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت (ترجمہ)''اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے، اس نے دریا جاری کئے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ اس نے زمین میں راستہ بتانے والی علامتیں رکھ دیں'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ علامات کا لفظ پہلے کلام پر معطوف ہے۔وہ کلام جس کو زمین کے متعلق بیان کیا ہے پھر زیادہ وضاحت کی اور آسمان کے بارے میں الگ فرمایا کہ''وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ'' (یعنی وہ ستاروں سے راستے تلاش کر لیتے ہیں)۔

علم نجوم اور نجومیوں کی تردید اور اُن کے بطلان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے ارشادات موجود ہیں جیسے:''جو شخص علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھ لیتا ہے گویا اُس نے جادُو کا ایک حصہ سیکھ لیا، جتنا زیادہ سیکھ لے گا اتنا ہی بڑا جادوگر ہوگا''۔(ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد)۔اسی طرح رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''میں اپنی اُمت سے مندرجہ ذیل اُمور کے بارے میں شدید خطرہ محسوس کرتا ہوں:

۱۔نجوم کی تصدیق سے۔۲۔قضاء وقدر کی تکذیب سے اور ۳۔حکام و آئمہ کے ظلم سے''۔(رواہ عبد بن حمید)۔

ابومحجن رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''میں اپنی اُمت کے بارے میں تین چیزوں سے خطرہ محسوس کررہا ہوں: ۱۔حکام و آئمہ کا ظلم۔ ۲۔نجوم پر ایمان۔اور ۳۔قضاء وقدر کی تکذیب۔ (رواہ ابن عساکر وحسنہ السیوطی)۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''مجھے اپنے بعد اُمت کے بارے میں دو چیزوں کا خطرہ ہے: ۱۔قضاء وقدر کی تکذیب اور ۲۔نجوم پر ایمان کا''۔ (مسند ابویعلی، کامل ابن عدی و کتاب النجوم للخطیب وحسنہ للسیوطی)۔

علم نجوم کی تردید میں متعدد احادیث ذکر کی گئی ہیں اور اس سے محفوظ رہنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعیدی ارشادات ایک مسلمان کے لئے کافی ووافی ہیں۔

وہ علم نجوم جس سے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد زوالِ شمس، اور جہتِ قبلہ وغیرہ معلوم کی جاتی ہے اُس کا حاصل کرنا ممنوع نہیں کیونکہ یہ اس سے زیادہ نہیں کہ اس سے پتا چل جاتا ہے کہ جب تک سایہ کم ہوتا رہے گا تو سورج مشرقی کنارہ سے وسط آسمان کی طرف بڑھتا جائے گا اور جب سایہ زیادہ ہونے لگے گا تو وسط آسمان سے سورج مغربی کنارہ کی طرف گرنا شروع ہو جائے گا اور یہ ایک صحیح علم ہے جس کا ادراک مشاہدہ سے ہوتا ہے۔البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اس فن کے جاننے والوں نے ایسے آلات ایجاد کر لئے ہیں جن کی وجہ سے آدمی سورج کی رفتار کا ہر وقت معائنہ کرنے کا محتاج نہیں رہا (مثلاً گھڑیاں وغیرہ)۔اور جو ستاروں سے جہت قبلہ پر استدلال کیا جاتا ہے تو وہ ایسے ستارے ہیں جن کے مطالعہ سے ایسے اہل علم ائمہ نے قوانین وضع کئے ہیں جن کے دینی شغف اور معرفت اسلام میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے اور ہم ان کو اس معاملہ میں سچا سمجھتے ہیں۔مثلاً کبھی ان ستاروں کو کعبہ میں کھڑے ہو کر مشاہدہ کیا اور کبھی کعبہ سے باہر تو ان کا ادراک ایک مشاہدہ کی خبر ہے اور ہمارا ادراک یہ ہے کہ ہم ان کی خبر کو قبول کرتے ہیں کیونکہ وہ دینی لحاظ سے ہمارے نزدیک مشکوک نہیں ہیں اور نہ وہ اپنی معرفت میں کوتاہی کرنے والے تھے''۔

ابن المنذر رمجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ: وہ چاند کی منزلوں کا علم سیکھنے کو معیوب نہیں سمجھتے''۔

ابن المنذر رنے ابراہیم کا یہ قول بھی روایت کیا ہے کہ''ان کے نزدیک وہ علم نجوم جس سے بر و بحر وغیرہ میں راستے اور دیگر ضروری چیزوں کا پتا چل سے وہ ممنوع نہیں ہے''۔

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ اور الماذون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''وہ علم نجوم جس سے انسان اپنا سفر صحیح طور پر جاری

رکھ سکے یا جس سے جہت قبلہ یا راستہ معلوم ہو سکے جائز اور مباح ہے لیکن وہ علم نجوم جس سے ایک دوسرے پر اثر مرتب ہونا ثابت ہوگا، وہ خواہ کم ہو یا زیادہ حرام اور باطل ہے"۔

وَكَرِهَ قَتَادَةُ تَعَلُّمَ مَنَازِلَ الْقَمَرِ وَلَمْ يُرَخِّصِ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِيْهِ ذكرهٗ حرب عنهما وَ رَخَّصَ فِيْ تَعَلُّمِ الْمَنَازِلِ اَحْمَدُ وَ اِسْحٰقُ

چاند کی منزلیں جاننے کے علم کو سیکھنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مکروہ ہے۔ ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بالکل اجازت نہیں دی۔ امام احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے منازل کے سیکھنے کی اجازت دی ہے۔

فیہ مسائل

☆ ستاروں کے پیدا کرنے میں کون کون سی حکمتیں پنہاں ہیں۔ ☆ جو حکمتیں بیان کی گئی ہیں، ان کے علاوہ تمام کی تردید۔ ☆ منازل قمر کا علم حاصل کرنے کے سلسلے میں علماء کا اختلاف۔ ☆ سحر کو باطل سمجھتے ہوئے بھی اس کی تصدیق کرنے پر وعید۔

بابُ

مَاجَآءَ فِي الْإِسْتِسْقَاءِ بِالْأَنْوَاءِ

اس باب میں بارش کو ستاروں کی مختلف منزلوں کی طرف منسوب کرنے پر وعید کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ اس قسم کا عقیدہ رکھنا خلاف شریعت ہے۔

قول الله تعالیٰ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ (سورۃ الواقعہ)

اور اس نعمت میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اسے جھٹلاتے ہو۔

اس باب میں بارش کو ستاروں کی مختلف منزلوں کی طرف منسوب کرنے پر وعید کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس قسم کا عقیدہ رکھنا خلافِ شرع ہے۔ چاند کی مختلف منزلوں کو انواء کہتے ہیں۔ ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ نہایۃ میں فرماتے ہیں کہ: "چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں اور وہ ہر رات اپنے لئے ان منزلوں میں سے ایک منزل تبدیل کرتا ہے"۔ چاند کی مختلف منزلوں کو قرآن کریم میں بھی ذکر کیا گیا ہے جیسے: (ترجمہ) "چاند، اس کے

لئے ہم نے منزلیں مقرر کردی ہیں''۔(یٰسین:۲۹)۔ ہر تیرہ تاریخ کی رات طلوعِ فجر کے وقت مغرب میں چاند غروب ہو جاتا ہے اور اس کے بالمقابل اسی وقت مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور اسی طرح پورا دَور ساری منزلوں میں ایک سال میں مکمل ہوتا ہے۔ عربوں کا عقیدہ تھا کہ جب چاند ایک منزل سے غروب کے بعد اس کے بالمقابل منزل سے طلوع ہوتا ہے تو اس وقت بارش ہوتی ہے اور اس بارش کو وہ اس منزل کی طرف منسوب کرتے اور کہتے کہ ہمیں چاند کی فلاں منزل کے ترحم کی وجہ سے بارش ملی اور اس کا نام نور رکھا گیا ہے کیونکہ جب چاند مغرب میں جا کر گرتا ہے تو وہ مشرقی مطلع سے دُور ہو جاتا ہے۔

زیرِنظر آیت کریمہ کی تشریح کے سلسلے میں ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (اس کو حسن بھی قرار دیتے ہیں) ابن جریر، ابن ابی حاتم رحمہم اللہ سے نقل کرتے ہیں اور الضیاء بھی اپنی کتاب المختارہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے اس نعمت کا یہ شکر ادا کیا ہے کہ تم اسے جھٹلاتے رہو گے یعنی بجائے شکر کرنے کے یہ کہتے رہو گے کہ اب بارش فلاں ستارے اور فلاں برج میں داخل ہونے والی ہے''۔

تمام تفسیروں میں سے مندرجہ بالا تفسیر صحیح ہے۔ سیدنا علی، ابن عباس، قتادہ، ضحاک رضی اللہ عنہم اور عطا خراسانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مندرجہ بالا تفسیر ہی منقول ہے اور جمہور مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔ مصنف نے بھی اِسی وجہ سے اس آیت کریمہ کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح یوں بیان فرماتے ہیں کہ: ''تم نے اپنا حصہ اس رزق (قرآن) سے، جس سے تمہاری زندگی قائم ہے، یہ بنا رکھا ہے کہ تم قرآنِ کریم کی تکذیب ہی کرتے رہو گے''۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تم نے قرآن کریم میں سے اپنا حصہ صرف یہ حاصل کیا ہے کہ اس کی تکذیب ہی کرنا ہے''۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں: ''وہ شخص بہت ہی گھاٹے میں ہے جس کا قرآنِ کریم میں سوائے تکذیب کے کوئی حصہ نہیں''۔

وعن ابی مالك الاشعری **أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ أَرْبَعٌ فِیْ أُمَّتِیْ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُوْنَهُنَّ أَلْفَخْرُ بِالْأَحْسَابِ وَ الطَّعْنُ فِی الْأَنْسَابِ وَالْاِ سْتِسْقَآءُ بِالنُّجُوْمِ وَ النِّيَاحَةُ وَقَالَ أَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ عَلَيْهَا سِرْيَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ** (رواہ مسلم)

سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت جاہلیت کے چار کام

ترک نہیں کرے گی: ۱۔خاندانی شرافت پر فخر کرنا۔ ۲۔نسب میں عیب نکالنا۔ ۳۔ستاروں سے بارش برسنے کا عقیدہ رکھنا اور ۴۔نوحہ کرنا۔ پھر فرمایا۔نوحہ کرنے والی عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے بدن پر تارکول کا کرتہ اور خارش کی درع پہنائی جائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ بعض افرادِ اُمت ان چار اُمور پر، ان کی حُرمت جاننے کے باوجود یا لاعلمی کی وجہ سے عمل کرتے رہیں گے، حالانکہ یہ اُمورِ جاہلیت اور اُن کی یاد انتہائی مذموم اور مکروہ ہے لیکن اس کے باوصف لوگ اس میں مبتلا رہیں گے۔ جاہلیت سے، قبل از نبوت کا زمانہ مراد ہے، کیونکہ اُس وقت جہالت عام تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ کام جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہو وہ جاہلیت ہی کی رسم ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے اپنی نبوت سے پہلے کی بہت سی رسموں کی ممانعت فرمائی ہے۔کون کون سے کام جاہلیت پر مبنی ہیں؟ یہ اُور قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ کے گہرے مطالعے سے انسان پر منکشف ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک مستقل کتاب ''مسائل الجاہلیہ'' تصنیف فرمائی ہے جس میں ان تمام اُمور کا مختصر طور سے بیان آ گیا ہے جن کی رسول اللہ ﷺ نے مخالفت کی ہے اور جن کا جاہلیت سے خاص تعلق ہے۔ان اُمور کی تعداد تقریباً ایک سو بیس تک پہنچ گئی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جاہلیت کے بعض اعمال لوگ ترک نہیں کریں گے اور اس حدیث میں ان ہی لوگوں کی مذمت کی گئی ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ اُمور جاہلیت اور ان پر عمل کرنا شریعت اسلامیہ میں انتہائی مذموم، ناپسندیدہ فعل ہے۔ اگر ناپسندیدہ نہ ہوتا تو ان اعمال کو جاہلیت کی طرف منسوب کرنے کے کوئی معنی نہ تھے۔ان اُمور کو جاہلیت کی طرف منسوب کرنا ہی ان کی ناپسندیدگی اور مذمت کی دلیل ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: ''اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھائی پھرو''۔ (الاحزاب:۳۳) اس آیت میں تبرج کی مذمت کی گئی ہے اور خصوصاً جاہلیت کی حالت کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔اس میں دورِ جاہلیت کے لوگوں سے مشابہت کی بھی ممانعت کی گئی ہے''۔

اپنے آباء واجداد اور ان کے کارناموں کی وجہ سے لوگوں پر اظہارِ فخر کرنا، یہ جہالت اور دیوانگی کی علامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت وشرف کے حصول کا تعلق صرف تقوی اور پرہیز گاری سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے''۔ (الحجرات:۱۳)۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: (ترجمہ) ''یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد

نہیں ہے جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو، ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، یہی لوگ ہیں جن کے لئے اُن کے عمل کی دُہری جزا ہے اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے''۔ (السبا: ۳۷)۔

سنن ابی داؤد میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی حماقت اور آباء و اجداد کا فخر دُور کر دیا ہے اب یا تو متقی مومن ہو گا یا فاجر و فاسق، سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ اب لوگوں کو قومی فخر و مباہات کو ترک کر دینا چاہیئے کیونکہ وہ جہنم کے کوئلے بن چکے ہیں یا پھر وہ اللہ کے نزدیک گندگی کے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے''۔

ایک دفعہ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی والدہ کے نسب کے بارے میں عار دلائی، رسول اللہ ﷺ غصے میں آ گئے اور فرمایا: ''تو نے اُس کی اُس کی ماں کے بارے میں عار دلائی ہے، ابھی تمہارے اندر جاہلیت کی بو موجود ہے''۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حسب نسب میں عیب نکالنا بھی اعمالِ جاہلیت میں سے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی مسلمان میں بھی ایسے اعمال، جن کا تعلق جاہلیت، یہودیت اور نصرانیت سے ہے، پائے جاتے ہیں، ان سے کوئی مسلمان کافر یا فاسق نہیں ہو جاتا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ اس قسم کی معمولی لغزش سے انسان کافر نہیں ہو جاتا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا جابر السوائی سے ایک روایت نقل کی، جس میں جابر سوائی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''مجھے اپنی امت کے بارے میں تین چیزوں سے خطرہ ہے: ۱۔ ستاروں کے ذریعے سے بارش طلب کرنا۔ ۲۔ بادشاہ کا ظلم۔ ۳۔ اور قضا و قدر کی تکذیب''۔ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ''ہمیں فلاں منزل یا فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ملی) تو وہ دو حال سے خالی نہیں: ایک یہ کہ کہنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ بارش برسنے میں ستاروں کو بہت بڑا دخل اور اثر حاصل ہے۔ پس یہ عقیدہ کفر اور شرک کا ہے۔ قبل از بعثت مشرکین عرب کا یہی عقیدہ تھا جیسا کہ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ میت یا غائب کو پکارنا قرین صحت ہے، کیونکہ وہ نفع پہنچانے اور مصائب دور کرنے پر قادر ہیں۔ اس کو شریعت اِسلامیہ نے شرک سے تعبیر کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ نہ چھوڑے اس کے ساتھ جنگ کی جائے۔ اِسی کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے کہ: (ترجمہ) ''اے ایمان والو! کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کیلئے ہو جائے'' (انفال: ۳۹)۔

اس آیت میں فتنہ سے شرک مراد ہے۔

دوسرے یہ کہ "مُطِرنَا کَذَا وَ کَذَا" (ہمیں اس اس طرح بارش ملی) وغیرہ کہنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی موثر اور بارش برسانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن یونہی بر بنائے عادت اور لوگوں کی دیکھا دیکھی اس نے یہ جملہ کہہ دیا۔ اس بارے میں صحیح موقف یہ ہے کہ مجازاً بھی بارش کو کسی ستارے کی طرف نسبت کرنا حرام ہے جیسا کہ ابن مفلح نے اپنی کتاب "الفروع" میں اس کی تصریح کی ہے کہ "مُطِرنَا کَذَا وَ کَذَا" (ہمیں اس اس طرح بارش ملی) کہنا حرام ہے۔ اور صاحبِ انصاف نے اس کی حرمت پر آخری فیصلہ دیا ہے۔ یعنی اگرچہ یہ مجازاً ہی کہا گیا ہو مگر اس کی حرمت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اس کی حرمت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ کہنے والے نے ایک ایسے فعل کی نسبت ایسی مخلوق کی طرف کی ہے جس کو اس فعل پر قطعاً کوئی قدرت نہیں ہے بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع اور مسخر ہے اور اسے نفع اور ضرر دینے پر ذرّہ بھر بھی اختیار نہیں ہے۔ اس نسبت کو ہم شرکِ اصغر کہہ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

کسی کے فوت ہونے پر بین کرنے کو النیاحۃ کہتے ہیں کیونکہ بین کرنے والا اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر ناراض ہو کر ہی تو بین کرے گا۔ بین کرنا صبر کے سراسر خلاف ہے اور شریعت اسلامیہ میں کبیرہ گناہ شمار ہوتا ہے جس پر سخت وعید آتی ہے اور اس کی تردید میں بہت سی حدیثیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ کے اس جملے میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اگرچہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، توبہ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے۔ اس مسئلے پر تمام علمائے اُمت کا اتفاق ہے اور اعمالِ صالحہ اور حسنات سے بھی بڑے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، نیز مصائب و مشکلات میں ابتلاء سے بھی انسان کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے لئے دعا کرنے سے بھی گناہ دُھل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت کرنے سے بھی گناہ دُھل جاتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ بھی گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے جبکہ انسان مشرک نہ ہو، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اُس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ جان کنی کا وقت نہ آ جائے"۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "سربال، سرابیل کا واحد ہے، یہ قمیص کے علاوہ دوسرے کپڑوں پر بھی بولا جاتا ہے"۔ یعنی ان کپڑوں کو گندھک سے لیپ دیا جائے گا اور وہ ان کے لئے قمیص کی طرح ہو جائے گا تا کہ ان کے جسموں پر آگ خوب بھڑکے اور ان کی بو بدترین قسم کی ہو اور خارش کی وجہ سے ان کی تکلیف بہت

سخت ہو جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قطران کا ترجمہ ’’پگھلا ہوا تانبہ‘‘ کیا ہے۔

ولهما عن زيد بن خالد قَالَ صَلّٰى لَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ صَلٰوةَ الْبُحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى إِثْرِسَمَآءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْقَالُوْا أَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِىْ مُؤْمِنٌ بِىْ وَ كَافِرٌ فَأَمَّ مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَ رَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِىْ كَافِرٌ بِالْكَوَابِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَ كَذَا فَذَالِكَ كَافِرٌ بِىْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ

صحیحین میں زید بن خالد سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقامِ حدیبیہ میں ہمیں صبح کی نماز ایسی رات میں پڑھائی جس میں بارش ہوئی تھی آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج صبح میرے بہت سے بندے مومن ہو گئے اور بہت سے کافر۔ پس جس نے کہا کہ یہ بارش اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں سے اس نے کفر کیا۔ اور جس نے کہا کہ یہ بارش فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی ہے اس نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارش کے متعلق جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ انواء کی وجہ سے اور ان کے اثر کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو یہ شخص کافر ہے کیونکہ وہ شرک فی الربوبیت کا مرتکب ہوا ہے اور ہر مشرک کافر ہوتا ہے اور جو شخص انواء وغیرہ کی تاثیر کا معتقد نہیں بلکہ اس نے رسماً یہ جملہ کہہ دیا ہے تو یہ شرکِ اصغر ہے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی ستارے میں کسی قسم کا کوئی بھی سبب بارش برسنے کا نہیں رکھا۔ یہ تو اس کا خاص فضل اور احسان ہے کہ جب چاہتا ہے بارش برساتا ہے اور جب چاہتا ہے اُسے روک لیتا ہے۔ زیر بحث حدیث اس بات پر واضح دلیل کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ افعال، جن کا تعلق صرف اللہ کی ذات سے ہے ان کو غیر اللہ کی طرف مجازاً بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

اس مقام پر ایمان کی حقیقت کو سمجھنا چاہیئے۔ فضل اور رحمت اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں اور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے، یا، رسول اللہ ﷺ نے جو صفات، اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہیں، وہ صفات قائم بالذات ہیں، کسی غیر کی محتاج نہیں، خواہ وہ صفات ذات سے تعلق رکھتی ہوں جیسے حیات، علم یا افعال سے، جیسے رحمت وغیرہ۔ اس مسئلے کو خوب غور سے سمجھ لینا چاہیئے، کیونکہ اس مسئلے میں بہت سے لوگوں نے لغزش کھائی اور

گمراہ ہوئے ہیں۔ زیر نظر حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کو صرف اسی کی طرف منسوب کرنا چاہیئے اور اسی ایک کی تعریف کرنی چاہیئے۔ اہل توحید کا یہی شیوہ ہے کہ وہ فقط اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔

اور اس مقام پر کفر کی حقیقت کو بھی سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا کفر ہے، اسی لئے بعض علماء نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے، اگرچہ کہنے والے کا عقیدہ ستاروں میں تاثیر کا نہ ہو، اس کو کفرانِ نعمت سے تعبیر کیا جائے گا کیونکہ نسبت غلط ہوگئی ہے۔

فیہ مسائل

☆ ان چار امور کا ذکر جو جاہلیت کی رسوم سے تعبیر ہیں۔ ☆ان چار اعمال میں سے بعض کا کفر ہونا۔ ☆بعض کفر ایسا بھی ہے جو انسان کو ملت اسلامی سے خارج نہیں کرتا۔ ☆انعام و اکرام کے نزول کی وجہ سے بعض اوقات انسان کا کافر ہونا۔ ☆اس مقام پر ایمان کی حقیقت کو سمجھنا۔ ☆اس مقام پر کفر کی حقیقت کو سمجھنا۔ ☆اس بات کو سمجھنا کہ فلاں ستارے کی تاثیر صحیح ثابت ہوئی۔ ☆ طالب علم کو بات ذہن نشین کرانے کے لئے اُستاد کا سوالیہ جملہ استعمال کرنا، جیسے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا تھا کہ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ یعنی کیا تمہیں معلوم ہے تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا؟ ☆بَین کرنے والی کو سخت ڈانٹ پلانا۔

باب

فی قولہٖ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللهِ

اللہ تعالیٰ کی محبت اسلام کی بنیاد ہے اسی محور کے گرد اسلام کی چکی گھومتی ہے۔ جس شخص کا اسلام مکمل ہوگا اس کی اللہ سے محبت بھی کامل ہوگی۔ اور جس کا اسلام ناقص ہوگا اس کی محبت بھی ناقص ہوگی۔ لہٰذا اسی مناسبت سے مصنف

رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی محبت کے متعلق باب قائم کیا ہے۔اوراس باب میں اسی موضوع پر بحث ہوگی۔ان شاءاللہ۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَھُمۡ کَحُبِّ اللّٰہِ

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مد مقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے محبت ہونی چاہیئے۔(سورۃ البقرۃ:١٦٥)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ مدارج السالکین میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:''جو شخص غیر اللہ سے ایسی والہانہ محبت رکھے جیسی کہ اللہ سے کی جاتی ہے تو گویا اُس نے اس غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر قرار دے لیا۔یہ معبود محبت میں ہوگا نہ کہ تخلیق اور ربوبیت میں کیونکہ لوگ ربوبیت اور تخلیق میں غیر اللہ کو معبود نہیں بناتے بلکہ محبت میں بناتے ہیں۔اس لئے کہ اکثر لوگوں نے غیر اللہ سے ایسی محبت قائم کر رکھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وتوقیر سے تجاوز کر گئے ہیں''۔

اس آیت کے معنی میں علماء کے دونوں قول نقل کیئے گئے ہیں: ا۔''جو لوگ مومن ہیں،ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت،ان کی مشرکین کی،اپنے معبودانِ باطل کی محبت اور عظمت سے کہیں زیادہ ہے''۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا مطلب مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:''ان پر فخر ومباہات کا اظہار کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کے برابر مانتے ہیں،ایمانداروں کی اللہ سے محبت،ان کافروں کی اپنے بتوں کی محبت سے کہیں زیادہ ہے''۔ پھر اس کے بعد ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ:''ان مشرکوں کے شریک اِن کے وہ معبودانِ باطل ہیں جن کی وہ اللہ کے ساتھ پرستش کرتے ہیں،وہ اُن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے ایماندار اللہ سے محبت رکھتے ہیں،لیکن ایمانداروں کی اللہ سے محبت بہر حال کفار کی،اپنے معبودوں کی محبت سے کہیں بڑھ کر ہے''۔

٢۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ مومنین کی اللہ تعالیٰ سے محبت زیادہ قوی ہے مشرکین کی اُس محبت سے جو وہ اپنے معبودانِ باطل سے کرتے ہیں کیونکہ مومنین کی محبت خالص اور صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اور مشرکین کی محبت کئی مقامات میں بٹی ہوئی ہے،ایک اللہ سے اور دوسری معبودانِ باطل سے۔خالص اور صرف اللہ سے محبت بہر صورت مشترکہ محبت سے قوی تر اور افضل ہے۔

مندرجہ بالا دونوں معنی آیت ''یُحِبُّوۡنَھُمۡ کَحُبِّ اللّٰہِ'' سے ماخوذ ہیں کیونکہ اس میں بھی وہ قول ہیں:

۱۔ پہلا یہ کہ مشرکین اپنے باطل معبودوں سے ایسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے لیکن اس محبت میں انہوں نے اپنے معبودوں کو شریک بنا رکھا تھا۔

۲۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ مشرک اپنے باطل معبودوں سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جیسے مومنین اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرما دی کہ مومنین کی اللہ تعالیٰ سے محبت اس سے کہیں زیادہ قوی اور پختہ ہے جو مشرکین کی اپنے باطل معبودوں سے ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت اس لئے فرمائی ہے کہ انہوں نے محبت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے باطل معبودوں کو شریک بنا رکھا ہے کیونکہ انہوں نے مومنین کی طرح خالص اللہ سے محبت نہیں کی۔مشرکین کی محبت میں اللہ اور معبودانِ باطل سے برابری کا ذکر مشرکین کے اپنے قول سے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کیونکہ مشرکین اور اُن کے باطل معبود جب اکٹھے دوزخ میں جمع ہوں گے تو مشرک اپنے معبودوں سے کہیں گے کہ: (ترجمہ) اللہ کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں مبتلا تھے جبکہ تم کو رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے''۔(الشعراء:۹۷ تا ۹۸)۔ یہ بات واضح اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مشرکین نے توحید ربوبیت اور خلق اشیاء میں اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر ہرگز نہیں سمجھا تھا بلکہ وہ صرف محبت اور عظمت میں برابری کے قائل تھے اور یہی برابری ہے جس کا قرآنِ کریم میں ذکر ہے کہ: (ترجمہ) ''سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے جس نے زمین اور آسمان بنائے، روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے دعوتِ حق کو ماننے سے انکار کر دیا ہے دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہرا رہے ہیں''۔یعنی مشرکین نے اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور عظمت میں شریک ٹھہرایا اور دونوں کو برابر کا درجہ دیا''۔

مشرکین مکہ شرک فی الالوہیت میں گرفتار تھے البتہ شرک فی الربوبیت سے کسی حد تک بچے ہوئے تھے لیکن افسوس کہ آج کا مشرک شرک فی الالوہیت میں تو گرفتار تھا ہی، اب شرک فی الربوبیت میں پھنسا ہوا نظر آتا ہے جیسا کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ فوت شدہ افراد کو دنیوی معاملات میں تصرف حاصل ہے۔العیاذ باللہ۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں سے کہہ دو ''اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا''۔(آل عمران:۳۱)۔اس آیت کریمہ کو

آیتِ محبت بھی کہتے ہیں۔یعنی سلف اُمت سے منقول ہے کہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔اس آیت کریمہ میں محبت کا معیار اور پھر محبت کے فوائد وثمرات کا بھی ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ سے محبت کی سب سے بڑی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ انسان رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کے طریق زندگی کو مشعل راہ بنالے۔اور پھر اس کا عظیم فائدہ یہ بیان فرمایا کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔پس جب انسان رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور پیروی نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی محبت بھی اس کو حاصل نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ: (ترجمہ) ''اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کردے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے''۔(المائدۃ:۵۴)۔اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے محبت کرنے والوں کی تین علامتیں بیان کی ہیں: ۱۔پہلی یہ کہ وہ آپس میں انتہائی شفیق اور رحم دِل ہوتے ہیں۔آپس میں ایک دوسرے سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔عطا رحمۃ اللہ علیہ مومن کی خصلت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا شخص مومنین کے لئے ایسا نرم ہوتا ہے جیسے بیٹا باپ کے سامنے یا غلام اپنے آقا کے سامنے، اور کافروں کے لئے ایسا سخت ہوتا ہے جیسے شیر اپنے شکار پر، قرآن کریم میں: ''اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ''۔

۲۔ دوسری علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے نفس، اپنے ہاتھ، اپنی زبان اور اپنے مال سے جہاد کرتے ہیں۔حقیقت میں یہی وہ علامت ہے جس سے اصل محبت کا پتہ چلتا ہے۔

۳۔ ان کی تیسری علامت یہ ہے کہ وہ شریعتِ اسلامیہ پر عمل پیرا ہونے اور اس کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں کسی کی ملامت اور مخالفت سے نہیں گھبراتے۔سچی محبت کی یہ سب سے بڑی علامت ہے۔

محبت کا دعویٰ کرنے والا اگر اپنے محبوب کی محبت میں کسی سے خوف اور ملامت کا ڈر یا خطرہ محسوس کرے تو وہ حقیقی محبّ کہلانے کا مستحق نہیں۔قرآن کریم میں ہے: (ترجمہ) ''جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کررہے ہیں کہ کون اس سے قریب تر ہوجائے اور وہ اُس کی رحمت کے اُمیدوار اور اُس کے عذاب سے خائف ہیں''۔(بنی اسرائیل:۵۷)۔اس آیت کریمہ میں اللہ

تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کے تین مقام بیان فرمائے گئے ہیں:

۱۔ اَلْحُبّ: محبت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ محبوب کا قرب کسی نہ کسی صورت میں حاصل ہو جائے۔

۲۔ التوَسّلُ: یعنی اعمالِ صالحہ کر کے محبوب تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ اَلرِّجَاء خوف: یہ دونوں وصف اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ کا وسیلہ اُم، رحمت اور خوفِ عذاب سے ایک زائد عمل ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ اُسی کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے محبت اور دِلی لگاؤ ہو۔ محبوب کا قرب اس کی ذات کی محبت کے تابع ہے۔ فی نفسہٖ محبوب کا قرب کوئی معنے نہیں رکھتا یہ محبوب تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ فرقہ جہمیہ اور معطلہ کے ہاں اِن سب اُمور کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ اللہ کسی کے قریب آتا ہے اور نہ اُس کے قریب کوئی جا سکتا ہے۔ اُس کی ذات سے نہ کوئی محبت کرتا ہے اور نہ وہ کسی سے محبت کرتا ہے۔ ان دونوں فرقوں نے: ☆ دلوں کی حیات اور زندگی کا انکار کیا۔ ☆ رُوح کی نعمتوں اور اُس کی آسائشوں کو ناقابل فہم سمجھا۔ ☆ نفوس کی تروتازگی سے انحراف کیا۔ ☆ آنکھوں کی ٹھنڈک سے محرومی کے قائل ہوئے۔ ☆ دنیا و آخرت کی اعلیٰ نعمتوں کی تردید کی۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے اُن کے دِل سخت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ اور ان کے درمیان معفرت اور محبت کے حصول کی راہ میں بہت سے پردے حائل کر دیئے گئے۔ اب صورتِ حال یہ ہو گئی ہے کہ: ☆ یہ لوگ نہ تو اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں، ☆ نہ محبت کے لئے قدم بڑھاتے ہیں۔ ☆ بلکہ وہ ان لوگوں کو سزائیں دیتے ہیں جو اللہ کے اسماء و صفات اور اس کی جلالتِ شان کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں اور ان پر ایسی بیماریوں کی تہمت لگاتے ہیں جن کے وہ خود زیادہ مستحق ہیں۔ ☆ اور صاحب بصیرت اور زندہ دِل لوگوں کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ ان کے کلام میں سختی اور ناخوشی اور نفرت محسوس کرتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت اور توحید سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''محبت کی اس سے زیادہ واضح تعریف اور کوئی نہیں ہو سکتی اور حدود (تعریفوں) سے اس کی ذات کی پوشیدگی اور بڑھ جاتی ہے اور اس کی تعریف خود اس کا اپنا وجود ہے اور محبت کی صفت اس سے زیادہ واضح اور کوئی نہیں کہ ''محبت محبت ہے'' اور لوگوں نے جو اس پر یہ گفتگو کی ہے تو وہ اس کے اسباب و موجبات اور علامات و شواہد اور ثمرات و احکام پر گفتگو کی ہے۔ محبت کی تعریف میں جو جامع

بات کہی گئی وہ وہ ہے جس کو ابوبکر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ نے جنید بغدادی سے نقل کیا ہے۔ ابوبکر الکتانی فرماتے ہیں کہ:
''ایک دفعہ موسم حج میں مختلف ممالک سے علما اور شیوخ مکہ مکرمہ میں جمع تھے کہ محبت الٰہی کا مسئلہ چھڑ گیا۔ اس اجتماع میں سب سے کم عمر جنید رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ علماء نے پوچھا کہ آپ کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے؟ جنید رحمۃ اللہ علیہ بڑے بڑے علمائے کرام کی یہ فرمائش سن کر دم بخود رہ گئے اور چند منٹ کیلئے سر جھکا دیا۔ پھر سر اُٹھایا تو آنکھوں سے آنسو بارش کی طرح بہہ رہے تھے اور زبان پر یہ الفاظ جاری تھے: (ترجمہ) ''بندہ اپنے آپ سے بے خود ہو، اپنے ربِّ کریم کے ذکر میں مصروف ہو، اس کے حقوق کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول ہو، دلی توجہ سے اس کی طرف نظر جمائے ہوئے ہو ربِّ کریم کے ڈر اور خوف کے نور نے اُس کے دل کو جلا دیا ہو۔ اور اللہ کی محبت کے پیالے سے خالص مشروب پیتا ہو اور اُس کے غیب کے پردوں سے اس کیلئے حیا واضح ہو جائے اگر وہ بولتا ہے تو اللہ سے، بات کرتا ہے تو اللہ کی، حرکت کرتا ہے تو اللہ کے حکم سے، سکون میں آتا ہے تو اللہ سے۔ پس یہ بندہ ناچیز اللہ کیلئے، اللہ کیساتھ اور اللہ ہی کی معیت میں ہے جنید رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے مندرجہ بالا کلام نکل رہا تھا اور تمام علمائے کرام پر سناٹا چھایا ہوا تھا اور سب علمائے کرام زار و قطار رو رہے تھے۔ جب جنید رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہوئے تو سب نے کہا کہ اے تاج العارفین! آپ نے اِس پر مزید گفتگو کی گنجائش نہیں چھوڑی، یہ کہا اور مجلس برخاست ہوگئی''۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ محبت الٰہی پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کی محبت دس اُمور سے پیدا ہوتی ہے: ۱۔ قرآن کریم کی اِس طرح تلاوت کرنا کہ ہر لفظ کے معانی، مفہوم اور اُس کے تقاضوں پر غور و فکر اور تدبر کیا جائے۔ ۲۔ فرضی نماز کے بعد نوافل کی کثرت، تاکہ اللہ کا قرب حاصل ہو سکے ۳۔ دِل زبان، عمل اور حال سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے جتنا ذکر کثرت سے ہوگا اتنی ہی محبت تیز ہوگی۔ ۴۔ جب انسان پر شہوات کا غلبہ ہو تو اُس وقت اللہ تعالیٰ کی محبوب اشیاء کو اپنی محبوب اشیاء پر فوقیت دے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کے مشاہدات پر غور و فکر اور مطالعہ کرنا اور اس معرفت کے باغوں اور میدانوں میں سیر کرنا۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی انعامات اور احسانات کا مشاہدہ کرنا۔ ۷۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دِل کو اِنتہائی اِنکساری کی حالت میں پیش کئے رکھنا۔ ۸۔ جب اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا میں نزول فرماتا ہے، اس وقت اپنے آپ کو بالکل یکسو اور علیحدہ رکھنا اور قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا، اور تلاوت ختم کرے تو توبہ اور استغفار پر اختتام کرنا۔ ۹۔ اللہ تعالیٰ کے سچے دوستوں کی مجالس میں بیٹھنا اور

ان کی اچھی گفتگو کے ثمرات سمیٹنا اور اس وقت گفتگو کرنا جب اس کی مصلحت راجح ہو اور تجھے معلوم ہو کہ اس سے تیرے حال میں اضافہ اور دوسروں کی بھلائی ہے۔ ۱۰۔ ان تمام اسباب و ذرائع سے اجتناب اور دُوری اِختیار کرنا جن کی وجہ سے اِنسان کے دِل اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بعد پیدا ہو۔

یہی وہ دس اسباب ہیں جن سے محبّین کا گروہ محبت کی منزلیں طے کر کے اپنے محبوب تک پہنچا ہے"۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (سورۃ التوبہ:۲۴)۔

اے نبی ﷺ: کہہ دو کہ اگر تمہارے ماں باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو اپنے اہل وعیال، اپنے مال و متاع، اپنے قبیلہ و قوم، اپنے تجارتی اثاثوں، اپنے گھر بار کو کلی یا جزوی لحاظ سے اللہ کے احکام سے زیادہ محبوب اور پسند کرتے ہیں یا ان میں سے کوئی چیز جہاد فی سبیل اللہ کرنے سے مانع ہو تو عذابِ الٰہی کی گرفت سے ڈرائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کو بعد میں کف افسوس ملنا پڑے۔ زیرِ بحث آیت کریمہ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: "اگر یہ اشیاء اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب اور پسند ہیں تو اُس کے عذاب کا انتظار کریں"۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: "جب تم بیع عینہ کرنے لگو اور بیلوں کی دُمیں پکڑ لو، کھیتی باڑی کو اپنا مقصد بنا لو اور جہاد جیسے عظیم الشان عمل کو چھوڑ بیٹھو تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت و رُسوائی مسلط کر دے گا اور یہ رُسوائی اُس وقت تک دور نہ ہو گی جب تک کہ تم دین حنیف کی طرف نہ لوٹ آؤ گے"۔ پس انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو اپنی پسندیدہ چیزوں پر ترجیح دے، جسے اللہ پسند کرتا ہے ان کو پسند کرے اور جو اُمور اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اُن کو ترک کر دے کسی سے دوستی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر اور دشمنی ہو تو فقط اُس کی رضا کے لئے اور اللہ کے پیغمبر ﷺ کی اتباع اور پیروی کرے کیونکہ اسی میں انسان کی فلاح اور کامیابی مضمر ہے۔

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَ النَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ۔(اخرجاه)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہوسکتا ہے۔ جب تک وہ مجھے اپنی اولاد اپنے ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔

ایمانِ کامل یہ ہے کہ انسان کو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے اپنی اولاد، اپنے ماں باپ، حتی کہ تمام دنیا سے زیادہ محبت ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کمال کا یہ درجہ اُس وقت تک حاصل ہونا ممکن نہیں جب تک کہ انسان کو رسول اللہ ﷺ سے محبت اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو۔ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی مجھے اپنی جان کے علاوہ تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب تک میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں اس وقت تک تم مومن نہیں ہو سکتے۔ عمر رضی اللہ عنہ بولے: اب آپ ﷺ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب ٹھیک ہے''۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ نفی کمال مراد ہے، اگر اس سے اُس کا مقصد کمالِ واجب مراد ہے جس کے ترک کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے اور اس کی سزا بھی سنا دی گئی ہے تو وہ صحیح کہتا ہے۔ اور جو شخص یہاں کمال مستحب سمجھتا ہے تو اس بات کی کوئی مثال نہیں ملتی نہ کلام اللہ میں، نہ کلامِ رسول اللہ ﷺ میں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جو شخص رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن آپ ﷺ کی اتباع نہیں کرتا اور دوسرے لوگوں کے اقوال کو آپ ﷺ کی حدیث پر ترجیح دیتا ہے تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور رسول ﷺ پر اور ہم نے اطاعت قبول کی مگر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ اطاعت سے

منہ موڑ جاتا ہے ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں''۔(النور:۴۷)۔ اس آیت میں اس شخص کے ایمان کی نفی کر دی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے منہ پھیر لیتا ہے۔البتہ ہر مسلمان جس قدر اسلام میں پختہ ہوگا اُسی قدر اُس کی محبت پختہ اور مضبوط ہوگی اور ہر مسلمان یقیناً مومن ہے البتہ ایمانِ مطلق خاص لوگوں کا حصہ ہے''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''جب کوئی شخص کفر کے بعد اسلام لائے یا مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا اور شریعت اسلامیہ کی پیروی، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرے تو وہ مسلمان ہوگا لیکن اس کا ایمان مجمل ہوگا۔البتہ اس کے دل میں ایمان آہستہ آہستہ اور بتدریج داخل ہوگا ورنہ لوگوں کی اکثریت یقین محکم اور جہاد کے سے عظیم عمل تک نہیں پہنچ پاتی۔اگر ایسے افراد کو ذرا سا شک اور شبہ کا موقع مل جائے تو وہ فوراً اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔اگر جہاد کی ترغیب دی جائے تو جان پیش کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے پاس یقین کی دولت کا فقدان ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ شک وشبہ سے بچ سکیں اور نہ اُن کے پاس اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کا جوہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال اور مال ومتاع کو ان کی خوشنودی میں لٹا دیں۔اگر ایسے افراد دنیا میں مصائب سے بچ کر زندگی گذار جائیں تو جنت میں داخل ہو گے اور اگر ایسے افراد کہیں آزمائش وابتلاء میں گھر جائیں، جس سے اُن کے شکوک وشبہات میں اضافہ ہونے کا اِمکان قوی ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اُن کو سیدھے راستے پر قائم رکھ سکتی ہے وگرنہ یہ لوگ ریب وشک کی گہری غار میں جا گریں ور ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ نفاق کی دلدل میں پھنس جائیں''۔

زیر بحث حدیث سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ ایمان کا جزوِ لاینفک ہیں کیونکہ محبت دل کا عمل ہے اور دُوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع اور اس کا لازمی حصہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے محبت بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر اور اُس کے حکم کے مطابق کی جاتی ہے ایک مومن صادق کے دل میں جس قدر محبت الٰہی کی کثرت ہوگی اسی لحاظ سے رسول اللہ ﷺ سے محبت بھی زیادہ ہوگی اور اِسی مناسبت سے کمی بھی واقع ہوگی کیونکہ جو شخص کسی سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہے تو اس کی محبت حقیقتاً اللہ ہی سے ہوتی ہے جیسا کہ ایمان عمل صالح سے محبت کرنا، حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے ایسی محبت میں شرک کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ بذاتہٖ نہ تو اس پر اعتماد ہوتی ہے نہ کسی مرغوب چیز کے حصول کی اُمید یا کسی تکلیف دہ چیز کا دفاع اور جو ایسی محبت ہو وہ حقیقت میں اللہ سے محبت ہوتی ہے، اس لئے کہ اس

میں نہ تو غیر اللہ سے تعلق ہے اور نہ اللہ کے سوا کسی سے رغبت ہے۔ یہاں اس محبت میں جو اللہ کے لئے ہو اور اس محبت میں جو مشرکین اپنے باطل معبودوں سے کرتے ہیں، ایک نمایاں فرق اور امتیاز موجود ہے کیونکہ مشرکوں کے دِلوں میں اُن کی اُلوہیت کا عنصر غالب ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کہیں جائز نہیں ہے۔

ولهما عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ أَنْ يَّكُوْنَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِواهُمَا وَ أَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ إِلَّا لِلّٰهِ وَ أَنْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ

صحیح بخاری و مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین صفات ایسی ہیں وہ جس شخص میں بھی ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس اپنے اندر ضرور محسوس کرے گا۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب سمجھے۔ دوسری یہ کہ کسی شخص سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرے۔ تیسری یہ کہ کفر میں جانا اس قدر پسند کرے جس طرح کہ آگ میں گرنا پسند کرتا ہے۔ بعد اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکالا۔

حلاوت سے وہ دِلی کیفیت مراد ہے جو کسی نعمت اور خوشی کے موقع پر دِل پر طاری ہوتی ہے اور یہ ذوق مومن اپنے قلوب میں ہمہ وقت محسوس کرتے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ التوشیح میں لکھتے ہیں: ”زیر بحث حدیث میں استعارہ تخیلیہ ہے جس میں ایک مومن کی رغبت کو میٹھی شے سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس کا لازم ذکر کر کے اِس کے ایمان کی طرف مضاف کیا ہے“۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”اطاعت الٰہی کے وقت، مصائب جھیلتے وقت، دُنیوی اغراض کو پس پشت ڈالتے وقت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کر کے اور اُس کی مخالفت سے رُکتے وقت، جو کیفیت اور سُرور ایک مومن کے دِل میں اُبھرتا ہے، اُس ذوق کو حلاوتِ ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کی حقیقت یہ ہے کہ انعام و اکرام کے وقت اس میں زیادتی نہ ہو اور مصائب و مشکلات اور امتحان کے وقت اس میں کمی نہ ہو“۔

رہی وہ محبت وطبعًا اور فطرتًا ایک انسان اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں سے کرتا ہے، یہ محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر نہ ہو بلکہ کمتر ہو۔ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”یہاں طبعی اور فطری محبت مراد نہیں ہے بلکہ وہ محبت مراد ہے جو اختیاری ہو“۔ لیکن محبت شرکیہ جس کا سابقہ صفحات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ

اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کے منافی ہے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہر لحاظ سے غلط اور کتاب وسنت کے صریح احکام کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کے سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اپنے پورے دل سے اللہ سے محبت کرو''۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کی مندرجہ ذیل چند نمایاں خصوصیات ہیں ☆ جسے اللہ پسند کرے، انسان بھی اس کو پسند کرے۔ ☆ جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو وہ انسان کو بھی ناپسند ہو۔ ☆ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اشیاء کو تمام چیزوں پر ترجیح دے۔ ☆ جس قدر ممکن ہو سکے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہو۔ ☆ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ حدود سے دُور رہے اور ان کو انتہائی حقیر و ذلیل سمجھے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور فرمانبرداری کرے۔ ☆ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کے منع کردہ اُمور سے کنارہ کش اور دُور رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک اُس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی''۔

اس آیت کی مکمل اور چلتی پھرتی تصویر نظر آئے۔ پس جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر دوسرے افراد کے قول کو ترجیح دے اور رسول اکرم ﷺ نے جن اُمور سے روکا ہے اُن کی کھلم کھلا مخالفت کرے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ اپنی محبت میں جھوٹا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی محبت، دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اور اُس سے محبت کا دعویٰ کرے تو لازم ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور ان سے محبت کا اظہار بھی کرے، اور جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ اپنی محبت میں جھوٹا ہے جیسا کہ سابقہ صفحات میں ''آیت جنت'' وغیرہ میں واضح ہو چکا ہے۔ واللہ المستعان۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ جو خوش نصیب ان تمام صفاتِ کاملہ سے متصف ہو گا وہی ایمان کی حلاوت اور لذت سے بہرہ اندوز ہو گا کیونکہ کسی چیز کی مٹھاس اور لذت کا پایا جانا اُس کی محبت کا بین ثبوت ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو چاہتا اور اس کے حصول کے لئے تگ و دو کرنے کے بعد اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کامیابی پر اسے ایک قسم کی لذت، سرور اور خوشی محسوس ہوتی ہے اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اپنی محبوب چیز کو حاصل کرنے کے بعد ہی مسرت وبہجت اور لذت حاصل ہوتی ہے''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''حلاوتِ ایمانی جو فرحت

ومسرت اور لذت کو متضمن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کامل محبت کے بعد حاصل ہوتی ہے اور کامل محبت تین اُمور کے پائے جانے کے میسر آتی ہے: ۱۔محبت میں کمال۔ ۲۔محبت میں خلوص۔ ۳۔اور محبت کے منافی اُمور سے دوری۔☆ تکمیل محبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوں۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کا پایا جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ ان کی محبت ہر چیز پر غالب ہو۔☆ تفریغ محبت یہ ہے کہ انسان جس سے بھی محبت کرے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ شارح کہتے ہیں کہ اللہ کی محبت، اس کی اطاعت کی محبت کو مستلزم ہے، بندے کے لئے ضروری ہے کہ اُس کی اطاعت کا دم بھرے اور محبّ کا فرض ہے کہ جس چیز سے محبوب محبت کرے، اُس سے وہ بھی محبت کرے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کو یہ بھی مستلزم ہے کہ جو لوگ اُس کے اطاعت گزار ہیں، اُن سے بھی محبت رکھے۔ مثلاً انبیاء، رُسل، صالحین اور اس کے نیک بندوں کو مرکز الفت قرار دینا جس سے اللہ محبت کرے اور جو اللہ سے محبت کرے، اس سے تعلقاتِ محبت استوار کرنا، کمالِ ایمان میں سے ہے، جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے، جو آئندہ درج کی جا رہی ہے۔☆ دفع ضد کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے مقتضیات کے خلاف جتنی اشیاء ہیں سب کو ناپسند سمجھے جیسے آگ میں گرنے کو ناپسند کرتا ہے۔

زیر بحث حدیث میں اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہے جن کا گمان یہ ہے کہ انسان سے گناہ کا صادر ہونا اسکے حق میں موجب نقص ہوتا ہے اگرچہ وہ توبہ بھی کرلے۔ اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر گنہگار توبہ نہ کرے تو اس کے ایمان میں نقص واقع ہو جاتا ہے اور اگر فوراً توبہ کرلے تو نقص واقع نہیں ہوتا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اُمت کا اجماع ہے کہ وہ اِس اُمت محمدیہ ﷺ میں سب سے افضل تھے باوجود اِس بات کے کہ وہ قبل از اسلام کافر اور مشرک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کے نور سے منور فرما دیا۔ ہجرت اور اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ گذشتہ تمام اعمالِ سیئہ کو حرفِ غلط کی مٹا دیتے ہیں جیسا کہ صحیح روایات اس کی تصدیق کرتی ہیں۔

وفی روایة لَا یَجِدُ اَحَدٌ حَلَاوَةَ الْاِیْمَانَ حَتّٰی یُحِبُّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ کوئی شخص ایمان کی مٹھاس اس وقت تک محسوس نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت نہ کرے۔

یہ روایت صحیح بخاری کتابُ الادب میں مذکور ہے، پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: (ترجمہ) ''کوئی شخص

ایمان کی مٹھاس اس وقت تک محسوس نہیں کرسکتا جب تک کہ کسی آدمی سے صرف اللہ کے لئے محبت نہ کرے اور یہ کہ کفر میں لوٹنا اُس کو اِتنا ہی برا اور ناگوار ہو جیسے آگ میں گرنا اور یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ سے تمام کائنات سے زیادہ محبت ہو''۔

محبت کے متعلق پوری تفصیل گزر چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت مومن کی اُس قلبی کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے اُس پر طاری ہوتی ہے۔ایک شاعر کہتا ہے: ''میں تیری عظمت سے خوفزدہ ہوں اور تجھے مجھ پر کوئی قدرت بھی نہیں لیکن محبوب کا بھرپور نگاہ سے دیکھنا ہی کافی ہے''۔

وعن ابن عباس قَالَ مَنْ أَحَبَّ فِي اللهِ وَ أَبْغَضَ فِي اللهِ وَ وَالٰى فِي اللهِ وَ عَادٰى فِي اللهِ فَإِنَّمَا تَنَالُ وَلَايَةَ اللهِ بِذٰلِكَ وَ لَنْ يَّجِدَ عَبْدٌ طَعْمَ الْإِيْمَانِ وَ إِنْ كَثُرَتْ صَلٰوتُهٗ وَ صَوْمُهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ كَذٰلِكَ وَ قَدْ صَارَتْ عَامَّةُ مُوَاخَاةِ النَّاسِ عَلٰى أَمْرِ الدُّنْيَا وَ ذٰلِكَ لَا يُجْدِ عَلٰى أَهْلِهٖ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، ان کا کہنا ہے کہ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے کسی سے بغض وعناد رکھے، اللہ تعالیٰ کے لئے دوستی رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے عداوت رکھے تو ایسا شخص ہی اللہ تعالیٰ کی دوستی حاصل کر سکے گا۔اور کوئی شخص ان اُمور کے بغیر اِیمان کی مٹھاس حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ وہ بہ کثرت نمازیں ادا کرے اور روزے رکھے۔آج کل عام لوگوں کی محبت صرف دنیاوی معاملات پر موقوف ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ سودمند ثابت نہ ہوگی۔(رواہ ابن جریر)۔

یعنی اہل ایمان سے اس لئے محبت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔اور جو لوگ کفر وشرک میں مبتلا ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری اور اطاعت سے منحرف ہیں، ایسے لوگوں سے نفرت وبغض اور دشمنی صرف اس لئے رکھے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب ہیں۔اگرچہ یہ لوگ اِنتہائی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنھوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے''۔(المجادلہ:۲۲)۔

خالص اللہ تعالیٰ کے لئے دوستی اور عداوت، اللہ کی محبت کے یہ دو بنیادی وصف ہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا وہ اگر کسی دوسرے سے محبت اور دوستی کرے گا، جیسے اولیاء اللہ سے دوستی اور اُن کی مدد

اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں سے عداوت اور اُن سے جہاد، تو یہ بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوگا۔ جس قدر اللہ تعالیٰ کی محبت دِل میں قوی اور مضبوط ہوگی، اُسی قدر یہ اعمال بھی ظہور پذیر ہوں گے اور اسی محبت کے کمال سے توحید کی تکمیل ہوگی اور اس کی کمزوری سے اس میں کمزوری واقع ہوگی، پس اس میدان میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں: ☆ بعض کی محبت کامل ترین۔ ☆ بعض کی محبت کمزور اور ضعیف۔ ☆ اور بعض بدقسمت وجودِ محبت سے بالکل کورے۔

اخوت، محبت اور نصرت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور بالکسر اَمارت کے معنی میں، اور یہاں پہلی صورت مراد ہے۔ مسند احمد اور طبرانی میں ایک روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: (ترجمہ) ''انسان واضح طور سے ایمان کی روشنی محسوس نہیں کر سکتا جب تک وہ اللہ کی رضا کے لئے محبت نہ کرے اور اس کی رضا کے لئے دشمنی نہ رکھے، اور جب دوستی اور دشمنی اللہ ہی کے لئے کرے گا تو پھر اللہ کی محبت اور ولایت کا حقدار ہو جائے گا''۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''ایمان کی مضبوط ترین کڑی یہ ہے کہ انسان کی دوستی اور دشمنی صرف اللہ ہی کے لئے ہو''۔ (رواہ الطبرانی)۔

صوم وصلوٰۃ کی کثرت کے باوجود بھی اس کو ایمان کی لذت اور اس کی مٹھاس حاصل نہیں ہو سکے گی جب تک کہ وہ اپنے اندر محض اللہ تعالیٰ کے لئے دوسروں سے محبت، عداوت، دوستی اور دشمنی کی صفات پیدا نہ کرے جیسا کہ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ترجمہ) ''جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت کرتا ہے، اس کے لئے بغض رکھتا ہے، اسی کے لئے خیرات دیتا اور اسی کے لئے روکتا ہے، اس کا ایمان مکمل ہو گیا''۔

دنیوی غرض سے ایک دوسرے سے میل ملاپ بجائے فائدہ کے الٹا نقصان دے ہوتا ہے، اس کی وضاحت قرآن کریم میں موجود ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''وہ دن جب آئے گا تو متقین کو چھوڑ کر باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے''۔

دنیوی اغراض کی بنا پر ایک دوسرے سے لین دین اور دوستی ایک فتنہ ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دَور میں، جو بالاتفاق خیر القرون کہلاتا ہے، یہ بات مصیبت کا باعث بن گئی تھی اور آج تک اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اور اب تو نوبت بایں جا رسید کہ شرک وبدعت، فسق وفجور اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنیاد پر دوستیاں قائم کی جا رہی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا مندرجہ ذیل ارشاد حرف بحرف صادق آ رہا ہے کہ: ''اسلام اپنے ابتدائی دَور

میں اوپرا اور اجنبی کی حیثیت میں تھا اور اس پر وہی اجنبیت کا دَور پھر لوٹ آئے گا‘‘۔(مسلم، ابن ماجہ، ترمذی)

مہاجرین وانصار، تمام صحابہء رسول رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خیر القرون میں سب کی یہ حالت تھی کہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے اپنی خاص اور اشد ضرورت کے باوجود دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔اس کا نقشہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ(ترجمہ) ’’اور اپنی ذات پر دُوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں‘‘۔(الحشر:۹)۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس وصف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں ہم سب لوگ اپنے درہم ودینار کے بارے میں اپنے آپ سے اپنے دُوسرے مسلمان بھائیوں کو زیادہ حقدار سمجھتے تھے‘‘(ابن ماجہ)۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ قَالَ الْمَوَدَّةُ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کہ’’اور ان کے اسباب وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا‘‘۔کی یہ تفسیر کی ہے کہ اسباب کے معنیٰ دوستی اور تعلقات ہیں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کو عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے بھی نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔معنی یہ کہ دُنیاوی محبت اور دوستی قیامت کے دن ان کو کوئی فائدہ نہ دے سکے گی جبکہ میدانِ محشر میں اُن کو اس دوستی کی اشد ضرورت ہوگی۔ بلکہ وہاں تو ایک دُوسرے سے بیزاری اور قطع تعلق کا اظہار کریں گے۔ان کی اس حالت کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ:(ترجمہ)’’اور اس نے کہا تم نے دُنیا کی زندگی میں تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنالیا ہے مگر قیامت کے روز تم ایک دوسرے کا انکار اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور آگ تمہارا ٹھکانہ ہوگی اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا‘‘۔(العنکبوت:۲۵)۔قرآنِ کریم کی آیت:**اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ** کی تشریح میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:’’پیشوا ہدایت یافتہ اور سیدھے راستے پر تھے اور ان کی اتباع اور پیروی کرنے والوں نے دعویٰ تو یہ کیا کہ ان کے نقشِ قدم پر چلتے اور ان کی پیروی کرتے ہیں لیکن صورتِ حال اس کے بالکل برعکس تھی۔ یہ رات دن اِن کی مخالفت کرتے اور بدعملی کا شکار رہے اور صرف زبانی محبت اور دوستی کو یہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے ہمیں فائدہ ہوگا۔ قیامت کے روز اِن ہی بدعملوں سے وہ لوگ اپنی برات اور لاتعلقی کا علی الاعلان اظہار کریں گے کیونکہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی محبت کا دعویٰ کیا تھا۔یہی

صورتِ حال ہر اُس شخص سے پیش آئے گی جو غیر اللہ کو اپنا ولی اور دوست بنا تا ہے، غیر اللہ کی وجہ سے دشمنی اور دوستی کرتا ہے۔ بغض و عناد کا معیار بھی غیر اللہ کی محبت ہوتا ہے۔ اس قسم کے تمام اعمال باطل ہیں اور قیامت کے دن یہی اعمال حسرت اور مایوسی کا ذریعہ ثابت ہوں گے کیونکہ اس بدنصیب شخص نے بڑی ہی محبت اور کدوکاوش سے اور تکلیفیں اٹھا کر یہ اعمال انجام دیئے تھے لیکن وہ اپنی دوستی اور دشمنی، محبت و عداوت اور دوسروں کی امداد و اعانت غیر اللہ کے لئے کرتا رہا، اور اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور اطاعت کو پس پشت ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام اعمال کو لغو اور باطل قرار دے دیا اور تمام اسباب جو غیر اللہ کی رضا کے لئے تھے سب توڑ دیئے گئے۔ پس ہر وہ ذرائع اور اسباب و وسائل جو غیر اللہ کی بنیاد پر ہوں گے منقطع ہو جائیں گے اور صرف ایک ہی سبب باقی اور قائم رہے گا جو صرف اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہوگا اور وہ یہ ہے کہ انسان تمام منہیات (منع کردہ اُمور) کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور اِتباع اپنے اوپر لازم قرار دے لے اور تمام قسم کی عبادات کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے سرانجام دے، جیسے محبت اور عداوت، دوستی، دشمنی اور صدقات و خیرات، کسی سے قرب و بُعد حتی کہ اگر کسی کو کچھ نہ دے تو وہ بھی اللہ کی رضا کے لئے ہو اور تمام چھوٹے اور بڑے لوگوں کی اتباع اور پیروی کو چھوڑ کر صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور پیروی اختیار کرے اور کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے چہ جائیکہ کسی کو مقامِ نبوت میں ان کا شریک بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر کبھی بھی کسی دوسرے شخص کے قول کو ترجیح نہ دے، یہ وہ سبب ہے جو کبھی بھی منقطع نہ ہوگا۔ اللہ اور بندے کے درمیان یہی وہ نسبت ہے جسے کوئی منقطع نہیں کرسکتا۔ عبدیت کا یہی وہ مقام ہے جو اللہ کو انتہائی پسند اور محبوب ہے اور وہ ہے خالص عبودیت کی نسبت اور یہی اس کی خوراک کی جگہ ہے۔ وہ اسی کے اِردگرد گھومتا ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے اور یہ نسبت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ انسان رسول اللہ ﷺ کی من کل الوجوہ پیروی، اتباع اور فرمانبرداری نہ کرے کیونکہ عبدیت کا یہ مقام انبیائے کرام کے واسطے سے لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اور اس کی پہچان اور معرفت بھی انبیاء کی زبان سے ہوئی۔ لہٰذا اِس عبدیت کے اعلیٰ اور ارفع مقام تک رسائی بھی انبیائے کرم کی اِتباع کے بغیر ممکن نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''اور جو کچھ بھی اُن کا کیا دھرا ہے اُسے لے کر ہم غبار کی طرح اڑا دیں گے''۔ (الفرقان: ۲۳)۔ یہ اُن اعمال کے بارے میں فرمایا گیا ہے جو خلافِ سنت کئے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہ تھے۔ ہر ایسے عمل کو، خواہ وہ پہاڑ سے بھی بڑا اور وزنی

ہو، اس کو اللہ تعالیٰ ذروعس کی طرح ہوا میں اُڑا دے گا اور صاحبِ عمل کو اس کا قطعاً کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ قیامت کے روز تمام حسرتوں اور ناکامیوں میں سب سے بڑی حسرت یہ ہوگی کہ انسان اپنی پوری پونجی، کامل محنت اور کدوکاوش سے کمائی ہوئی دولت کو ضائع اور برباد دیکھے خصوصاً جب وہ یہ دیکھے گا کہ کوشش کرنے والے اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے''۔

فیہ مسائل

☆ اپنے اہل وعیال، مال ودولت، حتی کہ اپنی جان سے بھی رسول اللہ ﷺ سے محبت کا وجوب۔ ☆ کسی وقت ایمان کی نفی کی جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ ☆ ایمان کی حلاوت ضرور ہے لیکن کبھی انسان محسوس کرتا ہے۔ اور کبھی نہیں کرتا۔ ☆ یہ چار اعمال قلب ایسے ہیں جن کے بغیر انسان اللہ کی محبت حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ہی ان کے بغیر ایمان کا ذائقہ چکھ سکتا ہے۔ ☆ صحابہ کرام کا یہ محسوس کرنا کہ لوگوں کا زیادہ تر میل ملاپ صرف دنیا کی خاطر ہے۔ ☆ بعض مشرک بھی ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ ☆ مندرجہ آٹھ اشیاء جس کو دین سے زیادہ پیاری ہوں اس کو سخت وعید اور سزا سنانا۔ ☆ کسی شخص کا اپنے باطل معبود سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر محبت رکھنا ہی شرکِ اکبر کہلاتا ہے۔

بابُ

قوله الله تعالیٰ اِنَّمَا ذَالِکُمُ الشَّیْطَانُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَاءَ ہٗ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

شریعت اِسلامیہ میں خوف الٰہی کو افضل واہم ترین مقام حاصل ہے اور عبادات میں اس کو مرکزیت حاصل ہے لہٰذا خوف وخشیت صرف اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیئے اس باب میں اسی پر سیر حاصل بحث ہوگی۔ ان شاء اللہ

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ أَوْلِیَاءَ ہٗ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحبِ ایمان ہو۔ **(آل عمران:۱۷۵)**

شریعت اسلامیہ میں خوفِ الٰہی کو افضل و اہم ترین مقام حاصل ہے اور عبادات میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے خوف وخشیت، صرف اللہ سے ہونی چاہیے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیاتِ بنیات سے واضح ہے: (ترجمہ) ''اور وہ اس کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں''۔ **(الانبیاء:۲۸)**۔ ''اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں''۔ **(النحل: ۵۰)**۔ ''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو باغ ہیں''۔ **(الرحمٰن:۴۶)**۔ ''سو تم خاص مجھ ہی سے ڈرتے رہو''۔ **(النحل:۵۱)**۔ (اے گروہِ یہود!) ''تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو''۔ **(المائدہ:۴۴)**۔ اس موضوع پر بے شمار آیاتِ قرآن موجود ہیں۔

خوف کی تین قسمیں ممکن ہیں۔

اول......سری اور پوشیدہ خوف: وہ یہ کہ انسان غیر اللہ مثلاً وثن اور طاغوت وغیرہ کے شر سے خوف کھائے جیسا کہ قوم ہود نے جناب ہود علیہ السلام سے کہا تھا۔ کہ (ترجمہ) ''ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے۔ ہودؑ نے کہا۔ ''میں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو تم نے خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا ہے، اس سے میں بے زار ہوں۔ تم سب کے سب مل کر میرے خلاف اپنی کرنی میں کسر نہ اٹھا رکھو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو''۔ **(ھود:۵۴۔۵۵)**۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا: (ترجمہ) ''یہ لوگ اس کے سوا دوسروں سے تم کو ڈراتے ہیں۔ **(الزمر:۳۶)**۔

خوف کی یہی وہ صورت ہے جو قبر پرستوں اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں میں پائی جاتی ہے قبر پرست خود بھی ان سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔ اہلِ توحید کو بھی جب کہ وہ ان کی عبادت سے انکار کرتے ہیں اور خالص اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں تو یہ ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خوف کی یہ قسم توحیدِ خالص کے سَراسَر منافی ہے۔

الثانی نمبر۲......خوف کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان بعض لوگوں سے ڈر کر ایسے امور کو چھوڑ دے جن پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہے...... یہ خوف قطعی طور سے حرام ہے خوف کی یہ صورت وہ شرک ہے جو کمالِ توحید کے منافی ہے...... زیر نظر آیت کریمہ کے نازل ہونے کا سبب بھی یہی خوف تھا۔ قرآنِ کریم نے اس خوف کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: (ترجمہ) ''اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں

ان سے ڈرو‘‘۔تو یہ سن کران کا ایمان اور بڑھ گیا اورانہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔آخر کاروہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے ان کو کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچا اوراللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہوگیا۔اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔اب تمہیں معلوم ہوگیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جواپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرار ہا تھا۔لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا۔مجھ سے ڈرنا اگرتم حقیقت میں صاحبِ ایمان ہو‘‘۔**(آل عمران:۱۷۳۔۱۷۴۔۱۷۵)**

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روزاپنے بندے سے سوال کرے گا:’’جب تم نے برائی کو دیکھا تواسے بدلنے کی کوشش کیوں نہ کی؟ بندہ جواب دے گا،اے میرے رب،لوگوں کے ڈر کی وجہ سے۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں ہی اس کا مستحق تھا کہ تو مجھ سے ہی ڈرتا‘‘۔

ثالث نمبر۳............الخوف الطبعي: اس کی صورت یہ ہے کہ انسان کسی زبردست دشمن یا کسی جنگلی درندے وغیرہ سے وقتی طور پرخوف کھا جائے۔خوف کی یہ قسم مذموم نہیں ہے۔جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:(ترجمہ)’’وہ ڈرے اورسہمے ہوئے نکل کھڑے ہوئے‘‘۔**(القصص:۲۱)**

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَاءَهٗ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان تم کواپنے دوستوں سے خوف زدہ کرتا ہےاور **فَلاَ تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ** میں اللہ کی طرف سے مومنوں کے لئے غیراللہ سے خوف زدہ ہونے کی نہی فرمائی گئی ہے۔امیں درحقیقت یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے لئے خوف وخطر کے حدود کوصرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس تک محدودرکھیں اوراپنی ذات پرفقط اسی سے ڈرنے کی کیفیت طاری رکھیں۔یہی وہ اخلاص ہے جس کودلوں میں جاگزین کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کوحکم دیا ہےاوراسی کو پسند فرمایا ہے جب وہ خوف و خطراوراپنی تمام عبادات اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کردیں گےتو وہ ان کو ایسی چیزوں سے بہرہ ورکردے گا جوان کی توقعات کے دائرہ سے بالکل باہرہوں گی اوران کو دنیا وآخرت کے خطرات سے قطعی طور پرمحفوظ رکھے گا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: **اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ**.(کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:’’اللہ تعالیٰ کے دشمن کا سب سے بڑا فریب یہ ہے کہ وہ مومنوں کو اپنے لاؤلشکر سے ڈرانے اورمرعوب کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے تا کہ وہ جہاد جیسے عظیم الشان عمل سے رک جائیں،امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسے رفیع الشان وظیفہ حیات سے اپنی زبانوں کو بند رکھیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زیر بحث آیت کریمہ میں یہ بات واضح فرمائی ہے کہ یہ شیطانی فریب ہے۔ایسا نہ ہو کہ تم اس کے

جال میں آ جاؤ۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ تمام مفسرین کے نزدیک اس آیت کا یہی معنی ہے کہ شیطان اپنے ساتھیوں سے مسلمانوں کو ڈراتا اور دھمکاتا ہے''۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آیت کا معنی یہ ہے کہ: ''مسلمانوں کے دلوں میں ابلیس اپنے لشکر کے بہت عظیم اور بھاری ہونے کا وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ اگر انسان کا ایمان قوی اور مضبوط ہوگا تو یہ خوف اس کے دل میں پیدا نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی کمزور ایمان والا شخص ہے تو ڈر جائے گا''۔

پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور خوف کھانا کامل ایمان کی شروط میں سب سے بڑی شرط ہے۔

قول اللہ تعالیٰ **اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَی الزَّکٰوةَ وَ لَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ (التوبۃ:۱۸)**

اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ان ہی سے توقع ہے کہ یہ سیدھی راہ پر چلیں گے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ تعمیر مساجد میں وہی لوگ حصہ لیتے ہیں جن کے دلوں میں ایمان کی دولت ودیعت کی گئی ہے اور ان کا آخرت پر یقین کامل ہے۔ ان کا ایمان دل کے ہر گوشے میں پیوست ہوتا ہے، وہ ظاہری اعضا سے اعمالِ صالحہ انجام دیتے ہیں اور کسی طاغوتی قوت سے نہیں ڈرتے۔ ان ہی صفات کے حامل لوگوں سے تعمیر مساجد کا عمل معرضِ ظہور میں آتا ہے اور مشرک اس عمل سے دور بھاگتے ہیں تعمیر مساجد میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، اور اعمالِ صالحہ کی روح کارفرما ہوتی ہے۔ اگر کبھی مشرکین کے ہاتھوں سے ایسا عمل ظاہر ہو جائے تو اس کی حیثیت ایسے ہوتی ہے جیسے: (ترجمہ) ''دشتِ بے آب میں سراب کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوئے تھا مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا''۔ **(النور:۳۹)** یا ان کے اعمال کی مثال: (ترجمہ) ''اس راکھ کی سی ہے جسے ایک طوفانی دن کی آندھی نے اڑا دیا ہو۔ **(ابراھیم:۱۸)**

جن بدنصیب لوگوں کے اعمال کی حیثیت بطور نتیجہ کے یہ ہو، اس سے تو بہتر یہ ہے کہ عمل کیا ہی نہ جائے۔ پس تعمیر مساجد جیسا عظیم الشان عمل جس کا تعلق توحید خالص اور عملِ صالح سے ہے اور شرک و بدعت کی ملاوٹ سے یہ عمل بالکل پاک وصاف ہے، وہ ایمان مطلق میں داخل ہے۔ اہل سنت والجماعۃ کا یہی عقیدہ

ہے۔

ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تعظیم غیر اللہ، عبادتِ غیر اللہ اور اطاعت غیر اللہ، سے ڈرنا مراد ہے کیونکہ انسان فطرتاً دنیوی خطرات سے ڈر جاتا ہے۔ پس اسے چاہیے کہ وہ تمام امور میں قضا وقدر اور اس کے تصرفات سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے''۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''خوف دل کی عبادت ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص رہنی چاہیئے۔ وہ اعمال جن کا تعلق صرف دل سے ہے، درج ذیل ہیں: عاجزی، رجوع، محبت، توکل اور امید''۔

قولہٗ فَعَسٰٓى أُولٰٓئِكَ أَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ابن ابی طلحہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا ترجمہ یوں نقل کرتے ہیں کہ: ''یہی لوگ ہدایت پر ہیں''۔ قرآن میں جہاں بھی عسیٰ کا لفظ آیا ہے اس کا واقع ہونا لازمی ہے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں آتا جاتا رہتا ہے تو اس کے ایمان دار ہونے کی شہادت دو''۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت کو مانیں۔ **(رورہ احمد، والترمذی، والحاکم، عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ)**

قولہٗ اللہ تعالیٰ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ**

لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، مگر جب وہ اللہ کے معاملہ میں ستایا گیا تو اس نے لوگوں کی ڈالی ہوئی آزمائش کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح سمجھ لیا۔ **(العنکبوت:۱۰)**

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس جھٹلانے والی قوم کی صفات بیان کی ہیں جو صرف زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن ان کے دل ایمان کی دولت سے بالکل خالی ہیں۔ دنیا میں جب ایسے لوگ مصائب ومشکلات اور محنت ومشقت میں پڑ جاتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ مُرتد ہو جاتے ہیں''۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کا ترجمہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ: ''ایسے افراد کو جب معمولی سی محنت و مشقت سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو وہ ارتداد کے فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں''۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ کریم نے جب سے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ شروع کیا ہے اس

وقت سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک کے پورے دور میں عام لوگ دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک وہ جنھوں نے انبیاءؑ کی دعوت کو قبول کر لیا۔ دوسرے وہ جنھوں نے انبیاء کی دعوت کا انکار کر دیا اور کفر و شرک اور گناہوں پر اصرار کرتے رہے۔ جن لوگوں نے انبیاء کی دعوت پر لبیک کہا، اللہ تعالیٰ نے ان کا زبردست امتحان لیا، ان کو مختلف مصائب و مشکلات سے گذرنا پڑا اور ان کو خاص طور پر فتنوں اور آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا تاکہ سچے اور جھوٹے میں امتیاز پیدا ہو جائے۔ جو شخص اللہ پر ایمان نہیں لاتا، اس کے متعلق یہ قطعاً خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اللہ کو عاجز کر سکتا ہے یا اس سے سبقت لے جا سکتا ہے۔ البتہ جو شخص پیغمبروں پر ایمان لے آیا اور ان کی اطاعت کا دم بھرا تو اس کے دشمن اس سے اظہار عداوت کریں گے۔ اس کو اذیتیں پہنچائیں گے اور اس قسم کے ابتلا میں ڈالیں گے جو اس کے لئے تکلیف کا باعث بنے۔ جو شخص اللہ کے رسولوں پر ایمان نہیں لاتا اور ان کی اطاعت نہیں کرتا، اس کو دنیا اور آخرت میں سزا دی جائے گی اور ایسی چیزیں اس کے لئے پیدا کی جائیں گی جو اس کو اذیت پہنچانے کا باعث بن سکتی ہوں۔ اتباعِ الٰہی سے گریز کرنے والوں کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ اتباع کو بہت بڑے الم اور عظیم اذیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر یہ اہم ان کے لئے عظیم تر اور ہمیشہ رہنے والا ہوگا اور ان کی اتباع کی فرضی الم انگیزیوں سے اس کی اذیت کا دائرہ زیادہ وسیع ہوگا۔ پس جن لوگوں نے انبیاء کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری میں زندگی گذارنے لگے تو مخالفین نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں اور ان سے انتہائی وحشیانہ سلوک روا رکھا...... اللہ تعالیٰ کی سنت ابتدائے آفرینش سے یہ چلی آرہی ہے کہ کوئی شخص ایمان باللہ کا اعلان کرتا ہے یا نہیں کرتا، اس دارِ دنیا میں بہر حال اسے مصائب و مشکلات سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔ لیکن مومنین کو ابتدا میں اس دارِ فانی میں مصیبت اور تکلیف تو ضرور اٹھانی پڑے گی البتہ آخرت کی بازی وہ جیت جائیں گے اور عاقبت کی خوشیاں ان ہی کے حصہ میں آئیں گی۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے انبیاء کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور ان کی مخالفت میں زندگی برباد کر بیٹھے، ان کو بھی اس فانی دنیا مصائب و مشکلات سے گزرنا پڑے گا۔ ایسے لوگوں کو ابتدا میں تو لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے لیکن آخرت کا عذاب اور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ان کے حصے میں آئے گی۔ وہ ایسا عذاب ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔

اس عارضی دنیا میں انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں میں مل جل کر رہے۔ ہر شخص کے ارادے اور تصورات مختلف ہوتے ہیں اور ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کی بات کو اولیت کا درجہ دیں۔ جو شخص ان کا ساتھ نہیں دیتا اسے مختلف قسم کی مشکلات میں ڈال دیا جاتا ہے اور جو شخص ان کی ہاں میں ہاں ملاتا

ہے اسے بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کبھی اپنوں سے اور کبھی غیروں سے۔ بطور مثال کے ایک دین دار اور متقی شخص ہی کو لے لیجئے۔ جو فاسق و فاجر اور ظالم قوم میں زندگی گزار رہا ہو۔ ایسا شخص ان کے ظلم و ستم سے ہرگز نہیں بچ سکتا البتہ اگر ان کی موافقت کرلے یا خاموشی اختیار کرلے ابتداءً توان کے ظلم وستم سے محفوظ رہے گا لیکن بالآخر یہ شخص ان کے جس ظلم اور زیادتی سے بچنا چاہتا تھا اس کا شکار ہوکر رہے گا۔ اور اگر بالفرض ان کے شر سے محفوظ بھی رہے تو دوسرے لوگوں کے ظلم کا نشانہ بنے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد گرامی کو جو انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا، مضبوطی سے تھام لینا چاہیے اور حرز جان بنالینا چاہیئے۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کرلے تو اس کی تمام ضروریات کا اللہ تعالیٰ خود کفیل ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک اس کی کفایت نہ کرسکیں گے''۔ (ترمذی) پس جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے، بھلائی و کامیابی کا راستہ اس کے سامنے ظاہر کردے اور مخالفین کے شر سے اس کو محفوظ رکھے تو وہ محرمات میں ان کی موافقت نہیں کرے گا اور ان ظالموں کے ظلم و ستم کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی اس کے قدم چوم لے گی۔ جیسا کہ انبیاء اور ان کی اتباع کرنے والوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔

مذکورۃ الصدر دو قسم کے لوگوں کے علاوہ ایک شخص وہ بھی ہے جو بے بصیرتی اور کم عقلی کی بنا پر ایمان کا دعویدار بن بیٹھا ہو اگر کسی وقت کسی مصیبت اور مشکل میں پھنس جائے تو اسے وہ ایک فتنہ سمجھتا ہے۔ فتنہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس آزمائش اور تکلیف کو جو بہر حال انبیاء اور ان کے فرمانبرداروں کو مخالفین کی طرف سے پہنچتی ہے، ایک عذاب سمجھتا ہے۔ اس فتنہ کی وجہ سے وہ ایمان سے بھاگتا ہے اور اس سبب کو چھوڑ دیتا ہے جس سے یہ مصیبت دور ہو، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کہ مومن ایمان لاکر اس سے خلاصی چاہتے ہیں۔

صاحبِ بصیرت، اور خالص مومن تو عذاب الٰہی سے ڈر کر ایمان کی طرف لپکے اور دوڑے اور عارضی مصائب کو برداشت کرنے کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔

اور یہ کم عقل اور بے بصیرت لوگ انبیائے کرام کے دشمنوں کی عارضی تکلیف سے بچنے کے لئے ان کی موافقت کرنے پر رضامند ہو گئے اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے، ان کی عارضی تکلیف اور جلد ختم ہو جانے والی مصیبت سے بھاگے اور عذابِ الٰہی کی طرف چل پڑے۔ لوگوں کی آزمائش اور فتنہ کو عذابِ الٰہی سمجھ بیٹھے

اور بالکل برباد ہوگئے۔اس ذہن کے حامل لوگ حماقت اور بے وقوفی کا شکار اس طرح ہوگئے کہ گرمی سے بچاؤ کی خاطر آگ میں چھلانگ لگادی...... چند لمحوں کی تکلیف برداشت کرنے سے تو انکار کردیا لیکن دائمی عذاب کو دعوت دے دی۔ایسے شخص کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو غلبہ اور کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے، تو یہ شخص فوراً بول اٹھتا ہے کہ میں تو تمہارے ہی ساتھ تھا لیکن ایسا شخص اللہ تعالیٰ کو کیسے دھوکا دے سکتا ہے؟ وہ اس کے نفاق سے بخوبی آگاہ ہے اور اس کے دل کی دھڑکنوں سے واقف ہے۔

اس آیت کریمہ میں فرقہ مرجئہ اور کرامیہ کی تردید بھی ہوگئی۔تردید کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ صرف زبانی ایمان لائے اور مشکلات پر صبر نہ کیا۔کیونکہ فقط قول اور تصدیق بغیر عمل کے نفع مند نہیں ہوتے۔شرعی ایمان اس وقت تک صحیح نہیں قرار پاتا جب تک مندرجہ ذیل تین باتیں انسان کے اندر جمع نہ ہوں۔۱۔دل سے تصدیق اور اس پر کاربند رہنا۔ ۲۔زبان سے اقرار۔ ۳۔اور اعضاء سے اس پر عمل کرنا۔سلفِ اُمت اور اہلِ سنت کا یہی مسلک اور یہی عقیدہ ہے۔واللہ اعلم۔اس آیت سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ سچی بات کرنے میں مخلوق کی مداہنت سے بچنا چاہیئے اور بچے گا وہی جسے اللہ بچائے۔

وَعَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا اِنَّ مِنْ ضَعْفِ الْیُقِیْنِ أَنْ تُرْضِیَ النَّاسَ بِسَخَطِ اللہِ وَأَنْ تَحْمَدَھُمْ عَلٰی رِزْقِ اللہِ۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی کمزوری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق پر لوگوں کی تعریف کرے۔

اس حدیث کو ابونعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے۔امام بیہقی نے بھی اسے نقل فرمایا ہے لیکن انہوں نے راوی محمد بن مروان السدی کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔مزید یہ کہ اس کی سند میں عطیہ العوفی راوی ہے جس کو امام ذہبی نے ضعیف اور متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

البتہ حدیث کا مفہوم درست اور صحیح ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کی بنا پر خوشی اور تازگی رضا اور یقین میں رکھی ہے۔اور ناراض اور شک میں غم واندوہ کو جمع کردیا ہے"۔

ضعف، کمزوری کو کہتے ہیں۔اور یقین کامل ایمان کا دوسرا نام ہے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "یقین پورا ایمان ہے اور صبر آدھا"۔اس روایت کو ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزھد میں سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم رضا کے ساتھ یقین میں عمل کرنے کی استطاعت رکھتے ہو تو کر لو اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتے تو جس چیز کو برا سمجھتے ہو اس میں صبر کرنا بہت سی بھلائیوں کا حامل ہے''۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''یا رسول اللہ! میں یقین کی دولت کیسے حاصل کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا ایمان یہ ہونا چاہیے کہ جس مصیبت میں تم گرفتار ہو وہ بہر حال پہنچنے والی تھی اور جس سے بچ گئے ہو وہ پہنچ نہیں سکتی تھی''۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر دوسروں کی رضا کو ترجیح دی جائے یہ چیز اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کسی شخص کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور اس کی علوشان کا جذبہ مفقود ہو۔ یہی وہ جذبہ ہے جس سے ربِّ کریم کو ناراض کر کے مخلوقِ الٰہی کو راضی اور خوش کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ اللہ کریم ہی دلوں میں مختلف تصرفات کرتا ہے، غم و اندوہ کے حملوں سے انسان کو نجات بخشتا ہے اور اس کی بدکرداریوں کو آنِ واحد میں ختم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر دوسروں کی رضا کو ترجیح دینا شرک کی اقسام میں سے ایک قسم ہے کیونکہ انسان نے اللہ کی رضا پر مخلوق کی رضا کو اہم گردانا۔ ایسے لوگوں کا قرب اس طرح حاصل کیا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

اس ناپسندیدہ عمل سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جسے اللہ محفوظ رکھے، اپنی اطاعت کی توفیق بخشے اور ان صفات جلیلہ کی معرفت تامہ عطا کرے جو اس کی ذاتِ کبریا کی عظمت کے قابل ہیں۔ اور ان تمام صفات سے اللہ تعالیٰ کو پاک اور منزہ سمجھے جو اس کے کمال کے منافی ہیں۔ نیز اس کی توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ الُوہیت کی معرفت بھی مکمل ہو۔

قولهٗ وَأَنْ تَحْمَدَهُمْ عَلٰى رِزْقِ اللهِ

یعنی جن لوگوں کے توسط سے رزق کی نعمت میسر آئی ہو، اس نعمت کو ان کی طرف منسوب کرنا، اور ان کی تعریف میں لگے رہنا کیونکہ حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ہی اس نعمت کو عطا کرنے والا ہے اسی نے ان ذرائع سے یہ رزق بہم پہنچایا ہے۔ اور جب وہ چاہتا ہے اس قسم کے خود بخود اسباب مہیا فرما دیتا ہے۔ کسی شخص کی تعریف نہ کرنا مندرجہ ذیل حدیث کے مخالف نہیں ہے ''جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا''۔ **(ابوداؤد، ترمذی، صحیح ابن حبان)**۔

لوگوں کا شکر ادا کرنے کی صورت صرف یہ ہوتی ہے کہ ان کے لئے دعا کرے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے

ان کے ذریعہ سے نعمت عطا فرمائی ہے اس کے بدلے میں یا تو دُعائے خیر کی جائے یا اس کا کوئی بہتر بدلہ دینے کی کوشش کی جائے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا: ''جو تمہارے ساتھ بھلائی کرے اس کا بدلہ چکاؤ اگر بدلہ نہ دے سکو تو اس کے لئے اتنی دعا کرو کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے بدلہ چکا دیا ہے''۔ **(ابوداؤد، نسائی، کشف الخفاء)**۔ اچھے اور معروف عمل کو لوگوں کی طرف اس لحاظ سے منسوب کرنا کہ یہ ذریعہ اور سبب بنے ہیں درست ہے لیکن حقیقت میں یہ اچھا عمل اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے وجود میں آیا ہے۔

وَ أَنْ تَذُمَّهُمْ عَلٰى مَا لَمْ يُؤْتِكَ اللهُ اِنْ رَزْقَ اللهِ لَا يَجُرُّهُ حِرْصُ حَرِيْصٍ وَ لَا يَرُدُّهُ كَرَاهِيَةُ كَارِهٍ۔

اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے نہیں دی اس کی وجہ سے لوگوں کی مذمت کرے۔ یاد رکھو، کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کو نہ کسی حریص کی حرص لا سکتی ہے اور نہ کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی اسے روک سکتی ہے۔

کیونکہ جو چیز تو ان سے طلب کرتا ہے وہ تیرے لئے مقدر نہیں ہے۔ جو چیز تم نے کسی سے مانگی تھی اگر وہ تیرے مقدر میں ہوتی تو تجھے ضرور مل جاتی۔ پس جو شخص یہ سمجھ لے کہ: ۱۔ رزق دینے والا۔ ۲۔ رزق میں تنگی کرنے والا۔ ۳۔ اسباب اور بغیر اسباب کے رزق مہیا کرنے والا۔ اور بعض اوقات ایسی جگہ سے رزق عطا فرمانے والا جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو، صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے، تو ایسا شخص کسی کی نہ تعریف کرے گا اور نہ مذمت بلکہ اپنے دین و دنیا کے تمام اُمور صرف اللہ تعالیٰ کو سونپ دے گا۔ اسی پر اعتماد کرلے گا۔ اسی مفہوم کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا ہے: ''نہ لالچی کی حرص اللہ کے رزق کو کھینچ کر لا سکتی ہے اور نہ کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی اسے روک سکتی ہے''۔ اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا: (ترجمہ) ''جو رحمت، اللہ لوگوں کے لئے بھیجے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جسے وہ روک لے اس کے علاوہ اسے کوئی بھیجنے والا نہیں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اس حدیث میں لفظِ یقین اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت، اور ان انعامات کو جو وہ اپنے فرمانبردار بندوں کو عطا فرمائے گا، شامل ہے۔ نیز یہ لفظ اللہ کی تقدیر اور اس کی تدابیر کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ کریم کو ناراض کر کے اور اس کے احکام کی مخالفت کر کے مخلوق الٰہی کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ایسے شخص کو اللہ کے رزاق ہونے اور اس کے وعدے پر ایمان اور یقین نہیں ہے۔ انسان یہ رویہ اس وقت اختیار کرتا ہے جب وہ لوگوں کے پاس مختلف

انعامات دیکھ کران کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور حقوق اللہ اور اس کے ارشادات کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اس بے رخی کے دو وجوہ ہو سکتے ہیں۔ ا۔ایک یہ کہ جو کچھ لوگوں کے پاس دیکھتا ہے اسے حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ ۲۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی سچائی، اس کی نفرت اور تائید پر ایمان بالکل کمزور ہے اور دنیا و آخرت میں جو اجر جزیل ملنے والا ہے اس پر اعتماد مفقود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔ اسے رزق بھی فراخی سے ملتا ہے، وہ لوگوں کا دستِ نگر بھی نہیں رہتا۔ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشی حاصل کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں سے خوف کھاتا ہے اور ان سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ یقین کا یہ انتہائی کمزور پہلو ہے۔ جس چیز کی لوگوں سے امید ہوتی ہے اگر وہ حاصل نہ ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمام امور کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا اس کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ ناکامی کی صورت میں لوگوں کی مذمت کرنا بھی یقین اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ اس لئے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ نہ کسی سے ڈرے، نہ کسی سے امید باندھے اور نہ اپنے خواہشات کی بنا پر کسی کی مذمت کرے کیونکہ محمود وہی شخص ہے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ تعریف کریں اور مذموم بھی وہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کی زبان سے مذمت بیان کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں جب بنی تمیم کا وفد آیا تو وفد کے ایک شخص نے بڑی بے باکی سے کہا کہ ''اے محمدؐ! مجھے کچھ نہ کچھ ضرور دیجئے، کیونکہ میرا کسی کی تعریف کرنا باعثِ زینت اور میرا کسی کی مذمت کرنا باعثِ ذِلت ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ مقام صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے''۔

زیرِ بحث حدیث سے ثابت ہوا، کہ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور اعمال اور ایمان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

وعن عائشة رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللهِ بِسَخَطِ النَّاسِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَ أَرْضٰى عَنْهُ النَّاسُ۔ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللهِ سَخَطَ اللهُ عَلَيْهِ وَ أَسْخَطَ عَلَيْهِ النَّاسُ۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کی ناراضی مول لے کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے اور لوگ بھی خوش ہو جاتے ہیں۔ اور جو

شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشی کا طالب ہوتا ہے اس پر لوگ بھی ناراض اور اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہو جاتا ہے۔(ابن حبان)

ابن حبان نے مندرجہ بالا الفاظ سے یہی روایت نقل کی ہے، البتہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل مدینہ میں سے ایک شخص سے مندرجہ ذیل واقعہ تفصیل سے نقل کیا ہے کہ: ''سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت عالیہ میں لکھا کہ آپ مجھے کچھ وصیت فرمائیں جو مختصر ہو، چنانچہ سیّدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا: ''تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو۔ امابعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی مول لے کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کی امداد سے اس کو بے پروا کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے کر لوگوں کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو لوگوں کے ہی سپرد کر دیتا ہے۔ والسلام علیک، **(رواہ ابونعیم فی الحلیۃ)**۔

شیخ الاسلام امام تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی لکھ کر بھیجا: جس نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو خوش کیا اللہ اسے لوگوں کی تکالیف سے بچائے گا اور جس نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کیا وہ اللہ کے مقابل اس کے کسی کام نہ آ سکیں گے۔

حدیث کے مندرجہ بالا الفاظ مرفوعاً بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ موقوف حدیث کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:
''جس نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو خوش کیا، اس سے اللہ بھی راضی ہو جائے گا اور لوگوں کو اس سے راضی کر دے گا اور جس نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کیا تو وہی لوگ جو اس کی تعریف کرتے ہیں اس کی مذمت کرنے لگیں گے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو سامنے رکھ کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جس مسئلہ کو واضح فرمایا ہے وہ تفقہ فی الدین کی عظیم الشان مثال ہے۔ کیونکہ جو شخص لوگوں کی ناراضی مول لے کر اپنے اللہ کو منا لیتا اور اس کو راضی کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرتا بلکہ اسے شریروں کے ظلم وستم سے محفوظ فرما لیتا ہے اور ایسا شخص اللہ کا صالح بندہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صالحین کا ہی دوست اور والی ہے، اور وہی اپنے بندے کے لئے کافی اور کارساز ہے وہ خود فرماتا ہے: ''جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا، اللہ تعالیٰ اس

کے لئے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دیگا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو''۔

اللہ تعالیٰ بلا شبہ اپنے بندوں کی کفالت کرتا ہے۔ جو شخص یہ خیال کرے کہ سب لوگ اس سے راضی اور خوش ہو جائیں تو یہ ناممکن بات ہے۔ لوگ اس وقت تک خوش رہیں گے جب تک ان کی اغراض پوری ہوتی رہیں گی۔ لیکن جب لوگوں کو انجام کا پتا چلے گا کہ: ''جو اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرے تو وہ اللہ کے مقابل اس کے کسی کام نہ آئیں گے''۔ تو اپنے ہی ہاتھوں کو کاٹیں گے، جیسے ظالم کی طرح جو اپنے ہی ہاتھوں کو کاٹتا ہے۔ جو شخص اس دارِ فانی میں لوگوں کی بے حد تعریف کرتا ہے وہی آخرت میں ان کی مذمت کرے گا۔ آخرت تو متقین کے لئے ہی مخصوص ہے یہ عام لوگوں کی خواہش کے مطابق ابتدا میں کیسے میسر آ سکتی ہے؟

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جس شخص پر اس بات کی حقیقت کا انکشاف ہو جائے کہ زمین پر جتنی بھی مخلوق الٰہی ہے وہ سب مٹی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تو وہ شخص مٹی کی اطاعت کو رب الارباب کی اطاعت پر کیسے ترجیح دے سکتا ہے؟ یا ملک الاملاک اور اللہ کی ذات کو ناراض کر کے مٹی کو کیسے خوش کرنے کی کوشش کرے گا؟ اگر کسی بدنصیب نے ایسا کردار ادا کیا تو ''یہ تو بڑی عجیب بات ہوگی''۔

زیر بحث حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص لوگوں سے خوف کھائے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر لوگوں کی خوشی کو ترجیح دے گا اسے سخت ترین سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔ خصوصاً شریعت اسلامیہ کے مطابق جو سزا ملے گی اس کی سختی کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سزا سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''ان کی اس بدعہدی کی وجہ سے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کی اور اس جھوٹ کی وجہ سے جو وہ بولتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق بٹھا دیا جو اس کے حضور ان کی پیشی کے دن تک ان کا پیچھا نہ چھوڑے گا''۔ **(التوبہ:۷۷)**۔

فیہ مسائل

☆ یقین، کمزور اور قوی ہوتا رہتا ہے۔ ☆ یقین کے کمزور ہونے کی تین علامات کا ذکر۔ ☆ خوف کو خالص اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص کر دینا اسلام کے فرائض میں سے ایک فرض ہے۔ ☆ جو شخص خوفِ الٰہی میں خلوص پیدا کر لیتا ہے اس کے اجر و ثواب کا ذکر۔ ☆ جس شخص کے خوفِ الٰہی میں ملاوٹ پیدا ہوگئی اس کی

سزا کے متعلق گفتگو۔

باب

قال اللہ تعالیٰ وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین

اس باب میں توکل علی اللہ کو مومنوں کی ایک خاص علامت قرار دیا گیا ہے

قال اللہ تعالیٰ وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرو، اگر تم مومن ہو''۔

ابو السعادات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''جب کوئی شخص کسی کام کو انجام دینے کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے تو اس وقت کہتے ہیں تَوَکَّلَ بِالْاَمْرِ اور جب کسی پر پورا اعتماد کر لیا جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے۔ میں نے اپنے معاملہ میں فلاں شخص پر اعتماد اور بھروسہ کر لیا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کام کو انجام دینے سے عاجز آ جائے یا کسی کو اپنا معتمد سمجھ کر اس پر بھروسہ کر لے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ''فلاں نے فلاں کو اپنا معاملہ سپرد کر دیا''۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا آیت پر باب کا عنوان اس لیے قائم کیا ہے کہ توکل فرائضِ اسلام میں سے ایک ایسا فریضہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ساری دنیا سے منہ موڑ کر صرف اللہ پر توکل کر لے۔ عبادات کی جتنی بھی اقسام ہیں تَوَکُّلُ عَلَى اللهِ ان تمام عبادات سے عظیم تر ہے کیونکہ اعمالِ صالحہ کا دارو مدار توکل ہی پر ہے۔

جب ایک انسان ساری دنیا سے کٹ کر اپنے دینی اور دنیاوی تمام اُمور میں اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیتا ہے تو اس کے اخلاص میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اور اس کا معاملہ اللہ سے ہو جاتا ہے۔ توکل علی اللہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی بڑی منزلوں میں سے ایک منزل ہے لہٰذا توحید کی تینوں قسمیں اس وقت مکمل نہ ہوں گی جب تک توکل علی اللہ کامل نہ ہوگا۔ جیسا کہ زیرِ نظر آیت سے واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''موسیٰ نے اپنی

قوم سے کہا کہ لوگو! اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو، اگر مسلمان ہو''۔ (یونس:۸۴)۔

ایک مقام پر اس کی یوں وضاحت فرمائی: (ترجمہ) ''وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا اسی کو اپنا وکیل بنالو''۔ (المزمل:۹)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''توکل صرف دل کا عمل ہے''۔

پیشِ نظر آیت کریمہ کی تشریح میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے توکل کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے، جس سے پتا چلا کہ جس دل میں توکل نہیں، وہاں ایمان نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو! اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو، اگر مسلمان ہو۔ (یونس:۸۴)۔ اس آیت کریمہ میں توکل کو اسلام کی صحت کا معیار قرار دیا گیا ہے، پس جس شخص کا ایمان قوی ہوگا اس کا توکل علی اللہ بھی مضبوط ہوگا۔ اور اگر خدانخواستہ ایمان کمزور ہوگیا تو توکل کا کمزور ہونا بھی یقینی ہے۔ اسی طرح جس کا توکل علی اللہ کمزور ہوگا اس کا ایمان بھی کمزور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں کبھی تو توکل اور عبادت کو یکجا بیان فرماتا ہے، کبھی توکل اور ایمان کو اور کبھی توکل اور تقویٰ کو اور کبھی توکل اور اسلام کو اور کبھی توکل اور ہدایت کو۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان اور احسان کے تمام اہم مقامات پر توکل علی اللہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور یہ کہ اسلام کے تمام اعمال میں توکل کا وہی مقام اور اس کی وہی حیثیت ہے جو بدن انسانی میں سر کی ہے۔ جیسے بدن کے بغیر سَر قائم نہیں رہ سکتا اسی طرح ایمان اور اس کے مقامات اور اعمال توکل علی اللہ کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص مخلوق سے امیدیں وابستہ کرلیتا ہے اور مخلوقِ الٰہی پر ہی توکل اور بھروسہ کر بیٹھتا ہے وہ اپنے مقاصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا۔ وہ مشرک ہے اور مشرک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (ترجمہ) ''جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناتا ہے گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر اسے جانور نوچ لیں گے یا ہوا اس کو دور دراز مکان میں پھینک دے گی''۔ (الحج:۳۱)۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توکل علی اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ ایسے اُمور میں غیر اللہ پر توکل کرنا جو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں، جیسے وہ لوگ جو فوت شدگان یا طاغوت وغیرہ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ کسی قسم کی امداد کریں گے یا حفاظت کا فریضہ ادا کریں گے یا رزق وغیرہ دیں گے یا قیامت کے دن سفارش کریں گے، یہ عقیدہ شرکِ اکبر ہے۔ ۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ظاہری اسباب و ذرائع پر بھروسہ کرلیا

جائے، جیسے کسی امیر یا بادشاہ پر یہ بھروسہ کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اسے دیا ہے اس میں سے ہم کو بھی دے گا یا کسی بیرونی طاقت کے شر سے بچاؤ کی امید کرلی جائے تو یہ شرکِ اصغر کی ایک قسم ہے۔

جائز وکالت یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے شخص کو ایسے کام پر وکیل بنائے جس پر اسے قدرت حاصل ہو اور وکیل بنانے کے بعد بھی وکیل پر اعتماد اور بھروسہ نہ کر بیٹھے بلکہ توکل اور کلی اعتماد اللہ تعالیٰ پر رکھے کہ وہ اس کام کو نائب اور وکیل پر آسان کردے۔ نائب اور وکیل پر اعتماد کے بجائے ربِ کریم پر اعتماد کرے جو حقیقی مسبّب الاسباب ہے۔

قول اللہ تعالیٰ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَاناً وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (الانفال:۲)

سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں۔ اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی علامات بیان فرمائی ہیں کہ فرائض کی ادائیگی کے وقت بھی ان کے دل میں ذکر اللہ کی جھلک نظر نہیں آتی۔ ☆ نہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ان کا ایمان ہے۔ ☆ نہ توکل علی اللہ کے قائل ہیں۔ ☆ جب مسلمانوں سے الگ ہوتے ہیں تو نماز نہیں پڑھتے۔ ☆ اور اپنے مال کی زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ مومن ہی نہیں ہیں۔

منافقین کی علامات بیان کرنے کے بعد مومنین کی صفاتِ حسنہ کو بیان کیا گیا ہے: ''سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ تعالیٰ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں''۔ (الانفال:۲)۔ مومن ہی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض ادا کرتا ہے''۔ دل کے کپکپا جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن اعمال کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو انجام دینے اور جن سے روکا گیا ہے ان کو چھوڑ دینے کے لئے مستعد اور چوکس ہو جاتا ہے''۔

زیر نظر آیت کے بارے میں السدّی کہتے ہیں: ''اس سے وہ شخص مراد ہے جو کسی پر ظلم کرنے کے لئے کمر بستہ ہو یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، اور اس کی بغاوت پر آمادہ ہو۔ اسے کہا جائے کہ اِتَّقِ اللّٰہَ اِتَّقِ اللّٰہَ یہ لفظ سنتے ہی اس پر ہیبت طاری ہو جائے اور اس کا دل کانپنے لگے''۔ (رواہ ابن ابی شیبہ، وابن جریر)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، تبع تابعین اور تمام اہل سنت نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ سیدنا عمیر بن حبیب رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں: ''ایمان بڑھتا گھٹتا ہے۔ ان سے سوال کیا گیا کیسے بڑھتا گھٹتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا جب ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں تو ایمان کا یہی بڑھنا ہے۔ اور جب ہم غفلت کرتے یا بھول جاتے یا اس کے احکام کو ضائع کر دیتے ہیں تو یہ ایمان کا کم ہوتا ہے۔ (ابنِ سعد)۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور اسکا قول وعمل سے پتا چلتا ہے'' **(ابن ابی حاتم)**

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کے بڑھنے گھٹنے پر اجماعِ اُمت بیان کیا ہے۔

قولہٗ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ یعنی مومنین کی صفات یہ ہیں: وہ دل سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں۔ اپنے تمام دینی اور دنیاوی امور کو اللہ ہی کی طرف سونپ دیتے ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھتے۔ ☆ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا مقصود سمجھتے ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ ☆ مومنین کو یہ یقین ہے کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہوگا۔ ☆ اور جو اس کی مشیت کے خلاف ہے اس کا وجود میں آنا ممکن نہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ اپنی مملکت میں واحد متصرف ہے۔ ☆ اور وہی اکیلا معبودِ حقیقی ہے۔

زیرِ نظر آیت کریمہ میں مخلص مومنین کے خاص طور پر تین اعلیٰ مقام بتائے گئے ہیں اور تین علامات بیان کی گئی ہیں۔ ا۔ خوفِ الٰہی۔ ۲۔ ایمان میں اضافہ۔ ۳۔ اور صرف اللہ تعالیٰ پر توکل۔ یہ تین مقامات ایسے ہیں جن سے ایمان کامل ہوتا ہے۔ ظاہری اور باطنی اعمال انسان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جیسے۔

نماز: جو شخص نماز قائم کرے، اس کی حفاظت بھی کرے۔ اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے تو اس عمل صالح کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ دوسرے واجبات پر بھی عمل کرے گا اور محرکات کو چھوڑ دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''نماز ہر برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بلند و بالا ہے۔ **(العنکبوت:۴۵)**

قول اللہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الانفال: ٦٤)

اے نبی (ﷺ)! تمہارے لیے اور اہل ایمان کے لئے تو بس اللہ کافی ہے۔

اس آیت کریمہ کے معنی علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں کہ: ''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے متبعین کو صرف اللہ ہی کافی ووافی ہے۔اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی پسند فرمائے ہیں۔

بعض نے یہ معنی بھی بیان کیے ہیں کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اور مومنین کافی ہیں''۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ معنی بہت غلط ہیں۔آیت کریمہ کو اس معنی پر محمول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جیسے تمام عبادات مثلاً توکل اور تقویٰ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں اسی طرح کفایت اور حسب بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمہارے لئے اللہ کافی ہے۔وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی''۔**(الانفال:۶۲)**

اس آیت کریمہ پر غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ''حسب'' اور تائید کو الگ الگ بیان فرمایا ہے۔''حسب'' کو صرف اپنی طرف منسوب فرمایا اور ''تائید'' کو اپنی مدد ونصرت اور مومنین دونوں کی طرف نسبت فرمائی ہے۔ اور خصوصاً اپنے ان بندوں کی جو اہل توحید ہیں اس بات پر تعریف کی ہے کہ انہوں نے ''حسب'' کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کیا ہے جیسا کہ اہلِ توحید کا قول نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، ان سے ڈرو تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے''۔(آل عمران:۱۷۳)۔ مومنین نے حسبنا اللہ ورسولہ نہیں کہا۔ایک جگہ پر اسی کو یوں بیان کیا گیا ہے: (ترجمہ) ''وہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے، وہ اپنے فضل سے ہمیں اور بہت کچھ دے گا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہم پر عنایت فرمائے گا۔ہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف نظر جمائے ہوئے ہیں''۔(التوبہ:۵۹) اس آیت پر ذرا غور فرمایئے کہ مومنین موحدین نے ''ایتاء'' کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی طرف اور ''حسب'' کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔یہ نہیں کہا کہ حسبنا اللہ ورسولہ بلکہ حسب کو خالص اللہ کا حق قرار دیا ہے جیسے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ان کی بات کو یوں نقل فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''ہم اللہ ہی کی طرف نظر جمائے ہوئے ہیں''۔اس آیت میں رغبت کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اور اپنے رب ہی کی طرف نظر جمائے رکھو''۔

پس ثابت ہوا کہ رغبت، توکل، انابت اور حسب صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں۔ جیسے عبادت، تقویٰ، سجدہ، نذر و نیاز، اور قسم وغیرہ صرف اللہ کے لئے ہیں۔

مندرجہ بالا بحث سے آیت زیر نظر آیت کا باب سے تعلق بھی معلوم ہو گیا وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ ہی اکیلا اپنے بندے کا کارساز ہے تو بندے پر واجب ہے کہ وہ اسی ایک وحدہٗ لاشریک پر توکل اور اعتماد کرے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمتوں کو روک لیتا ہے اور انسان کو اس کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: ''جو شخص اپنا دلی تعلق کسی بھی غیر اللہ سے جوڑے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی کے سپرد کر دیتا ہے''۔

قول اللہ تعالیٰ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق:۳)

جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حَسْبُهُ کے معنی ہیں نگران اور جس کا اللہ نگران اور کفایت کنندہ ہو تو ایسے آدمی کو اس کا دشمن کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا سوائے اس کی تنگی کے جس کا وقوع تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس سے چارہ بھی نہیں جیسے گرمی، سردی، بھوک پیاس سے چارہ نہیں اور ایسی تکلیف وہ اس کو کبھی نہیں دے سکتا جس سے اس کی مراد برآئے اور اذیٰ (جو کہ ظاہر میں ایذاء اور حقیقت میں اس پر احسان ہے اور دشمن کے لئے ضرر ہے) اور ضرر (جس سے وہ شفا چاہتا ہے) میں بہت فرق ہے۔

بعض سلف نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کی جزاء اس کی ذات سے رکھی ہے اور اللہ پر توکل کی جزا اس کو کفایت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا نگران ہے''۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ اس کو اتنا اجر ملے گا، جیسا کہ دوسرے اعمال میں کہا ہے بلکہ متوکل کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو کافی اور اس کا محافظ بنایا ہے۔ اگر بندہ اللہ تعالیٰ پر پوری طرح توکل کرے اور اس کے خلاف زمین اور آسمان اور ان میں رہنے والی مخلوقات اس کے خلاف تدبیر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی کشادگی کی راہ پیدا کرے گا اور رزق اور مدد میں اس کی کفایت کرے گا''۔

امام احمد رحمہ اللہ نے کتاب الزہد میں وہب بن منبہ رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک کتاب میں فرمایا ہے کہ: (ترجمہ) ''مجھے اپنی عزت کی قسم! جو شخص صرف مجھے ہی اپنا ملجا و ماویٰ بنا لے۔ اس کے بعد اگر ساتوں آسمان اور اس کے رہنے والے، اور ساتوں زمینیں اور اس میں رہنے

والے سب مل کر بھی میرے اس خاص بندے کے خلاف محاذ قائم کرلیں تو میں اپنے بندے کو پھر بھی ان کے چنگل سے بچا لوں گا۔ اور جو شخص مجھے چھوڑ دے اور مجھ سے اعراض کرلے، تو میں تمام اسباب کو ختم کر دوں گا۔ اور اس کے قدموں تلے سے زمین نکال کر اس کو فضا میں معلق کر دوں گا اور اسے اس کے نفس ہی کے سپرد کر کے چھوڑ دوں گا۔ خبردار! میں اپنے بندے کے لئے اکیلا کارساز ہوں جب تک میرا بندہ میری اطاعت و فرمانبرداری میں رہے گا۔ میں اسے بغیر سوال کئے دیتا چلا جاؤں گا اور اس کی پکار سے پہلے اس کی دعا قبول کروں گا۔ کیونکہ میں اس کی حاجت کو اس سے زیادہ جانتا اور سمجھتا ہوں''۔

پیش نظر آیت کریمہ میں توکل علی اللہ کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جلب منفعت اور دفع ضرر کے لئے توکل علی اللہ بہت بڑا سبب اور ذریعہ ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ توکل کے ساتھ ساتھ اسباب اور ذرائع کو بروئے کار لانا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی پہلے تقویٰ کا ذکر فرمایا اور بعد میں توکل بیان کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کام کرتے رہو، ایمان رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے''۔

یہاں تقویٰ کو توکل کے ساتھ اس لئے بیان فرمایا کہ تقوی ان اسباب کو شامل ہے جن اسباب کی شریعت اسلامیہ نے اجازت دی ہے اور اس بات کو بطور خاص ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ توکل بغیر شرعی اسباب کے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگرچہ اس میں اس طرح کا توکل پایا جاتا ہے پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے عجز کو توکل اور توکل کو عجز نہ سمجھے بلکہ ان تمام اسباب کو جن سے اپنا مقصود حاصل کرنا ہو، بروئے کار لائے اور جو جائز اسباب مہیا ہو سکیں، ان کو ترک نہ کرے۔

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قَالَ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ قَالَھَا اِبْرَاھِیْمُ حِیْنَ اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَ قَالَھَا مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم حِیْنَ قَالُوْا لَہٗ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ (رواہ البخاری والنسائی)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ ''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اُس وقت کہا تھا جب انہیں آگ میں ڈالا گیا تھا۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت کہا تھا جب جنگ اُحد کے اختتام پر لوگوں نے کہا کہ دشمن تمہارے لئے فوجیں جمع کر رہا ہے اس سے ڈرو، تو اس سے مسلمانوں کا ایمان اور مضبوط ہوا اور بڑھا۔

یعنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا کارساز ہے ہم اسی پر توکل اور بھروسہ کریں گے جیسا کہ ''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے'' (الزمر:۳۹)۔اور جس نے اللہ تعالیٰ پر بھرسہ کیا اور اس کو اپنا وکیل بنایا ہے وہ بہت ہی عمدہ اعلی اور ارفع ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے: (ترجمہ) ''اور اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو جاؤ وہ ہے تمہارا مولیٰ بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے مددگار''۔(الحج:۷۸)۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''جو شخص اللہ پر توکل کرے اور اسی کی طرف راجع ہو، اللہ تعالیٰ اس کا کفیل اور کارساز بن جاتا ہے کیونکہ وہی ایک ذات کبریا ایسی ہے جہاں خوف زدہ کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور امن کے متلاشی کو پناہ ملتی ہے۔پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا دوست بن جائے، اسی سے امداد کا طالب ہو، اسی پر توکل کرے اور کلی طور پر تمام دنیا سے کٹ کر اللہ کریم سے جڑ جائے اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے، اس کو اپنی حفاظت، اپنے امان اور اپنی پناہ میں لے لیتا ہے، جو شخص اللہ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو امان اور اطمینان کی دولت سے نوازتا اور پھر جس چیز کی بندے کو ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ وہ چیز فراوانی سے اس کو عطا فرما دیتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ قرآن کریم میں نقل فرمایا ہے، قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں کہ: (ترجمہ) ''انہوں نے کہا: جلا ڈالو اس (ابراہیم) کو اور مدد کرو اپنے معبودوں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ہم نے کہا: ''اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی (والی) بن جا ابراہیم پر۔وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برائی کریں مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام کر دیا'' (انبیاء:۶۸ تا ۷۰)۔

غزوۂ اُحد میں شکست کھانے کے بعد جب قریش مکہ، مدینہ منورہ کی حدود سے باہر نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی کہ ابوسفیان جو اس وقت لشکر کفار کا سپہ سالار تھا دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ستر جانباز سوار صحابہ کرام کو لے کر اس کے مقابلہ کے حمراء الاسد نامی مقام پر قریشی حملہ آوروں کو روکنے کے لئے تشریف لے گئے۔یہ سن کر ابوسفیان حواس باختہ ہو گیا اور وہ اپنے لشکر کو لے کر سیدھا مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔راستے میں ابوسفیان کو عبدالقیس میں سے ایک قافلہ ملا۔ابوسفیان نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ابوسفیان بولا: مدینہ جا کر ہمارا پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دو گے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ضرور پہنچائیں گے۔ابوسفیان نے یہ پیغام دیا کہ: جب مدینہ پہنچو تو مسلمانوں سے کہنا کہ ہم نے دوبارہ حملہ کرنے کی تیاری مکمل کر لی ہے تاکہ تم سب مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا

دیا جائے۔ چنانچہ عبدالقیس کا یہ قافلہ جب حمراء الاسد پہنچا تو ابوسفیان کی یہ بات بھی رسول اللہ ﷺ کو سنا دی۔ اُس وقت تک ابھی حمراء الاسد ہی میں قریش کے انتظار میں تھے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا پڑھی فرمایا: ''حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ''.

سیدنا ابراہیم اور محمد رسول اللہ ﷺ کے اس واقعہ میں اس عظیم الشان دعائیہ جملہ کی عظمت اور فضیلت کا پتا چلتا ہے کیونکہ یہ دو خلیلوں کا متفقہ دعائیہ جملہ ہے اور وہ بھی انتہائی مشکل وقت میں۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جب تم کسی بڑی مصیبت میں گھر جاؤ تو یہ دعا وردِ زبان رکھا کرو، اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو آسان کردے گا۔ وہ عظیم دعا یہ ہے: ''حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ''۔

فیہ مسائل

☆ توکل علی اللہ فرائض میں سے ہے۔ ☆ ایمانِ صادق کی سب سے بڑی شرط یہی توکل ہے۔ ☆ کلمہ ''حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ'' کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مشکل اور مصیبت کے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ دونوں نے اِسے پڑھا۔

باب

اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (الاعراف:۹۹)

کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔

اس مقام پر اس آیت کریمہ کے ذکر سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ تنبیہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہو جانا بالکل اسی طرح کے عظیم گناہوں میں سے ہے اور توحید الٰہی کے سراسر خلاف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہو جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ مومن کو چاہیئے کہ وہ خوف اور رِجا کی کیفیتوں کے درمیان اپنی زندگی بسر کرے جیسا کہ کتاب و سنت اور سلفِ اُمت نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

زیرِ نظر آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان لوگوں کا حال بیان فرمایا جنہوں نے پوری قوت سے انبیاء کی مخالفت اور اُن کی تکذیب کی اور پھر فرمایا کہ اِن لوگوں نے انبیائے کرام کی مخالفت اس لئے کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں پوری تفصیل سے بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آ جائے جب کہ وہ سوئے پڑے ہوں؟ یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکا یک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جبکہ وہ کھیل رہے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو''۔

ان کے اس مکروہ کردار کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہو گئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قدر نعمتوں سے نوازا اور مال و دولت میں اس قدر فراوانی عطا فرمائی کہ یہ لوگ اس بات کو قطعاً بھول گئے کہ یہ مال و متاع بھی ہماری گرفت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وہ شخص بڑا بیوقوف ہے اور احمق ہے جس پر دنیا کے مال و متاع کے دروازے کھول دیئے جائیں اور وہ اس کو اپنے لئے آزمائش اور امتحان نہ سمجھے''

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ایک قوم نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت اور سرکشی کی اور اللہ تعالیٰ نے کسی بھی قوم کو گرفت میں نہیں لیا حتی کہ وہ اللہ کے انعام و اکرام کی وجہ سے عیش و عشرت میں پڑ گئے اور اس عارضی وسعت رزق سے دھوکا کھا بیٹھے۔ پس اب کسی شخص کو دھوکے میں نہ آنا چاہیئے''۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انسان کی نافرمانیوں پر اگر اللہ تعالیٰ اس کی پسند کے مطابق دنیا کا مال و متاع دیتا چلا جائے تو اس کے معنی صرف اسے ڈھیل دینا ہے''۔ (رواہ احمد و ابن جریر)

اسماعیل بن رافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہونے کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ انسان گناہ کرتا چلا جائے، اور اُس پر مغفرت کی اُمید رکھے''۔ (رواہ ابن ابی حاتم)۔

بعض متقدمین اہل علم نے مکر اللہ کی مندرجہ ذیل تشریح فرمائی ہے: ''جب انسان گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو بعض اوقات اللہ اسے ڈھیل دے دیتا ہے اور مزید انعام و اکرام کی بارش کر دیتا ہے اور پھر اسے اچانک اپنی گرفت میں لے لیتا ہے''۔ مکر اللہ کی یہ مختصر سی تشریح تھی جو مختلف علمائے کرام اور محدثین عظام کی عبارات سے پیش کی گئی۔ واللہ اعلم۔

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (الحجر)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے نا اُمید ہونے اور اس کی طرف سے مصائب کے حل کو مستبعد سمجھنے کو قنوط کہتے ہیں۔اس کے بالمقابل اللہ کی گرفت سے بے خوف ہونا۔ یہ دونوں کبیرہ گناہوں میں سے ہیں اور تصورِ توحید کے منافی ہیں۔ زیرِنظر آیت اوراس سے پہلے بیان کی گئی آیت کریمہ کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس لئے یکجا بیان کیا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اُس کو رحمت الٰہی سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے بلکہ خوف اور اُمید کے بین بین زندگی گزارنا چاہیئے۔ انسان اپنے گناہوں سے ڈرتا اور اُس کی اطاعت میں عمل صالح کرتا رہے اور پھر اُس کی رحمت کا اُمیدوار بھی رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''(بھلا اس شخص کی روش بہتر ہے یا اس شخص کی) جو مطیع فرمان ہے رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا ہے اور سجدے کرتا ہے۔ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے اُمید لگاتا ہے؟ (الزمر:۹)۔ دوسرے مقام پر فرمایا: (ترجمہ) ''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا ہے وہ رحمت الٰہی کے جائز اُمیدوار ہیں اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے اُنہیں نوازنے والا ہے''۔ (البقرۃ:۲۱۸)۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کو چھوڑ کر نافرمانی اور گناہوں پر اصرار کرنا اور اس پر بخشش کی اُمید رکھنا شیطان کا زبردست دھوکا اور فریب ہے تاکہ بندے کو خوفناک کیفیت میں ڈال دے اور ان اسباب وذرائع کے قریب بھی نہ آنے دے جن کی وجہ سے انسان نجات حاصل کر سکے۔ لیکن اہل ایمان اور توحید میں پکے افراد کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ان اسباب سے دست کش نہیں ہوتے جن سے کامیابی اور نجات ممکن ہے وہ اللہ کے عذاب سے بھاگتے اور اُس کی بخشش کی اُمید رکھتے ہیں۔ اور ان کے سینوں میں اجر وثواب کی توقع پنہاں ہوتی ہے۔

آیت زیر بحث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے، یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب فرشتوں نے سیدنا خلیل علیہ السلام کو سیدنا اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تھی، چنانچہ اس خوشخبری پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا: (ترجمہ) ''کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو، ذرا سوچو تو سہی کہ یہ کیسی بشارت تم مجھے دیتے ہو''؟ (الحجر:۵۴)۔ کیونکہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ جب انسان خود اور اس کی بیوی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں تو پھر اولاد کا پیدا ہونا بہت ہی مشکل نظر آتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے

ہاں تو کوئی چیز بھی مشکل نہیں وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس تعجب خیز جملہ کو سن کر فرشتوں نے کہا: ''ہم تمہیں برحق بشارت دے رہے ہیں''۔ ہم نے جو خوشخبری دی ہے اُس میں شک وشبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو پھر کوئی چیز درمیان میں حائل اور رکاوٹ نہیں بن سکتی۔اس لئے ''تم مایوس نہ ہو''۔اس پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نا اُمید ہوتے ہیں جو گمراہ ہوں''۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کی رحمت کی وسعتوں کو خوب جانتے اور سمجھتے تھے لیکن اُنہوں نے صرف تعجب اور حیرت سے فرمایا تھا'' کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو''۔

الضَّآلُّوْنَ کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں: ۱۔ وہ لوگ جو صراط مستقیم کو چھوڑ کر شیطان کی بتائی ہوئی غلط راہ پر چلے جا رہے ہوں۔ ۲۔دوسرا معنی یہ ہے کہ کافر ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔دوسرے معنی کی تائید مندرجہ ذیل آیت سے ہوتی ہے: (ترجمہ) ''اللہ کی رحمت سے سوائے کافروں کے کوئی نا اُمید نہیں ہوتا''۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم سُئِلَ عَنِ الْکَبَآئِرِ فَقَالَ الشِّرْکُ بِاللّٰہِ وَ الْیَاْسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ وَ الْاَمْنُ مِنْ مَّکْرِ اللّٰہِ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کون کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ۱۔اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ ۲۔اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا۔ ۳۔اور اللہ کی گرفت سے بے خوف رہنا۔(کبیرہ گناہ ہیں)۔

تمام کبیرہ گناہوں میں شرک سب سے کبیرہ گناہ ہے۔علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا توحید ربوبیت کو ختم کرنے، توحید الوہیت کو ناقص قرار دینے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ظن کے مترادف ہے''۔اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا اور اپنی مخلوق کی خیر خواہی کے لئے فرمایا: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ کے منکر اوروں کو اللہ کے برابر کرتے ہیں''۔ (الانعام:۱)۔ اور سورۂ لقمان میں فرمایا: (ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے''۔لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر شرک جیسے گناہ کو بغیر توبہ کئے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔

جن اُمور کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا جاتا ہے اور جن اُمور کی توقع کی جاتی ہے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے اُمید اور توقع ختم کر لینا نا اُمیدی کہلاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ سوءِ ظن کی بدترین مثال

ہے۔اس کی رحمت لازوال سے نا اُمیدی اس کی جُودت بے پایاں سے قنوطیت اور اس کی مغفرت لابدی سے صرفِ نظر کر لینے کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

انسان کو مہلت پر مہلت دیتے جانا، اور اس کے دل سے ایمان کی دولت کو سلب کر لینا، یہ اس بات کی علامت ہے کہ انسان اللہ کے بارے میں بڑا جاہل اور بیوقوف ہے اور اپنے بارے میں خود فریبی میں مبتلا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ زیر بحث حدیث میں صرف تین کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے۔اس کے علاوہ بھی بہت سے کبیرہ گناہ ہیں۔ کتاب وسنت میں ان تین کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے یہ تمام کبیرہ گناہوں میں سر فہرست ہیں۔ محققین علمائے کرام ومحدثین عظام کی تصریحات کے مطابق کبیرہ گناہ کے متعلق مندرجہ ذیل اصول سامنے رکھنے چاہئیں کہ: ☆ ہر گناہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ جہنم کی وعید سنائے۔ ☆ یا جس کے مرتکب کو ملعون قرار دیا جائے۔ ☆ یا اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کی وعید سنائی جائے۔ ☆ یا بقول امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایمان کی نفی کی جائے۔ وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ ☆ وہ بھی کبیرہ گناہ ہے جس کے مرتکب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی برات کا اظہار کر دیں۔ ☆ یا جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما دیں کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ تقریباً سات سو تک پہنچتے ہیں جن میں سے یہ اکبر الکبائر ہیں لیکن یہ اصول یاد رکھنا چاہیئے کہ استغفار کرنے پر کوئی کبیرہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اس پر اصرار کیا جائے تو کوئی صغیرہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا''۔

و عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ **قَالَ اَکْبَرُ الْکَبَآئِرِ اَلْاِشْرَکُ بِاللّٰہِ وَ الْاَمْنُ مِنْ مَّکْرِ اللّٰہِ وَ الْقُنُوْطُ مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ وَ الْیَاسُ مِنْ رُّوْحِ اللّٰہِ** (رواہ عبدالرزاق)۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اُس کے مکر سے بے کوف ہونا، اُس کی رحمت اور اس کے کرم سے نا اُمید اور مایوس ہونا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔

زیر بحث حدیث میں خاص طور پر اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ انسان کو خوف اور رجاء کے درمیان رہنا چاہیئے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو اُس کی رحمت سے مایوس اور بد دِل نہ ہو بلکہ اُس کی رحمت کی اُمید کا چراغ دِل میں روشن رکھے۔سلف صالحین پسند کرتے تھے کہ صحت میں خوف غالب رہے اور بیماری میں اُمید غالب ہو جائے۔ ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی طریقہ اور یہی دستور تھا۔ بلکہ وہ فرماتے تھے کہ

''دل پر خوف کا غلبہ ہونا چاہیئے کیونکہ اگر خوف پر رجا غالب آ گئی تو دِل کی دُنیا میں فساد برپا ہو جائے گا''۔

مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی میں خوف کو اُمید سے مقدم گردانا گیا ہے اور پہلے ذکر کیا گیا ہے فرمایا: (ترجمہ) ''جو لوگ بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں یقیناً ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر''۔ (الملک:۱۲)۔ ''وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دِل الٹنے اور دید کے پتھرا جانے کی نوبت آ جائے گی''۔ (النور:۳۷)۔ ''اور جو دے سکتے ہیں دیتے ہیں اور اُن کے دِل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔ یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے اور ان کے لئے آگے نکل جاتے ہیں۔ (المؤمنون:۶۰ تا ۶۱)۔ ''کیا جو رات کے اوقات میں سجدے اور قیام سے اللہ کی عبادت کرتا ہے اور آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا اُمیدوار ہے''۔ (الزمر:۹)۔

باب

من الایمان باللہ الصبر علی اقدار اللہ

اس باب میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کیا جائے۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (التغابن:۱۱)۔

جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو، اللہ اُس کے دِل کو ہدایت بخشتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تقریباً نوے مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا ہے۔ صحیح مسلم اور مسند امام احمد کی ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ صبر ایک نور ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ صبر سے بہتر اور وُسعت پذیر چیز کسی کو نہیں دی گئی، اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں ''ہم نے اپنی زندگی کے اُس حصہ کو بہتر پایا جس میں صبر ہے''۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ایمان میں صبر کو وہی مقام حاصل ہے جو انسان کے بدن میں سر کو ہے یہ کہہ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا دیکھو اُس شخص کا ایمان ہی نہیں جس میں صبر کی صلاحیت نہیں ہے''۔

صبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے نفس پر ضبط کرے، زبان کا صبر یہ ہے کہ شکوہ وشکایت کے الفاظ زبان سے نہ نکلیں اور اعضاء کا صبر یہ ہے کہ مصائب ومشکلات کے وقت اپنے چہرے کو نہ نوچا جائے، نہ گریبان چاک کیا جائے۔صبر تین اُور سے تعبیر ہے: ۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو عملی جامہ پہنانا۔ ۲۔اللہ تعالیٰ کے منع کردہ اُمور سے مجتنب رہنا اوران کو ترک کرنا۔اور ۳۔مصائب ومشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا۔

اس آیت کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ (التغابن:۱۱) کوئی مصیبت کبھی نہیں آتی مگر اللہ کے اِذن ہی سے آتی ہے۔یعنی ہر قسم کی مصیبت اور آزمائش اللہ تعالیٰ کی مشیت، ارادے اور اس کے حکم کے بعد ہی انسان کو پہنچتی ہے، ایک آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے: (ترجمہ) ’’کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں نہ لکھ رکھا ہو، ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان کام ہے‘‘۔(الحدید:۲۲)۔سورۂ بقرہ میں فرمایا: (ترجمہ) ’’جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے، انہیں خوشخبری دے دو کہ اِن پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی۔اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رَو ہیں۔(البقرۃ:۱۵۵تا۱۵۷)۔

یعنی جو شخص مصائب ومشکلات میں گھر جائے اور یہ سمجھے کہ یہ مصائب وآلام اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر ہی سے نازل ہوئی ہیں، پھر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور اجر وثواب کا اُمیدوار رہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر رضامند ہو کر اُسے تسلیم کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل کو ثابت قدم بھی رکھتا ہے اور صراطِ مستقیم سے بھی دُور نہیں جانے دیتا اور نتیجتاً جو کچھ اُس سے ضائع ہو جاتا ہے، اللہ اُس سے کہیں زیادہ عطا فرما دیتا ہے، اس کا دل نورِ ہدایت سے منور ہو جاتا ہے اور صدقِ یقین کی بے مثل دولت اُس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔آیت کے اس ٹکڑے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا صبر کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے اس علم کے مطابق ہوتا ہے جو اس کی حکمت کو شامل ہے جس کی وجہ سے انسان صبر ورضا کا مظاہرہ کرتا ہے۔

قال علقة رحمہ اللہ هُوَ الرَّجُلُ تُصِيۡبُهُ الۡمُصِيۡبَةُ فَيَعۡلَمُ اَنَّهَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ فَيَرۡضٰى وَ يُسَلِّمُ

جناب علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ شخص ہے جسے کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ سمجھے کہ یہ مصیبت اللہ کی طرف سے ہے اس لئے اس پر خوش ہو اور دِل کی گہرائیوں سے اُسے تسلیم کرے۔

یہ قول اعمش نے ابی ظبیان سے یوں نقل فرمایا ہے کہ: ''ہم ایک موقع پر علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی ''وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ '' تو جناب علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اس سے وہ شخص مراد ہے جو کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے اور یہ سمجھ کر کہ یہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس پر راضی رہے اور اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرے''۔ جناب علقمہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ثابت ہوا کہ اعمال ایمان کا جزو ہیں۔

اس آیت کا مطلب سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ صبر کرنا دِل کی ہدایت اور روشنی کا ذریعہ بنتا ہے اور صابرین کے لئے یہ بہت بڑا اجر ہے۔

و فی صحیح مسلم عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِثْنَتَانِ فِی النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ اَلطَّعْنُ فِی النَّسَبِ وَ النِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں دو باتیں کفر کی ہیں ایک کسی کے حسب و نسب پر طعن کرنا، دوسرے میت پر بین کرنا۔

یعنی یہ دونوں چیزیں لوگوں میں کفر کا بقایا ہیں کیونکہ یہ جاہلیت کے اعمال میں سے ہیں اور یہ لوگوں میں موجود رہتی ہیں اور ان سے وہی شخص بچ سکتا ہے جسے اللہ بچائے اور علم عطا فرمائے اور ایسا نورِ ایمانی بخشے جس سے وہ روشنی حاصل کرے، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جس آدمی میں کفر کا ایک شعبہ ہو وہ کافر مطلق کی طرح نہیں ہوتا جیسا کہ وہ آدمی جس میں ایمان کی ایک شاخ ہو وہ مطلق مومن کی طرح نہیں ہوتا اور کفر نکرہ اور معف باللام کے اثبات میں بہت بڑا فرق ہے۔

حدیث کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو نسب کی بنا پر حقیر سمجھنا یا اس کا نسب نامہ معلوم ہوتے ہوئے اُسے کسی دوسرے شخص کا بیٹا قرار دینا۔ کسی رشتہ دار کی موت پر بین کرنا اور لوگوں کے سامنے اس کے فضائل و محاسن بیان کرنا، بین کہلاتا ہے۔ اس قسم کے بین کرنا اور میت کے اوصاف ظاہر کرنا وغیرہ اُمور تقدیر الٰہی پر عدمِ رضا اور صبر کے سراسر منافی ہے۔ نیاحۃ میں اس قسم کے بول بولنا مراد ہے کہ ''مرنے والا میرا دایاں بازو تھا اور یہی میرا پشت پناہ تھا''۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صبر کرنا واجب ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک کفر ایسا بھی ہے جس کے ارتکاب سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا۔

و لهما عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعا لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُیُوْبَ وَ دَعَا بدَعْوَی الْجَاهِلِيَّةِ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنا چہرہ نوچے، کپڑے پھاڑے اور جاہلیت جیسے بول بولے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

یہ حدیث اُن نصوص میں سے ایک ہے جن میں وعید سنائی گئی اور تنبیہ کی گئی ہے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنا صحیح نہیں ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں گناہوں کے بارے میں ڈر اور خوف پیدا ہو اور لوگ ان برے اور مکروہ اعمال سے باز رہیں۔ یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مذکورہ حدیث میں جن افعالِ قبیحہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ کمال توحید کے منافی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''رُخسار کا اس لئے خاص طور پر ذکر فرمایا کہ اکثر لوگ رُخسار ہی پر ہاتھ مارتے ہیں ورنہ چہرے کا کوئی حصہ پیٹنا بھی اسی قبیل میں داخل ہے''۔

جیوب گریبان کو کہتے ہیں، گریبان پھاڑنا، اہل جاہلیت کی پرانی رسم ہے مرنے والے کے غم میں ایسا کیا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میت پر نوحہ کرنا زمانہ جاہلیت کی عادت ہے''۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اپنی قبائلی رسوم کی طرف لوگوں کو بلانا اور ان کو زندہ کرنا عصبیت کی دعوت دینا ہے۔ کسی خاص مسئلے میں اپنے علماء اور مشائخ کے بارے میں تعصب سے کام لینا، بعض علماء کو بعض پر ایک خاص نوعیت کی فضیلت دینا، علماء و مشائخ کی وجہ سے ایک دوسرے سے دشمنی اور دوستی قائم کرنا، سب جاہلیت کی رسوم ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں''۔

ابن ماجہ میں ایک حدیث سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ زخمی کرنے والی، گریبان پھاڑنے والی اور بین کرنے والی عورت پر لعنت کی ہے''۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ افعال کبیرہ گناہوں سے ہیں۔ دوسرے بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص قضاء وقدر پر برافروختہ نہ ہو اور بین وغیرہ کرنے کی نیت بھی نہ ہو اور بات بھی جھوٹی نہ ہو تو ان افعال میں سے اگر معمولی فعل اتفاقاً سرزد ہو جائے تو وہ قابل مواخذہ نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بعض صحابہ جیسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس قسم کی معمولی سی بات کا اظہار ثابت ہے جس کی تصریح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کی ہے۔

ان احادیث میں رونے کی نفی نہیں کی گئی کیونکہ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا فرمائے تھے: (ترجمہ) ''آنکھوں میں آنسو ہیں اور دل غمگین ہے۔ بایں ہمہ ہم زبان سے ایسا کوئی لفظ نہیں نکالیں گے جس سے اللہ ناراض ہو جائے۔ اے ابراہیم! تیری جدائی کی وجہ سے ہم پر حزن و ملال طاری ہے''۔

صحیح بخاری و مسلم میں سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ اپنی ایک بیٹی (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا) کے ہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ اُس کا لڑکا موت و حیات کی کش مکش میں ہے۔ بیٹی نے بچے کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی گود میں دے دیا۔ بچے کا سانس اس طرح چل رہا تھا جیسے دھونکنی۔ یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بولے یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے آپ ﷺ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ رحمت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دِلوں میں رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں پر ہی رحم کرتا ہے جو خود دُوسرے پر رحم کرتے ہیں''۔

عن انس رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا وَ اِذَا اَرَادَ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ اَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتّٰى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ قَالَ ﷺ اِنَّ عِظَمَ الْجَزَآءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا اِبْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَ مَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے خیر خواہی کرنا چاہتا ہے تو اُس کے گناہوں کی سزا جلدی اِسی دنیا میں دے دیتا ہے۔ اور جب کسی سے برائی چاہتا ہے تو اُس کے گناہ کی سزا قیامت تک کے لئے روک لیتا ہے تاکہ اُسے پوری سزا دی جا سکے۔ رحمت دو عالم ﷺ نے مزید فرمایا کہ جتنی بڑی مصیبت ہوگی اتنا ہی اجر زیادہ ہوگا اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اُنہیں آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ پس جو شخص آزمائش میں اللہ پر راضی رہا اُس کے لئے اللہ کی رضا اور جو شخص ناخوش ہوا اُس پر اللہ تعالیٰ بھی ناخوش ہوگا۔

فیہ مسائل

☆ صبر کرنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا ایک حصہ ہے۔ ☆ اُس شخص کو سخت وعید اور ڈانٹ پلائی گئی ہے جو

مصیبت اور مشکل کے وقت اپنے چہرے کو نوچے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی سی آہ و بکا کرے۔ ☆ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتا ہے اُس کی علامت اور نشانی۔ ☆ جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ برائی کا ارادہ کرے اُس کی علامت۔ ☆ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص سے محبت کرنا چاہتا ہے تو اُس کی علامت۔ ☆ ناراضگی کی حرمت۔ ☆ مصائب و مشکلات میں محصور ہو جانے پر رضا کا اجر و ثواب۔

باب

ما جآء فی الریاء

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ریا کاری ہر لحاظ سے قابل مذمت ہے اور اس سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

قول اللہ تعالیٰ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الکھف:۱۱۰)

کہہ دو اے محمد (ﷺ) کہ میں تو ایک اِنسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک اللہ ہی ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو، اُسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے نام یہ فرمان جاری کیا کہ آپ ﷺ یہ اعلان کر دیں کے میرے اندر نہ ربوبیت ہے اور نہ الوہیت کی کوئی صفت ہے، بلکہ یہ دونوں صفتیں صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے لئے مختص ہیں اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا متمنی ہو، اُسے اعمالِ صالحہ کرنے چاہئیں اور اُس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ آیت کا آخر لفظ ''اَحَدًا'' ہے جو نحوی لحاظ سے سیاقِ نہی میں نکرہ استعمال ہوا ہے اس میں عمومیت پائی جاتی ہے جس میں انبیاء، ملائکہ، صالحین اور اولیائے کرام وغیرہ سب شامل ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''علمائے سلف وخلف میں سے اکثر نے لِقا کے یہ معنی کئے ہیں کہ مومن آدمی اللہ تعالیٰ کو بالمشافہ اور سامنے دیکھے گا''۔ شیخ الاسلام نے رویت پر دلائل بھی ذکر فرمائے''۔

پیشِ نظر آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں واحد اور یکتا ہے اسی طرح اُس کی عبادت میں بھی کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ عمل صالح وہی ہوتا ہے جس میں ریا کاری اور سُمع کو قطعاً دخل نہ ہو اور اُس کو سنت کے مطابق انجام دیا جائے''۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اصل دین جس کی تبلیغ واشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، وہ یہ تھا کہ تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کو واحد و یکتا سمجھا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اُس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تم لوگ میری ہی عبادت کرو''۔ (الانبیا: ۲۵)۔

اس اصولی دعوت کا انکار کرنے والوں کی کئی قسمیں ہیں: ☆ یا تو وہ کوئی طاغوت ہے جو اللہ کی الوہیت اور ربوبیت میں رخنہ اندازی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی عبادت کے لئے لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ ☆ یا ایسا طاغوت ہے جو غیر اللہ کی عبادت کے لئے لوگوں کو بلاتا ہے۔ ☆ یا وہ مشرک ہے جو اللہ کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کو بھی پکارتا ہے اور کئی قسم کی غیر شرعی عبادات کی وجہ سے اس غیر کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ☆ یا ایسا شخص ہے جسے توحید میں شک وشبہ ہو، یعنی اس کے دِل میں یہ شبہ ہو کہ آیا اللہ ہی سچا ہے یا اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا جائے؟ ☆ یا وہ شخص ہے جو بالکل عقل وخرد سے خالی اور کورا ہے، جو شرکیہ اعمال کو شریعت سمجھتا ہے اور شرک کو قربِ الٰہی کا ذریعہ خیال کرتا ہے۔

اس آخری قسم میں اُمتِ محمدیہ کی اکثریت گرفتار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ علم سے بہت دُور ہیں اور تقلید کے پھندے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ دین اسلام اپنی بے بسی پر نوحہ کناں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو لوگ بالکل بھول گئے ہیں۔

و عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ مرفوعا قال اللہ تعالیٰ اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَآءِ عَنِ الشِّرْکِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَکَ مَعِیَ فِیْهِ غَیْرِیْ تَرَکْتُهٗ وَ شِرْکَهٗ (رواہ مسلم)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمام شرکت والوں سے زیادہ بے پرواہ ہوں شرک سے۔ جو شخص کوئی ایسا کام کرے جس میں میرے ساتھ کسی غیر کو شریک کرے تو میں اُسے اور اُس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔

یہ حدیث قدسی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق میں سے کسی کی رضاء کے لئے

کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اُس سے اور اُس کے عمل بد سے بیزار ہوں، میرا اِن دونوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''میں ایسے شخص کے عمل سے بیزار ہوں اور وہ اُس کے لئے ہوگا جس کی خاطر شرک کیا ہے''۔

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اعمال جو کسی غیر اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں اُن کی کئی قسمیں ہیں: کچھ اعمال تو ایسے ہوتے ہیں جو صرف ریا کاری کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں جیسے منافقین کے اعمال۔ اِن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جب نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں'' (النساء:۱۴۲)۔

ریا کاری کی یہ قسم مومنین کے فرض روزوں میں پیدا نہیں ہوسکتی بلکہ صدقات وخیرات اور حج وغیرہ اعمال میں جن کا ظاہر سے تعلق ہے اس کا پایا جانا ممکن ہے۔ یا اِن اعمال میں جن کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے ایسے اعمال میں اخلاص اِنتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک مسلمان کو قطعاً شک نہ کرنا چاہیئے کہ اس قسم کی ریا کاری اعمال کو ضائع کر دیتی ہے۔ اور ایسا ریا کار شخص اللہ تعالیٰ کی سزا اور اُس کی ناراضگی کا سزاوار ہے۔

کچھ اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کئے جاتے ہیں لیکن ان میں ریا کاری کا دخل ہوتا ہے ایسے اعمال میں اگر ریا کاری غالب آجائے تو نصوصِ شرعیہ سے ثابت ہے کہ یہ عمل باطل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ زیر نظر حدیث سے واضح ہے۔ اس کی تائید میں دوسری حدیث مسند امام احمد میں ہے جس کو شداد بن اوس سے امام صاحب نے مرفوعاً روایت کیا ہے، اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو شخص دکھلاوے کی نماز پڑھتا ہے یا دکھلاوے کا روزہ رکھتا ہے یا دکھلاوے کا صدقہ وخیرات کرتا ہے تو اُس نے شرک کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مجھ سے شرک کرے تو میں اپنے شریک سے بہترین حصہ دار ہوں جو میرے ساتھ کسی کو شریک کرے تو اُس کے عمل کی ہر کوشش اور اس کا ہر کم وبیش اُس کے اُس شریک کے لئے ہے جس کو اُس نے میرا شریک بنایا، میں اُس سے بے نیاز ہوں''۔ (مسند احمد)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر بہت سی احادیث ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''اگر جہاد کے عمل میں ریا کاری کے علاوہ کوئی دوسری نیت کارفرما ہو جیسے خدمت کا معاوضہ یا حصولِ غنیمت کا احساس پیدا ہوجائے یا سفر جہاد میں مالِ تجارت ساتھ لے لے تو ایسی صورت میں یہ عمل بالکل ضائع نہ ہوگا بلکہ جہاد کے اجر وثواب

میں کمی واقع ہو جائے گی''۔

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا کہ: ''تجارت کرنے والے، مزدوری کرنے والے اور کرایہ پر کام کرنے والے کو جہاد میں اسی قدر اجر ملے گا جس قدر اُس کی نیت خالص ہوگی اور ان کو وہ درجہ نہ ملے گا جو ایسے آدمی کا ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے''۔

وہ شخص جو مزدوری لے کر جہاد میں شرکت کرتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''ایسا شخص اگر صرف روپے پیسے کی غرض سے جہاد میں شرکت نہیں کرتا بلکہ اُس کی نیت اعلائے کلمۃ اللہ بھی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس شخص کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو اپنا قرض وصول کرنے کے لئے نکلا۔ اگر مل گیا تو ٹھیک ورنہ اللہ اللہ خیر سلا''۔ مسند احمد میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی تم میں سے جہاد کا مصمم اراد کر لے ور پھر اللہ اسے رزق بھی عنایت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور تم میں سے وہ شخص جسے روپیہ پیسہ مل جائے تو جنگ میں شریک ہو جاتا ہے اور اگر کچھ نہ دیا جائے تو شرکت نہیں کرتا ایسے شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول منقول ہے، وہ کرایہ کے اونٹوں والے اور مزدور اور تاجر کے حج کے متعلق فرماتے ہیں کہ: ''یہ حج مکمل ہے۔ ان کے اجر و ثواب میں کمی نہ ہوگی''۔ کیونکہ سفر حج کا مقصد صرف حج کرنا تھا، کاروبار مقصود نہ تھا۔ پھر فرماتے ہیں: ''ابتداء میں نیت خالص تھی، بعد میں ریا پیدا ہوگئی، تو اس صورت میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر ریا کار کا خیال آیا اور پھر ختم ہو گیا تو ریا کاری کا وقتی طور پر آ جانا اجر میں خارج نہ ہوگا اور اگر ریا کاری کا حملہ بدستور قائم ہے تو اس صورت میں کیا یہ عمل ضائع ہو جائے گا یا اس کی پہلی نیت پر اجر مرتب ہو گا؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے''۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ عمل ضائع نہیں ہوگا بلکہ اس کی ابتدائی نیت کے مطابق اسے اجر و ثواب حاصل ہوگا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث اس مفہوم کی مزید وضاحت کرتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کے عمل حسنہ پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مومن کو دنیا میں یہ پہلی خوشخبری ملی ہے''۔ (صحیح مسلم)۔

و عن ابی سعید رضی اللہ عنہ مرفوعاً اَلَآ اُخبِرُکُم بِمَا هُوَ اَخوَفُ عَلَیکُم عِندِیْ مِنَ الْمَسِیحِ الدَّجَّالِ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الشِّرکُ الْخَفِیُّ یَقُوْمُ الرَّجُلُ فَیُصَلِّیْ فَیُزَیِّنُ صَلٰوتَهٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَّظرِ رَجُلٍ (رواہ احمد)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس کا خوف مجھے تم پر مسیح دجال سے بھی زیادہ ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہاں ضرور بتائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شرک خفی ہے۔ وہ اِس طرح کہ کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو، پھر اپنی نماز کو محض دکھلاوے کے لئے عمدہ طریق سے ادا کرے۔

صحیح ابن خزیمہ میں محمود بن لبید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ''ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اے لوگو! شرک خفی سے بچو'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرک خفی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ''شرک خفی یہ ہے کہ انسان نماز پڑھنے لگے تو دوسروں کے لئے نماز کو اچھی طرح ادا کرے''۔

اس شرک کو خفی اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان لوگون کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کا یہ عمل خالص اللہ کے لئے ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بباطن وہ غیر اللہ کے لئے انجام دے رہا ہے، کیونکہ وہ نماز اس لئے ٹھیک ادا کررہا ہے کہ اُسے لوگ دیکھ رہے ہیں۔ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ترین دَور میں ہم ریاکاری کو شرکِ اصغر سمجھا کرتے تھے''۔ (ابن جریر فی التہذیب)۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''شرک اصغر میں مندرجہ ذیل افعال، اعمال اور اقوال سرفہرست ہیں: ☆ معمولی قسم کی ریاکاری۔ ☆ کسی کام کو دکھلاوے کی غرض سے اچھا کرنا۔ ☆ غیر اللہ کی قسم اٹھانا۔ ☆ ایک دوسرے کو یہ کہنا ''وہی ہوگا جو اللہ چاہے اور تم چاہو گے''۔ ☆ یہ اللہ تعالیٰ اور آپ کی طرف سے ہے۔ ☆ میں اللہ تعالیٰ اور آپ کے ساتھ ہوں۔ ☆ میرے لئے اللہ تعالیٰ اور آپ کافی ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ اور آپ پر ہی میرا اعتماد ہے۔ ☆ اگر اللہ تعالیٰ اور آپ نہ ہوتے تو یہ کام نہ ہوتا۔ مندرجہ بالا اُمور بعض اوقات شرکِ اکبر کا مقام بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ اس میں کہنے والے کے عقیدہ کو بہت بڑا دخل ہے''۔

اس امر میں کسی بھی اختلاف نہیں ہے کہ صحت عمل اور اس کی قبولیت میں اخلاص کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اخلاص کے ساتھ ساتھ عمل کا مطابق سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا بھی عظیم ترین شرط ہے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ آیت لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''عمل خالص بھی ہو اور صواب بھی ہو''۔ دوستوں نے عرض کی کہ خالص اور صواب میں کیا فرق ہے؟ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''خالص یہ ہے کہ وہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کیا جائے اور صواب یہ ہے کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو۔ اگر عمل خالص ہو لیکن صواب نہ ہو یا صواب ہو اور خالص نہ ہو تو قبول نہیں ہوتا''۔

زیرِ نظر حدیث میں بہت سے فوائد پنہاں ہیں مثلاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و محبت اُمت کے ساتھ، اُمت کی خیر خواہی۔ صالحین اُمت کے لئے ریاکاری کو فتنہ دجال سے بھی زیادہ خطرناک محسوس فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق قوت ایمانی کے باوجود ریاکاری کا خطرہ محسوس کیا تو ان کے بعد آنے والے حضرات کی کیا وقعت اور حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ بعد میں آنے والے افراد اُمت تو بالاولیٰ شرکِ اکبر اور شرک اصغر میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

فیہ مسائل

☆عمل صالحہ میں جب غیر اللہ کی رضا کا دخل ہو جائے تو اس کے ضائع ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ ☆غیر اللہ کی رضا والے عمل کے ضائع ہونے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی مستغنی اور بے پرواہ ہے۔ ☆اس کے ضائع ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام شرکاء سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں خطرہ محسوس کرنا کہ کہیں ان کے قلوب میں ریاکاری کے جراثیم نہ پیدا ہو جائیں۔ ☆ ریاکاری کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ ارشاد فرمائی کہ انسان نماز کو خالص اللہ کے لئے صحیح طور پر اطمینان سے اس لئے ادا کرے کہ لوگ اسے دیکھ رہے ہیں

باب

مِنَ الشِّرْكِ اِرَادَةَ الْاِنْسَانَ بِعَمَلِهِ

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان اگر دنیوی اغراض

کے پیشِ نظر کوئی عمل کرے تو یہ بھی شرک کی تعریف میں آتا ہے۔

قوله تعالیٰ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَ زِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَ هُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ‌ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِيۡهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ

جو لوگ بس اِسی دُنیا کی زندگی اور اس کی خوشنمائیوں کے طالب ہوتے ہیں ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں اُن کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ مگر آخرت میں ایسے لوگوں کیلئے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (وہاں معلوم ہو جائے گا کہ) جو کچھ اُنہوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیامیٹ ہو گیا اور اب ان کا سارا کیا دھرا محض باطل ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں اور اس سے پہلے کے ترجمہ باب میں کیا فرق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ یہ دونوں حقیقت میں مشترک ہیں کہ جب انسان اپنے کسی عمل سے لوگوں کی نظر میں اپنے لئے تزین وتصنع اور ثنا و توصیف کی توقع رکھے تو، جیسا کہ پہلے باب میں منافقین کے سلسلے میں گزر چکا ہے، یہ ریاکاری ہے۔ لوگوں کے سامنے اظہارِ تصنع کر کے طلبِ دنیا کرنا اور ان سے مدحت و تکریم کے خواہاں ہونا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ اس نے اگرچہ نیک عمل کیا مگر ریاکاری اس میں تفریق پیدا کر دے گی۔ کیونکہ اس سے اُس نے ساز و سامانِ دنیا کی تمنا کی۔ مثلاً حصولِ مال کے لئے جہاد کیا، جیسا کہ حدیث میں ہے: ''بندۂ دینار ہلاک ہو گیا''۔ یا غنیمت اور دیگر چیزوں کو حاصل کرنے کی غرض سے میدانِ جہاد میں نکلا جیسا کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنی گفتگو کے آغاز میں قرآنِ مجید کی اس آیت: (ترجمہ) کہ ''جو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا طالب ہے'' کے معنی و مفہوم کے سلسلہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ و دیگر مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں۔

اس ترجمہ اور اس سے بعد کے ترجمہ سے مصنف رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے لئے کوئی عمل کرنا شرک ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کمالِ توحید کے منافی ہے اور اس سے ذخیرۂ اعمال ضائع ہو جاتا ہے۔ اعمال کے معاملے میں مفادِ دنیا کے حصول کی طلب کا جذبہ دِل میں پیدا کرنا بہت بڑی ریاکاری ہے اور ایسے شخص کے کردار پر دُنیا مسلط ہو جاتی ہے جس سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی اور مومن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اس قسم کے اُمور سے ہمیشہ دامن کشاں رہتا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں کہ:''جو شخص دنیاوی زندگی میں اپنے اعمال کا بدلہ اور اس کی زیب وزینت کی خواہش کرتا ہے، ہم اُس کے اعمال کا بدلہ صحت وتندرستی، اہل وعیال اور مال ومتاع میں مسرت وبہجت کی صورت میں عطا کرتے ہیں اور وہ اس میں گھاٹے میں نہیں رہتے''۔

مندرجہ بالا آیت عام تھی اور اس کو درج ذیل آیت نے خاص اور مقید کر دیا کہ: (ترجمہ)''جو کوئی دنیا کا خواہشمند ہو اُسے یہیں ہم دے دیتے ہیں جو کچھ بھی جسے دینا چاہیں''۔ جناب قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''جس شخص کی نیت، خواہش اور مقصود صرف دنیا ہی ہو، اللہ تعالیٰ اُس کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں چکا دیتا ہے۔ ایسا شخص دنیا سے خالی ہاتھ جاتا ہے۔ اس کے اعمال نامہ میں کوئی قابل ذکر عمل نہیں ہوتا جس کا اسے معاوضہ ملنا باقی ہو، البتہ مومن کو دنیا میں بھی اعمال حسنہ کا بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں بھی وہ اجر جزیل کا حقدار رہو گا''۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث بیان کرتے ہیں:''شفی بن ماتع اصبحی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے اندر ایک شخص کے اردگرد کثیر تعداد میں لوگ جمع ہیں۔ پوچھا کہ لوگوں نے کس شخص کو گھیر رکھا ہے؟ جواب دیا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ درسِ حدیث دے رہے ہیں۔ شفی بن ماتع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں بالکل قریب جا کر اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔ جب درس ختم ہوا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے اللہ کی قسم دے کر یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے وہ حدیث سنائیں جو آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی اور یاد کی ہو۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بولے: میں آپ کو وہی حدیث سناؤں گا جو میں نے اس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی تھی۔ اس وقت میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور شخص نہ تھا۔ یہ کہہ کر وہ بیہوش ہو گئے۔ کافی دیر بعد سنبھلے اور فرمانے لگے کہ آج میں تم کو وہی حدیث سناؤں گا جسے میں نے اس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا تھا اور اُس وقت میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ یہ کہہ کر پھر بیہوش ہو گئے۔ کافی دیر بعد ہوش میں آئے تو فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عرشِ عظیم سے اُتر کر اپنے بندوں کے پاس آئے گا تاکہ ان کا فیصلہ کر دیا جائے اور ہر اُمت گھٹنوں کے بل گری ہو گی۔ سب سے پہلے ان تین اشخاص کو بلایا جائے گا۔ قاری قرآن کو، شہید فی سبیل اللہ کو اور مالدار کو۔ سب سے پہلے قاری قرآن سے سوال ہو گا کہ میں نے جو قرآن اپنے رسول پر اتارا تھا کیا تجھے اس کا علم نہیں سکھایا؟ قاری کہے گا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ سوال کرے گا، علم کے مطابق عمل کیا؟ قاری جواب دے گا

اے رب کریم میں نے تمام دن اور رات تلاوت کرتا رہتا تھا اللہ تعالیٰ کے گا، تو جھوٹ بولتا ہے۔ فرشتے بھی یہی کہیں گے، تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تو اس لئے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں وہ دُنیا میں کہا جا چکا۔ مالدار شخص کو پیش کیا جائے گا اور سوال ہوگا، کیا تم کو اتنی وسعت مال نہ دی گئی کہ تو کسی کا محتاج نہ رہا؟ وہ جواب دے گا اے اللہ تو بالکل ٹھیک اور صحیح کہتا ہے! اللہ تعالیٰ پوچھے گا، جو کچھ تم کو ملا اُس کے مطابق عمل کیسا کیا؟ بندہ جواب دے گا کہ اے رب کریم! میں صلہ رحمی کرتا اور صدقہ دیتا رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تم جھوٹ کہتے ہو۔ فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہے گا تمہارا ارادہ یہ تھا کہ تمہیں سخی کہا جائے چنانچہ یہ دنیا میں کہا جا چکا۔ اب اس شخص کو پیش کیا جائے گا جو اللہ کی راہ میں شہید ہوگیا۔ اللہ کریم پوچھے گا، تم کیوں قتل ہوئے؟ بندہ جواب دے گا، اے رب کریم! تو نے جہاد کا حکم دیا اور میں تیرے راستہ میں دین کے دُشمنوں سے لڑ کر شہید ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹ بولتا ہے۔ فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرا ارادہ یہ تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں اور وہ کہا جا چکا۔ یہ واقعہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) یہی وہ تین قسم کے افراد ہیں جن کو قیامت کے دِن سب سے پہلے جہنم کی آگ جلائے گی۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ سے زیر نظر آیت کریمہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس پر سیر حاصل بحث کی اور اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی، جن کا خلاصہ ہم قارئین کریم کے سامنے پیش کرتے ہیں؛ آپ نے فرمایا: ''سلف سے کچھ اعمال ایسے منقول ہیں جن پر عوام عمل کرتے ہیں مگر ان کا مطلب اور مفہوم نہیں سمجھتے مثلاً: ☆ جب ایک شخص کوئی عمل صالح اللہ کی رضا کے لئے انجام دیتا ہے جیسے صدقہ وخیرات، روزہ، نماز، رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور اُن سے حسن سلوک، یا کسی پر ظلم کرنے سے رُک گیا۔ علیٰ ھٰذا القیاس بہت سے اعمالِ حسنہ کرتا ہے لیکن ان اعمال کی بجا آوری میں آخرت کے اجر وثواب کا متمنی نہیں ہوتا بلکہ چاہتا ہے کہ دُنیا میں ہی اُسے اس کا بدلہ مل جائے جیسے کہ وہ اپنے مال ومتاع کی حفاظت کا خواہشمند ہو، اس میں اضافے کا طلبگار ہو، اپنے اہل وعیال کی عزت وآبرو، ان کی حفاظت ذہن میں ہو اور چاہتا ہو کہ وہ عیش وآرام کی زندگی بسر کریں، ان اعمالِ حسنہ سے نہ تو وہ جنت کا طلبگار ہو اور نہ جہنم کے عذاب سے بچنے کی تمنا ہو۔ پس ایسے شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں چکا دیا جاتا ہے۔ اور آخرت میں اس کا قطعاً کوئی حصہ نہ ہوگا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس نوع کا ذکر فرمایا ہے۔ ☆ دوسری قسم پہلی قسم سے زیادہ خطرناک ہے، وہ یہ کہ انسان

عمل صالح انجام دے مگر نیت میں رِیا کاری اور لوگوں کو دکھلا وا ہو، آخرت میں کامیابی مدنظر نہ ہو۔ ☆ تیسری صورت یہ ہے کہ انسان اعمالِ صالحہ کی بجا آوری سے دنیاوی مال ومتاع کا خواہشمند ہو، جیسے سفر حج میں مال و متاع حاصل کرنا مقصود ہو، یا دنیا کے حصول کی خاطر، یا کسی عورت سے شادی رچانے کی غرض سے ہجرت کرے یا مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے جہاد جیسے حولِ عظیم میں جان خطرہ میں ڈال دے یا دینی تعلیم حاصل کرنے کی غرض یہ ہو کہ بال بچوں کا پیٹ پال سکے، یا قرآن کریم حفظ کر کے کسی مسجد کی امامت کا خواہشمند ہو، جس سے اسے اچھی خاصی تنخواہ ملنے کی توقع ہو، جیسا کہ آج کل علمائے کرام اور ائمہ مساجد کا دستور ہے۔ ☆ چوتھی قسم یہ ہے کہ عمل صالح تو رضائے الٰہی کے لئے کرے، لیکن ان اعمالِ حسنہ کے ساتھ ساتھ ایسا عمل بھی کر رہا ہو جس سے وہ دین اسلام سے خارج سمجھا جائے گا جیسے یہود ونصاریٰ کا عبادتِ الٰہی کرنا، ان کا روزے رکھنا، ان کا صدقہ وخیرات کرنا جس سے ان کی اصل مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا حاصل کرلیں اور آخرت میں کامران ہو جائیں۔ یا اسلام کا دعویٰ کرنے والے وہ افراد جو کفر وشرک میں مبتلا ہیں جس سے انسان دائرہ اسلام سے بالکل خارج ہو جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ کوئی ایسا عمل صالح کریں جس سے آخرت کے عذاب سے نجات اور اللہ کی رضا چاہتے ہیں لیکن افسوس کہ ان کے کفر وشرک میں ملوث اعمال کی وجہ سے ان کے اچھے اعمال بھی برباد ہو رہے ہیں۔

سلف صالحین رحمہم اللہ اس قسم کے اعمال سے بہت ڈرا کرتے تھے جن کی وجہ سے صحیح اور درست اعمال بھی ضائع ہو جائیں۔ ایک بزرگ کا قول مشہور ہے: ''اگر مجھے علم ہو جائے کہ میرا صرف ایک سجدہ اللہ تعالیٰ نے قبول کرلیا ہے تو میں موت کی آرزو کروں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ صرف متقین ہی کے اعمال قبول فرماتا ہے''۔ ☆ پانچویں اور آخری قسم یہ ہے کہ انسان پانچوں نمازوں کی پابندی، روزہ، حج، زکوۃ اور صدقہ و خیرات اللہ کی راضا اور اس کی خوشنودی کے لئے کرتا ہے اور آخرت میں اجر وثواب کا متمنی ہوتا ہے اس کے بعد کچھ ایسے اعمال کرتا ہے جن سے دنیا کا مال ومتاع حاصل کرنا مقصود ہو، جیسے فرض حج ادا کرنے کے بعد نفلی حج کرتا ہے جس سے دنیا کمانا مقصود ہو جیسا کہ اکثر لوگ آج کل کر رہے ہیں تو اس عمل پر اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔ بعض علمائے کرام نے لکھا ہے کہ قرآن کریم تین قسم کے لوگوں کا حال بیان کرتا ہے: ۱۔ اہل جنت، ۲۔ اہل جہنم کا۔ اور ۳۔ تیسری قسم اُن لوگوں کی ہے جن میں دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں، ان کے بارے میں قرآن کریم خاموش ہے۔ اس تیسری قسم میں مذکورہ بالا پانچویں قسم شامل ہے''۔

فی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْصَۃِ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْلَۃِ اِنْ اُعْطِیَ رَضِیَ وَ اِنْ لَّمْ یُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَ انْتَکَسَ وَ اِذَا شِیْکَ فَلَا انْتُقِشَ طُوْبٰی لِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعَنَانِ فَرَسِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ اَشْعَثَ رَاْسُہٗ مُغْبَرَّۃً قَدَمَاہُ اِنْ کَانَ فِی الْحِرَاسَۃِ کَانَ فِی الْحِرَاسَۃِ وَ اِنْ کَانَ فِی السَّاقَۃِ کَانَ فِی السَّاقَۃِ اِنِ اسْتَاْذَنَ لَمْ یُؤْذَنْ لَہٗ وَ اِنْ شَفَعَ لَمْ یُشَفَّعْ

صحیح (بخاری) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو روپے پیسے اور کپڑے لتے کا بندہ ہے وہ بدبخت ہے۔ اگر اُسے دے دیا جائے تو خوش، اگر نہ دیا جائے تو ناخوش۔ یہ بدبخت ہو اور ٹھوکر کھائے، اگر اُسے کانٹا لگے تو نہ نکالا جائے۔ خوشخبری ہو اس بندے کو کہ اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہے۔ پراگندہ سر، خاک آلود قدم۔ اگر پہرے پر ہے تو پہرے پر، اور اگر فوج کے پچھلے حصے میں ہے تو اِسی میں اپنی ذمہ داری نبھار ہا ہے اگر رخصت مانگے تو رخصت نہ ملے اور اگر سفارش کرے تو قبول نہ کی جائے۔

ہلاک ہو جانے، شقی اور بدبخت ہو جانے اور منہ کے بل گر جانے کو تَعِسَ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے لئے بددعا کرنا۔

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''طوبیٰ جنت کے مقامات میں سے ایک جگہ کا نام ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ جنت کے درختوں میں سے ایک درخت کا نام ہے''۔ طوبیٰ کو ایک درخت سمجھنے کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ابن وہب نے سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ طوبیٰ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جنت میں ایک درخت کا نام ہے، جس کے نیچے سو سال تک چلنے کی مسافت ہے، اس کے خرشوں سے اہل جنت کے کپڑے برآمد ہوں گے''۔ مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ مبارک ہے وہ جس نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ پر ایمان لے آیا۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لے آیا اس کے لئے طوبیٰ ہے اور وہ شخص جس نے مجھے دیکھا نہیں لیکن صرف سن کر ایمان لے آیا اس کے لئے تین بار طوبیٰ کی خوشخبری ہے۔ اُس شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ طوبیٰ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: طوبیٰ جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کا سایہ سو سال تک

چلنے کی مسافت ہے۔اس کے خوشوں سے اہل جنت کی پوشاکیں برآمد ہوں گی۔

صحیح بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں بھی احادیث مروی ہیں۔اس سلسلے میں علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجب وغریب اثر نقل فرمایا ہے، جسے ہم قارئین کرام کے استفادہ کے لئے یہاں پورا نقل کرتے ہیں۔وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے۔اُس کے سایہ میں گھڑ سوار سو سال تک بھی چلتا رہے تو اُس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔اُس کے پھول ریشمی کپڑے ہوں گے۔اُس کے پتے چادریں ہوں گی۔اُس کی ٹہنیاں عنبر کی ہوں گی۔اُس کے کنکر یاقوت ہیں۔ اُس کی مٹی کافور کی ہے۔اُس کا کیچڑ کستوری ہے۔اُس درخت کی جڑوں سے شراب، دودھ اور شہد کی نہریں نکلتی ہیں۔اہل جنت کے باہم مل بیٹھنے کی یہ جگہ ہے۔ایک دفعہ وہ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوں گے کہ اُن کے رب کی طرف سے فرشتے آ جائیں گے۔وہ بڑی تیز رفتار اونٹنیاں لائیں گے جن کی مہاریں سونے کی زنجیریں ہوں گی، اُن کے چہرے خوبصورتی کے لحاظ سے چراغ کی طرح روشن ہوں گے۔اُن کی اون نرمی میں مرعزی ریشم کی طرح ہوگی۔اُن پر کجاوے ہوں گے جن کی پھٹیاں یاقوت کی ہوں گی۔پالکیاں سونے کی ہوں گی۔ اُن کے اوپر سندس، استبرق ریشم کے کپڑے ہوں گے۔فرشتے اُن کو بٹھاتے ہوئے اہل جنت سے عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی زیارت اور اُسے سلام عرض کر لیں۔اہل جنت اُن گھوڑوں پر سوار ہو جائیں گے یہ گھوڑے پرندوں سے بھی زیادہ تیز رفتار چلیں گے۔بستر سے بھی زیادہ نرم ونازک ہوں گے۔وہ بغیر کسی تکلیف کے دوڑیں گے۔ہر ایک سوار اپنے ساتھی کے پہلو بہ پہلو باہم گفتگو کرتا ہوا جا رہا ہوگا۔کسی سوار کا کان دوسری سواری کے ساتھ نہ چھوئے گا۔کسی کا پہلو کسی کے پہلو سے نہ لگے گا۔چلتے چلتے اگر کہیں راستے میں کوئی درخت آ جائے تو خود وہ درخت راستے سے ہٹ جائے گا تاکہ ان دونوں بھائیوں میں دُوری پیدا نہ ہو جائے۔چلتے چلتے رحمٰن ورحیم کی بارگاہِ اقدس میں پہنچیں گے۔اللہ تعالیٰ اپنا روشن چہرہ اُن کے سامنے کھول دے گا۔تاکہ یہ لوگ اُس کے چہرے کو دیکھ لیں۔جب زیارت کر لیں گے تو کہیں گے کہ اے اللہ! تو ہی سلام ہے اور تجھ سے ہی سلامتی حاصل ہوتی ہے۔جلال واکرام کا صرف تو ہی حقدار ہے۔اہل جنت کی یہ بات سن کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں ہی سلام ہوں اور سلامتی مجھ سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔میری جنت اور رحمت تمہارے لئے واجب ہو چکی ہے۔میں اپنے بندوں کو خوش آمدید کہتا ہوں جو مجھے دیکھے بغیر مجھ سے ڈرتے رہے اور میرے احکام پر عمل کرتے رہے۔اہل جنت عرض کریں گے کہ اے اللہ!

ہم تیری کما حقہ عبادت نہ کر سکے اور تیری قدر کا بھی حق ادا نہ کر سکے۔ لہٰذا ہمیں اجازت دے کہ تیرے سامنے تجھے سجدہ کریں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ جگہ عبادت اور تکلیف کی نہیں ہے۔ یہ ایسا گھر ہے جہاں سے انعام و اکرام کی بارش ہوگی۔ میں نے اب عبادت کرنے کا بوجھ ختم کر دیا ہے۔ اب جو چاہتے ہو سوال کرو کیونکہ اس وقت جو مانگو گے وہ ملے گا۔ چنانچہ کم از کم جس کا سوال ہوگا وہ یہ ہوگا کہ اے اللہ! دنیا والے دنیا کے حصول میں ایک دوسرے کی ریس کرتے رہے اور باہم خطرہ میں مبتلا رہے۔ اے میرے رب تو مجھے ہر وہ چیز عطا کر چکا جو دنیا والوں کو تو نے ابتدائے آفرینش سے لے کر دنیا ختم ہونے تک دی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج تیری آرزوئیں بڑی مختصر ہیں۔ تو نے اپنے مرتبہ کے سوال نہیں کیا۔ یہ تو میں نے تجھے دیا اور میں تجھے اپنے مرتبے کے مطابق تحفہ دوں گا۔ کیونکہ میری عطا میں بخیلی اور کوتاہی نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندوں کے سامنے وہ چیزیں پیش کرو جہاں تک اُن کی آرزوئیں نہیں پہنچیں اور ان کے دل میں ان کا خیال تک بھی نہیں آیا۔ پھر دوسرے ان کو یاد دلائیں گے۔ یہاں تک کہ ان کی آرزوئیں ختم ہو جائیں گی۔ یعنی وہ ساری چیزیں جو اُن کے دل میں ہوگی پھر جو وہ ان پر پیش کریں گے ان میں گھوڑے بھی ہوں گے۔ ہر چار جتے ہوئے گھوڑوں پر ایک ہی یاقوت کا تخت بچھا ہوا ہوگا۔ اور ہر تخت پر خالص سونے کا یک قبہ ہوگا ان میں سے ہر قبے میں جنتی بستر بچھے ہوں گے۔ ان میں سے ہر قبے میں نوجوان سفید رنگ موٹی موٹی آنکھوں والی حوریں ہوں گے۔ ان میں سے ہر لڑکی پر جنتی کپڑوں میں سے دو کپڑے ہوں گے اور جنت کا کوئی رنگ ایسا نہ ہوگا جو اِن دونوں کپڑوں میں نہ ہو۔ اور کسی عطر کی خوشبو ایسی نہ ہوگی جس کی مہک ان کپڑوں سے نہ آتی ہو۔ ان کے چہروں کی چمک قبے کی دبیز تہوں سے پار ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ جو اُن کو دیکھے گا وہ سمجھے گا کہ یہ قبے سے باہر ہیں۔ ان کی ہڈی کا گودا پنڈلی کے اوپر سے ایسا نظر آئے گا جیسے سرخ یاقوت میں سفید دھاگہ پرو رکھا ہو۔ وہ عورتیں اپنے شوہر کو دیکھ کر محسوس کریں گی کہ اس کو اپنی سہیلیوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے سورج کو پتھر کے ٹکڑے پر، یا اس سے بھی بہتر اور وہ بھی ان دونوں کو ایسا ہی دیکھے گا۔ پھر جنتی شخص اُن کے پاس جائے گا تو وہ اُسے سلام کہیں گی۔ اُس کا بوسہ لیں گی۔ اور اُس سے بغل گیر ہوں گی اور اس سے کہیں گی اللہ کی قسم ہمارے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اللہ نے تجھ جیسے آدمی پیدا کئے ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم دے گا اور وہ فرشتے ان اہل جنت کو جنت میں صف بنا کر لے چلیں گے۔ اور چلتے چلتے اُس مقام تک جا پہنچیں گے جو اُن کے لئے رب کریم نے تیار کیا ہے''۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس اثر کو وہب بن منبہ سے ہی روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں مندرجہ ذیل الفاظ زائد ہیں: ''اپنے رب کریم کے عطیات کو دیکھو جو تمہیں دیئے گئے ہیں۔ بلند بارگاہ میں قبے ہوں گے اور موتی اور مونگے سے بنے ہوئے بالا خانے ہوں گے اور ان کے دروازے سونے کے ہوں گے ان کی چارپائیاں یاقوت کی ہوں گی۔ ان کے ستر سند اور استبرق کے ہوں گے اور ان کے منبر نور کے ہوں گے ان کے دروازوں اور صحنوں سے اس طرح کا نور نکلے گا کہ سورج کی شعائیں اس کے مقابل ایک ستارے کی حیثیت رکھتی ہوں گی، جبکہ وہ دن کی تیز روشنی میں ہو۔ پھر اعلیٰ علیین میں یاقوت کے بلند محل ہوں گے۔ ان کی روشنی چمکتی ہوگی۔ اگر وہ روشنی تابع فرمان نہ ہوتی تو آنکھیں چندھیا جاتیں۔ پھر ان محلوں میں جو محل سفید یاقوت کے ہوں گے اُن میں فرش بھی سفید ریشم کا ہوگا اور جو محل سبز یاقوت کے ہوں گے وہاں فرش بھی سبز سندس کا ہوگا اور جو محل زرد ریشم کے ہوں گے اُن میں فرش بھی زرد ریشم کا ہوگا اُن کے دروازے سبز زمرد اور سرخ سونے اور سفید چاندی کے ہوں گے اُن کے ستون اور گوشے جواہرات کے ہوں گے اور اُن کے بالا خانے موتیوں کے قبے ہوں گے اور اُن کے برج مونگے کے کمرے ہوں گے پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کے عطیات کی طرف واپس آنا چاہیں گے تو سفید یاقوت کے گھوڑے ان کے پاس لائے جائیں گے جن میں روح ہوگی ان کے نیچے ہمیشہ رہنے والے لڑکے ہوں گے۔ ہر بچے کے ہاتھ میں ان گھوڑوں میں سے ایک ایک گھوڑے کی لگام ہوگی اور ان کی لگامیں سفید چاندی کی ہوں گی جن پر موتی اور یاقوت جڑے ہوں گے اور ان پر بلند تخت بچھے ہوں گے سندس اور استبرق پڑا ہوگا وہ گھوڑے ان جنتیوں کو لے کر دوڑتے آئیں گے۔ جنت کے باغوں کو دیکھیں گے جب اپنے اپنے محلات تک پہنچیں گے تو سامنے فرشتوں کو بیٹھا ہوا پائیں گے جو نور کے ممبروں پر بیٹھے اُن کا انتظار کر رہے ہوں گے تاکہ ان کی زیارت کریں اور ان سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کریں اور رب کریم کی تکریم پر مبارکباد پیش کریں جب اپنے اپنے محلات میں داخل ہوں گے تو اُس میں ہر وہ چیز موجود ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل واحسان کیا ہوگا۔ اور جو انہوں نے مانگا ہوگا اور جس کی خواہش کی ہوگی وہ دیکھیں گے کہ ان محلوں میں سے ہر محل کے دروازے پر چار چار باغ ہوں گے دو باغ تو بڑے لمبے ٹہنوں والے ہوں گے اور دو باغ نہایت سرسبز ہوں گے اور اس میں دو چشمے جوش مار رہے ہوں گے اور اس میں ہر میوے کے جوڑے ہوں گے۔ اور سیاہ آنکھوں والی حوریں خیموں میں ہوں گی جب یہ لوگ اپنے محلات میں آرام سے بیٹھ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوگیا یا نہیں؟ اہل

جنت عرض کریں گے کہ اللہ کی قسم وہ پورا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ پھر سوال کرے گا کہ کیا تم اپنے رب کے اجر وثواب پر خوش ہو؟ اہل جنت عرض کریں گے اے اللہ! ہم راضی ہیں تو بھی ہم پر راضی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری رضا کی وجہ سے ہی تم کو میں نے اپنے گھر میں جگہ دی ہے اور میری رضا کی بدولت ہی تم کو میرا چہرہ دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اہل جنت عرض کریں گے: تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جو ہم سے غم کو لے گیا، بیشک ہمارا رب بخشنے والا اور قدردان ہے۔ وہ جس نے ہمیں مستقل گھر میں اپنے فضل وکرم سے اتارا، ہمیں یہاں کبھی تکلیف نہ ہوگی اور نہ ہمیں کبھی تھکاوٹ ہوگی"۔ یہ عجیب وغیرب اثر جو نقل کیا گیا ہے اس کے اکثر الفاظ کی تصدیق صحیحین کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔

فیہ مسائل

☆ وہ عمل جو آخرت کے لئے تھا اُس سے دنیا طلب کرنا۔ ☆ بعض اوقات مسلمان کا نام بھی درہم و دینار کا بندہ رکھا جاتا ہے۔ ☆ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر اس کی آرزو پوری ہوگئی تو راضی ورنہ ناراض۔ ☆ جو مجاہد مذکورہ صفات کا حامل ہو اُس کی تعریف۔

باب

من اطاع العلماء والامرا فی تحریم ما احل اللہ او تحلیل ما حرم اللہ فقد اتخذھم اربابا من دون اللہ

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال وحرام کی پرواہ کیئے بغیر علما اور اُمراء کی اطاعت کرتا ہے وہ مشرک ہے کیونکہ اُس نے اللہ کے سوا اُن لوگوں کو رب قرار دے لیا ہے۔

و قال ابن عباس رضی اللہ عنہ یُوْشَکَ اَنْ تُنْزِلَ عَلَیْکُمْ حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ تَقُوْلُوْنَ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ وَّ عُمَرُ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ "قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں میں کہتا ہوں یہ رسول

اللہ ﷺ کا فرمان ہے اور تم کہتے ہو کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے یوں کہا۔

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ کی طرف سے حلال اور حرام کی پروہ کئے بغیر علماء اور امراء کی اطاعت کرتا ہے وہ مشرک ہے کیونکہ اس نے اللہ کے سوا ان لوگوں کو رب قرار دے لیا ہے۔ اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے: (ترجمہ) ''انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں'' (التوبہ:۳۱)

اس آیت پر تفصیلی گفتگو گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے اور سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث پر بھی سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حج تمتع کے قائل نہ تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ تمتع سے حج اِفراد افضل ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ تمتع کرنا واجب ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تو حج اِفراد کو افضل قرار دیتے ہیں اور آپ تمتع کو کیوں واجب ٹھہراتے ہیں؟ اس کے جواب میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب بیت اللہ کا طواف کر لیا اور صفا مروہ کے درمیان سات دفعہ دوڑ بھی لیا تو اپنے عمرہ سے حلال ہو گیا۔ وہ یہ چاہے یا نہ چاہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حج تمتع کے افضل ہونے کی دلیل سیدنا سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ والی حدیث تھی جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص طوافِ بیت اللہ اور سعی بین الصفا والمروہ کر لے تو اسے اپنے حج کو عمرہ میں تبدیل کر لینا چاہیئے۔ اس پر سیدنا سراقہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ حکم اسی سال کے لئے خاص ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے۔

واضح احادیث کے ہوتے ہوئے کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ علمائے کرام یا ائمہ عظام کے دلائل اور ان کے اقوال کو ان پر ترجیح دے کیونکہ قرآنِ کریم نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے: (ترجمہ) ''اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔ (النساء:۵۹)۔

تمتع کی افضلیت پر صحیح بخاری و مسلم اور دوسری کتب احادیث میں مندرجہ ذیل حدیث موجود ہے جس

میں آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ''جو مجھے اب معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہو جاتا تو میں قربانی نہ لاتا اور اگر میرے پاس قربانی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا''۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''میں جو تمہیں حکم دیتا ہوں وہی کرو اور اگر میں قربانی نہ لایا ہوتا تو میں بھی وہی کچھ کرتا جس کا تمہیں حکم دے رہا ہوں''۔ چنانچہ بعض لوگوں نے جب سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بات سے صحیح حدیث کا معارضہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش کیا تو اس وقت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا: ''قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب کسی شخص کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اور آپ ﷺ کا ارشاد واضح ہو جائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ کسی شخص کے قول کی بنا پر ارشادِ نبوی ﷺ ترک نہ کرے''۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے (مدینہ منورہ مسجد نبوی میں درس دیتے ہوئے) فرمایا تھا کہ ''ہم میں سے ہر شخص کی بات کو ردّ کر کیا جا سکتا ہے اور قبول بھی جا سکتا ہے، مگر (رسول اللہ ﷺ کی قبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) اس صاحب قبر کی حدیث کو ترک نہیں کیا جا سکتا''۔

علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہ وقوعِ مسائل کے وقت ہمیشہ اجتہاد کرتے رہے۔ پس جس شخص کا اجتہاد صحیح ہوا اُسے دُہرا اجر ملے گا اور جس شخص نے اجتہاد میں غلطی کھائی اُسے اس کی محنت اور اجتہاد کا اجر ملے گا جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں مذکور ہے۔ لیکن مجتہد علماء کا یہ دستور تھا کہ جب ان پر کوئی دلیل واضح ہو گئی تو اس پر عمل کر لیا اور اجتہاد ترک کر دیا۔ ائمہ کرام نے اجتہاد سے اُس وقت کام لیا جب کہ ان کے علم میں رسول اللہ ﷺ کا صحیح فرمان نہ تھا، یا علم تھا لیکن اس میں دوسرا فرمانِ رسالت مآب ﷺ بھی موجود پایا تو اس صورت میں اُنہوں نے اجتہاد سے مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش فرمائی۔

آئمہ اربعہ رحمہم اللہ کے دور میں طلب حدیث کی صورت یہ تھی کہ براہِ راست اُستاذ کے پاس جا کر سماعِ حدیث کی جاتی تھی اور اس سلسلے میں کئی کئی سال کا سفر کر کے حدیث حاصل کی جاتی تھی۔ اس کے بعد یہ دَور آیا کہ احادیث کو کتابی صورت میں مُدوّن کر دیا گیا اور با قاعدہ اسناد سے حدیث کو درج کیا جانے لگا۔ اور ہر حدیث کے متعلق یہ وضاحت کی گئی کہ یہ صحیح ہے یا حسن ہے یا ضعیف ہے یا موضوع۔ فقہائے کرام نے مختلف مذاہب کی روشنی میں با قاعدہ کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان میں مجتہدین کے دلائل ذکر کئے جس سے ایک طالب حق کے لئے صحیح راستہ آسانی سے معلوم ہو گیا۔ ہر امام نے اپنے اجتہاد کے لئے دلیل کا ذکر کرنا بھی

ضروری سمجھا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا جائے اور پھر بھی وہ اپنے امام کی تقلید کی وجہ سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم نہ کرے تو اس کی سختی سے تغلیط کرنی چاہیئے کیونکہ وہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو ترک کر رہا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سے ہر شخص کی بات کو قبول اور ردّ کیا جاسکتا ہے، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے''۔

پس ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے کسی عالم یا امام کے قول کو ترجیح دیتا ہے، اس سے انکار کرنا واجب ہے کیونکہ کسی مجتہد یا امام کی بات کو تسلیم کرنا صرف ان مسائل اجتہادی تک جائز ہے جن میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی وضاحت نہ ملتی ہو، لیکن جس مسئلہ میں کتاب و سنت سے واضح رہنمائی ہوتی ہو اُس میں اجتہاد کی تردید ضروری ہے جیسا کہ سابقہ صفحات میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے۔

و قال الامام احمد رحمۃ اللہ علیہ عَجِبْتُ لِقَوْمٍ عَرَفُوا الْاِسْنَادَ وَ صِحَّتَهٗ وَ يَذْهَبُوْنَ اِلٰى رَاْىِ سُفْيَانَ وَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَقُوْلُ فَلْيَحذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النور:٦٣) لَعَلَّهٗ اِذَا رَدَّ بَعْضَ قَوْلِهٖٓ اَنْ يَّقَعَ فِيْ قَلْبِهٖ شَيْءٌ مِّنَ الزَّيْغِ فَيُهْلِكُ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اُن لوگوں پر سخت تعجب ہے جو صحت حدیث کے بعد بھی جناب سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔ جب انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کو چھوڑ دے تو اُس کے دل میں کجی پیدا ہو جانے کا امکان اُبھر آتا ہے جس سے اس کی ہلاکت یقینی ہے''۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام فضل بن زیاد اور ابو طالب نقل کرتے ہیں۔ فضل بن زیاد نے امام احمد سے مزید مندرجہ ذیل کلام نقل کیا ہے جس میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں تینتیس مقامات پر بیان کیا گیا ہے پھر امام صاحب نے قرآنِ کریم کی یہ آیت پڑھی: (ترجمہ) ''رسول

کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آجائے''۔(النور:٦٣)۔

امام صاحب نے اس آیت میں مذکور فتنے کو شرک سے تعبیر کیا ہے۔اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی: (ترجمہ)''نہیں، اے محمد (ﷺ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن ہو نہیں سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ ﷺ کو فیصل نہ مان لیں پھر آپ جو بھی فیصلہ کریں اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سربسر تسلیم کرلیں''۔(النساء:٦٥)۔

ابوطالب کہتے ہیں؛ امام صاحب سے پوچھا گیا کہ:''بعض لوگ حدیث رسول ﷺ کو چھوڑ کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرتے ہیں تو امام صاحب نے فرمایا:''مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جنھوں نے حدیث رسول ﷺ سنی پھر اس کی سند کی صحت کے بعد اُسے چھوڑ کر سفیان رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے کے قول کو ترجیح دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آجائے۔تمہیں معلوم ہے کہ فتنہ کسے کہتے ہیں؟''فتنہ سے مراد کفر ہے''۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ''فتنہ قتل سے بھی گھناؤنا فعل ہے''۔حدیث رسول ﷺ کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی میں وہ اپنی آراء پر عمل کرتے ہیں''۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مذکورہ بالا قول کو نقل کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ان لوگوں کی سخت تردید کر رہا ہے جو کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے آئمہ کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ اس سے انسان کا دل قبول حق سے برگشتہ ہو جاتا ہے،جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کفر تک پہنچ جاتا ہے۔آج کل مسلمانوں کی اکثریت اسی مرض میں مبتلا دکھائی دیتی ہے خصوصاً جن لوگوں کو اہل علم کہا جاتا ہے، وہ اس کی عین زد میں ہیں، انہوں نے ایک ایسا جال بچھا رکھا ہے جس سے گزر کر عام آدمی کتاب وسنت اور اتباعِ رسول ﷺ کی منزل تک پہنچ ہی نہیں سکتا اور نہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اوامر و نواہی کی پوری طرح عظمت کر سکتا ہے اس قسم کے علماء کے اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ:''قرآن و حدیث سے استدلال مجتہد ہی کر سکتا ہے، اور اجتہاد کا دروازہ اب بند ہو چکا ہے''۔

ان لوگوں نے اس مسئلہ میں غلطی کھائی ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوگا:''میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، ان کی مخالفت کرنے اور

اُنہیں رُسوا کرنے والا انہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا حتی کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آ جائے''۔

ان لوگوں کے خطرناک اقوال میں سے ایک یہ بھی ہے: ''جس کی میں تقلید کر رہا ہوں وہ حدیث اور حدیث کے ناسخ و منسوخ کو تم سے بہتر سمجھتا تھا''۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو وہ کرتے ہیں اور جن کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے، جن کی صفت ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے: (ترجمہ) ''ہمارا پیغمبر ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتا'' دُور ہٹ جائے۔ یہ لوگ اُن افراد پر اعتماد کرتے ہیں جن سے خطا اور غلطی کا ہر وقت امکان ہے کیونکہ ہر امام کے پاس شریعت کا پورا علم نہیں بلکہ کچھ حصۂ علم ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو چاہیئے کہ جب اُس کے سامنے کتاب وسنت کا حکم واضح ہو جائے تو وہ تمام آئمہ کے اقوال کو چھوڑ کر کتاب وسنت کو اپنا رہبر بنائے اور اس پر عمل کرے اور اس سلسلے میں کسی بڑے سے بڑے امام اور مجتہد کی مخالفت کی پروا نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''لوگو! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو''۔ (اعراف:۳)۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی کرتے ہوئے فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اور کیا ان لوگوں کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ہے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں''۔ (عنکبوت:۵۱)۔

سابقہ صفحات میں اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ کے اجماع کا فیصلہ گزر چکا ہے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ مقلد کو اہل علم میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ابوعمر بن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ پر اجماعِ اُمت بیان کیا ہے۔

علامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''کتاب وسنت کے احکام واضح ہو جانے کے بعد اس بارے میں کسی کو اختلاف نہیں کہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں ائمہ کے قول کو چھوڑ دیا چاہیئے البتہ مقلدین کا گروہ اپنی بات پر مصر رہتا ہے خواہ کتاب وسنت کی مخالفت ہی ہو رہی ہو۔ کیونکہ یہ لوگ کتاب وسنت سے بے بہرہ ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن وحدیث سے کوئی شغف اور محبت نہیں رکھتے بلکہ صرف اپنے امام کے قول کو تسلیم کرتے ہیں۔ افسوس اس بات پر ہے کہ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ائمہ کی اتباع کر رہے ہیں حالانکہ یہ لوگ ائمہ کرام کی مخالفت میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی راہ سے بالکل دُور ہیں۔ البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی عبارت سے کچھ اشارہ ملتا ہے کہ اگر کتاب وسنت کی کوئی واضح دلیل سامنے نہ ہو تو کسی بھی امام

کی بات کو وہ صحیح سمجھتا ہو عمل کیا جا سکتا ہے۔ ہاں! جس شخص کے سامنے کتاب وسنت کے دلائل موجود ہوں اور پھر وہ کسی امام کے قول کی وجہ سے کتاب وسنت پر عمل نہ کرے تو ایسے شخص کی مخالفت کرنی چاہیئے۔ مقلدین چونکہ کتابُ اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے اعراض کناں ہیں اور اس کا مطالعہ نہیں کرتے، اور مطالعہ کا موقع ملتا بھی ہے تو علما اور فقہا کی کتب کے مطالعہ میں ڈوبے رہتے ہیں اور اس کے مقابلے میں کتابُ اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے اعمال میں ترکِ سنت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان کی مثال بالکل یہود ونصاریٰ جیسی ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے سوا رَبّ بنا لیا ہے۔ اس آیت کریمہ کی مزید تشریح سیدنا عدی بن حاتم ﷺ کی روایت کرتی ہے جو آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ۔

پس جو شخص اپنی اصلاح کا خواہشمند ہے اُسے چاہیئے کہ علمائے کرام اور آئمہ عظام کی کتب کا مطالعہ کرتے وقت ان کے دلائل کی کتابُ اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے مطابقت پیدا کر لے کیونکہ مجتہدین اور ان کے متبعین اہل علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی بات کہتے وقت اس کی دلیل بھی ذکر کریں۔ اس لئے کہ مسائل میں حق بات تو ایک ہی ہوتی ہے۔ حق کے متلاشی اور انصاف پسند شخص کو چاہیئے کہ وہ آئمہ اور علماء کے دلائل کو خوب پرکھ لے اور کتاب وسنت سے ملا لے تا کہ کتاب وسنت کے مطابق مسئلہ کی صحت واضح ہو جائے اور خطا و غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔ اس چھان بین کے سلسلے میں کتاب وسنت میں بیشمار دلائل موجود ہیں۔

ائمہ اربعہ رحمہ اللہ نے بھی تقلید کی تردید اور مخالفت میں کوئی کمی نہیں رہنے دی۔ کتاب وسنت کی موجودگی میں وہ تقلید کے بالکل قائل نہ تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اُنہیں بعض مسائل کا علم نہیں ہے جس کا کسی دوسرے شخص کو علم ہو سکتا ہے۔ اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کو بہت سے مسائل کا علم تھا اس سلسلے میں اُن کے لئے بیشمار اقوال موجود ہیں چنانچہ اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ سے جب حدیث مل جائے تو سر آنکھوں پر، جب صحابہ کرام کا عمل ہمارے سامنے ثابت ہو جائے تو سر آنکھوں پر، اور اگر تابعین کا قول ہو تو پھر وہ اور ہم سب انسان (برابر) ہیں''۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک موقع پر فرمایا: ''اگر میں ایک بات کہوں اور کتاب اللہ اس کے خلاف ہو تو میرا قول اس کے مقابلے میں مسترد کر دو۔ امام صاحب سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ کا قول رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف ہو تو؟ امام صاحب نے کہا کہ پھر بھی میرے قول کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابلے میں ترک کر دو۔ سوال کیا گیا کہ اگر آپ کا قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف

ہوتو؟ امام صاحب نے فرمایا کہ صحابہ کے قول کے ہوتے ہوئے میرے قول کو چھوڑ دو"۔

ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "اگر میری کتاب میں میرا کوئی قول سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف دیکھو تو میرے قول کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق عمل کرو"۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل قول سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے، آپ فرماتے ہیں "اگر میرا قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔ ہر آدمی کی بات پر عمل بھی کیا جاسکتا ہے اور اُس کو چھوڑا بھی جاسکتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی ہر بات کو تسلیم کرنا فرض ہے"۔

آئمہ کرام رحمہم اللہ کی اِن تصریحات کے بعد کسی شخص کی پاس کوئی وجہ جواز نہیں کہ وہ خواہ مخواہ کسی امام کے قول کو کتاب وسنت کے مقابلے میں تسلیم کرے۔ تقلید کے ردّ میں علمائے کرام نے جو اِرشادات فرمائے ہیں اگر ہم ان سب کا یہاں ذکر کریں تو اختصار سے دُور نکل جائیں گے لہٰذا ایک طالب حق اور محبت رسول اللہ ﷺ کا دعویٰ کرنے والے کے لئے آئمہ کے مندرجہ بالا ارشادات کافی ہیں۔

اگر کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی کو ٹھکرا دیا تو پھر اس کے قلب میں کجی کا واقع ہو جانا لازمی ہے جس کا نتیجہ ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ پتا چلا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کو ترک کرنے سے انسان کے دل میں کجی اور ٹیڑھ پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے دُنیا اور آخرت میں ہلاکت یقینی ہے۔ قرآن کریم اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے: (ترجمہ) "پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا"۔ (الصّف:۵)۔

قرآن کریم کی آیت "فَلْيَحذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی مخالفت کرنے والے کو شرک و کفر اور عذابِ الیم سے ڈرایا گیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی مخالفت کفر کا موجب ہوسکتی ہے اور عذاب الیم میں مبتلا کرسکتی ہے۔ یاد رہے محض معصیت، عذابِ الٰہی کا باعث بن جاتی ہے، اور اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی کو حقارت سے ردّ کر دے تو اس سے وہ کفر کی دلدل میں پھنس جاتا ہے"۔

عن عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ يَقْرَاُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ فَقُلْتُ لَهٗ اِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ قَالَ اَلَيْسَ يُحَرِّمُوْنَ

مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ فَتُحَرِّمُوْنَہٗ فَقُلْتُ بَلٰی قَالَ فَتِلْکَ عِبَادَتُھُمْ (رواہ الترمذی وحسنہ، واحمد)۔

عدی بن ابی حاتم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا کہ: ''انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ اُن کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں پاک ہے وہ اُن مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ تو عدی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اے عدی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال اور حلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دیتے وقت تم ان کی بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے؟ عدی رضی اللہ عنہ بولے یہ تو درست ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہی اُن کی عبادت ہے

چنانچہ جن آئمہ کرام کی تقلید کی جارہی ہے وہاں یہ شرک پوری طرح پایا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے امام کی مخالفت میں کتاب وسنت کی پروا نہیں کرتے۔ اور نہ قرآن وحدیث کے دلائل پر ان کو اعتماد ہے۔ اور بعض غالی قسم کے مقلد اپنے امام کی مخالفت کی صورت میں کتاب وسنت پر عمل کرنا مکروہ بلکہ حرام سمجھتے ہیں اور یہ کہہ کر کتاب وسنت کو ترک کردیتے ہیں کہ ''ہمارے امام کو ان دلائل کا زیادہ علم تھا، دلائل پر غور کرنا صرف مجتہد کا کام ہے''۔ جو شخص ان کے سامنے کتاب وسنت کے دلائل پیش کرتا ہے، اکثر اوقات اس کی مذمت اور مخالفت پر اُتر آتے ہیں بلاشبہ یہ اسلام سے بُعد (یعنی دُوری) اختیار کرنے کی بہت بڑی دلیل ہے؟ حالات اس قدر متغیر ہو چکے ہیں کہ نتیجہ ہر شخص کے سامنے ہے، اور سب سے زیادہ افسوس اس بات پر ہے کہ اکثر لوگ پیروں کی اس عبادت کو تمام اعمال سے افضل سمجھتے ہیں۔ اس کا نام بدل کر ولایت رکھ دیا گیا ہے۔ علماء کی عبادت ان کے علم وفقہ کو ماننا ہے حالات کی سنگینی یہاں تک جا پہنچی ہے کہ اب ایسے لوگوں کی عبادت کی جانے لگی ہے جو صالحین میں سے بھی نہیں اور اب علماء کی جگہ جہلا کی عبادت بھی شروع ہو چکی ہے۔

کتاب وسنت کے مقابلے میں اُمراء اور سلاطین کی اطاعت کرنا کوئی نئی بات نہیں خلفائے راشدین کے بعد سے آج تک مسلسل اس عذاب میں اُمت گرفتار ہے۔ ''پھر اگر یہ لوگ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (القصص: ۵۰)۔

زیادہ بن حُدیر کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تمہیں معلوم ہے کہ کون سی چیز اسلام کو مٹادیتی ہے؟ میں نے عرض کی کہ نہیں۔ فرمایا: عالم کی لغزشِ قدم، منافق کا قرآن کریم کو جھگڑے کا ذریعہ بنانا

اور گمراہ حکمرانوں کا فیصلہ اسلام کی عمارت کو گرانے کا سبب بنتا ہے‘‘۔(رواہ دارمی)۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کو قبول کرنے والوں، اور اس کی اطاعت کرنے والوں میں سے بنا دے۔آمین۔

باب

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا

اے نبی! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کیلئے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ اُنہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔شیطان انہیں بھٹکا کر راہِ راست سے بہت دُور لے جانا چاہتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو کتاب وسنت سے اعراض کر کے باطل جگہوں سے فیصلہ کراتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں اسے طاغوت سے تعبیر کیا جاتا ہے

گزشتہ صفحات میں گذر چکا ہے جس میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ طاغوت کے بارے میں وضاحت سے فرماتے ہیں کہ: ’’اپنے معبود و متبوع اور مطاع کی مقرر کردہ حدود سے آگے نکل کر کوئی شخص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے فیصلہ کراتا ہے تو گویا وہ اپنا فیصلہ طاغوت کے ہاں لے گیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو انکار کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ فیصلہ صرف کتاب اللہ اور سنت

رسول ﷺ سے ہی ہونا چاہیئے اور جس شخص نے کتاب وسنت کو نظر انداز کر دیا اور دوسرے دروازوں پر دستک دی تو اس نے حدود مقررہ سے آگے قدم زن ہونے کی جسارت کی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے جو حدود متعین فرمائی تھیں ان حدود سے باہر نکل گیا اور کتاب وسنت کہ خلاف احکام کو وہ حیثیت دی جس کے وہ ہرگز مستحق نہ تھے''۔

یہی صورت حال اُس شخص کی ہے جو غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ بھی اصل میں طاغوت ہی کی عبادت میں مشغول ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں۔ غیر اللہ کی عبادت دو حال سے خالی نہیں پہلی صورت یہ ہے کہ ایسے شخص کا معبود اگر صالح انسان ہے تو اس کی عبادت شیطان کی عبادت تصور ہوگی ایسی عبادت کرنے والوں کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے: (ترجمہ) ''جس روز ہم ان سب کو ایک ساتھ اپنی عدالت میں اکٹھا کریں گے پھر ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا ہے کہیں گے کہ ٹھہر جاؤ تم بھی اور تمہارے بنائے ہوئے شریک بھی پھر ہم انکے درمیان اجنبیت کا پردہ ہٹا دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ ''تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے! ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ (تم اگر ہماری عبادت کرتے بھی تھے تو) ہم تمہاری اس عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ اُس وقت ہر شخص اپنے کئے کا مزہ چکھ لے گا، سب اپنے حقیقی مالک کی طرف پھیر دیئے جائیں گے اور وہ سارے جھوٹ جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے گم ہو جائیں گے'' (یونس: ۲۸ تا ۳۰)

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور خواہش کی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دے یا شجر وحجر یا کسی ولی اللہ کی قبر کی عبادت کرنے کا پرچار کرے، جیسے مشرکین اپنے اصنام وغیرہ کی، جو صالحین اور ملائکہ کی شکل وصورت میں بنا کر رکھے گئے تھے، عبادت کرتے تھے تو یہ وہ طاغوت ہے جس کی عبادت کرنے سے خود اللہ تعالیٰ نے روکا ہے لوگوں کو ان سے اظہارِ برات کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی ہو، اگر اس کی عبادت کی گئی تو یہ شیطانی فعل ہوگا۔ شیطان نے اپنے ان قبیح افعال اور مذموم اعمال کو بڑے مزین اور انتہائی خوبصورت بنا رکھا ہے یہ ایسے افعال ہیں جو توحید اور کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے بالکل الٹ ہیں۔ توحید کی اصل یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا ہر طاغوت کا انکار کر دے جس کی کسی نہ کسی صورت میں عبادت کی جا رہی ہو۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کا حکم یہ ہے: (ترجمہ) ''تم لوگوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہوگئی اور

بیر پڑ گیا جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ''۔ لہٰذا جو شخص غیر اللہ میں سے کسی کی عبادت کرتا ہے، وہ ان حدود سے تجاوز کرنے کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کو معبود گردانتا ہے جس کا وہ مستحق نہیں تھا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے طاغوت کہلاتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی سے فیصلہ کرانے والے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے پوری شریعت اسلامیہ کا انکار کر دیا ہو، اور مزید برآں یہ کہ اس نے غیر اللہ کو اپنی اطاعت میں شریک ٹھہرا لیا ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''پس اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو اللہ نے تمہاری طرف نازل کی ہے''۔ دوسری جگہ پر فرمایا: (ترجمہ) ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں''۔ (النساء: ۶۵)۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بایں طور پر کرتا ہے کہ وہ کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور جگہ سے فیصلہ کرواتا ہے یا اپنی خواہشات کی تکمیل میں مگن ہے تو گویا اس نے عملاً ایمان اور اسلام کی رسی کو گردن سے اتار پھینکا ہے۔ اس کے بعد خواہ وہ کتنا ہی ایمان اور اسلام کا دعویٰ کرے بیکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ لفظ یَزْعُمُوْنَ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں عمل دعویٰ کے خلاف کیا جا رہا ہو۔ ہمارے اس دعویٰ کی دلیل قرآن کریم کی زیر نظر آیت ''و قَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ'' ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ طاغوت کا انکار کرنا توحید کا سب سے اہم رکن ہے جب تک کسی شخص کے اندر یہ رکن نہ ہوگا اس وقت تک اسے موحد کہنا غلط ہے تمام اعمال اور ایمان کی اساس اور مرکزی حیثیت توحید کو حاصل ہے۔ اعمال کی صحت اور عدمِ صحت کا دارومدار توحید ہی پر ہے اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اُس نے ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں'' (البقرۃ: ۲۶۵)۔ اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لے جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جانے والے کا اس پر ایمان ہے۔

طاغوت کے پاس اپنے متنازعہ معاملات لے جانے اور وہاں سے فیصلہ طلب کرنے کا اصل محرک شیطان ہوتا ہے اور وہ اس قسم کی باتیں بہت ہی خوبصورت انداز میں انسان کے دل میں ڈالتا ہے۔ اس طرح

شیطان بیشمار لوگوں کو گمراہ کر چکا ہے۔ کتاب وسنت کو پس پشت ڈال کر طاغوت کو فصیل ماننے اور فیصلہ کن طاقت قرار دینے سے بڑی گمراہی اور ہدایت سے دُور کر دینے والی اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں یہ اُمور خاص طور پر بیان کئے گئے ہیں: ☆ طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانا شیطانی فعل ہے اور اسی کے وسوسہ سے انسان کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ☆ دوسرا یہ کہ یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ ☆ تیسری بات یہ ہے کہ اُسے صیغہ مصدر کے ساتھ موکد کیا گیا ہے۔ ☆ چوتھی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ہدایت اور سیدھے راستے سے بہت دُور ہے۔

وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَا اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا (النساء:٦١) فَكَيۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡكَ يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّ تَوۡفِيۡقًا (النساء:٦٢)۔

جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آ ؤ اُس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے، اور آ ؤ رسول ﷺ کی طرف، تو اُن منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں۔ پھر اُس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت اُن پر آن پڑتی ہے؟ اُس وقت یہ تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم ہم تو صرف بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان کے سامنے جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پیش کی جاتی ہے تو اس سے اغماض کرتے ہیں اور جو شخص ایسا کرے گا خواہ وہ کتنا ہی مدعی ایمان ہو حقیقت میں وہ ایمان کی دولت سے بالکل محروم ہے۔ علامہ ابن قیم ﷺ فرماتے ہیں: ''جس شخص کے سامنے متنازعہ فیہ مسائل میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پیش کی جائے اور وہ تسلیم نہ کرے تو وہ شخص منافق ہے''۔

لوگوں کی اکثریت اس جرم میں گرفتار ہے اور خصوصاً علماء پر نہایت افسوس ہے جو علم کے ہوتے ہوئے ایسے لوگوں کے اقوال کو سامنے رکھ کر کتاب وسنت سے اعراض کئے ہوئے ہیں جو کئی مسائل میں مرتکب خطا ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کا پابند کر رکھا ہے حالانکہ ان میں سے کسی کی تقلید کا کوئی جواز نہیں اور ایسے لوگوں کے اقوال کو قابل اعتماد ٹھہرا لیا ہے جن پر اعتماد کی ضرورت نہ

تھی۔ مقلدین کا سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ وہ نصوصِ کتاب وسنت کے مقابلے میں آئمہ کے اقوال کو پیش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قواعد شرعیہ ہی ایسے قواعد ہیں جن پر کلی اعتماد کیا جا سکتا ہے اوران کے بغیر کسی اور چیز پر فتویٰ صادر کرنا قرین صحت نہیں۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ سنت رسولِ کریم ﷺ کے متبع کی حیثیت سے ایک اجنبی اور مسافر کی سی ہو کر رہ گئی ہے ایسے شخص کو اس دَور میں کوئی وقعت نہیں دی جاتی۔ ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت کتاب وسنت سے روگرداں ہے اور اکثر مقامات پر ان دو بنیادی نصوصِ شرعیہ پر عمل متروک ہو چکا ہے۔ (واللہ المستعان)۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَھُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ (البقرۃ:۱۱)

جب کبھی اُن سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو اُنہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی پر اُکساتا ہے تو گویا وہ زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور زمین وآسمان میں اِصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ) ’’ان بھائیوں نے کہا: اللہ کی قسم! تم لوگ خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں اور ہم چوریاں کرنے والے لوگ نہیں ہیں‘‘ (یوسف:۷۳)۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ہر نافرمانی فساد فی الارض ہے۔ زیرِ نظر آیت کریمہ کا باب سے تعلق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ سے فیصلہ کروانا منافقین کا کام ہے جو درحقیقت فساد فی الارض ہے۔ پیش نظر آیت کریمہ میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ خواہشات کے بندوں کے اقوال سے ہوشیار اور چوکس رہنا چاہیئے کیونکہ یہ لوگ اپنے دعوؤں کو بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اہل خواہش کے فریب سے بھی ہوشیار رہنا چاہیئے جب تک کہ وہ اپنی بات کی دلیل کتاب وسنت سے پیش نہ کریں۔ کیونکہ اُن کی یہ عادت ہے کہ وہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کہنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ فساد فی الارض کی اس سے بڑی اور کیا صورت ہو سکتی ہے۔ فساد فی الارض سے خود بخود ایسے اُمور مرتب ہوتے ہیں جن سے انسان دائرہ حق سے باہر نکل کر باطل کی دلدل میں دھنس جاتا ہے۔

ان آیات پرغور کرنے سے معلوم ہوگا کہ لوگوں کی اکثریت اسی وہم میں گرفتار ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان ویقین کی پختگی کی نعمت عطا فرمادی ہو، شہواتِ نفس کے غلبہ کے وقت ان کی عقل کامل اور شکوک وشبہات کے مقابلے میں وہ بصرت تامہ سے بہرہ ور ہوں۔ بس یہی وہ افراد ہیں جو شبہات اور وساوس سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

قول اللہ تعالی وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا وَ ادۡعُوۡهُ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (الاعراف:٦٥)

زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اِصلاح ہو چکی ہے اور اللہ ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ابوبکر بن عیاش رقمطراز ہیں کہ: ’’زمین کے چپہ چپہ پر فساد برپا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر زمین اور اہل زمین کی اصلاح فرمائی اور اب جو شخص کتاب وسنت کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے وہ فساد فی الارض کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے‘‘۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’اکثر مفسرین کا بیان ہے کہ فساد فی الارض یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی میں زندگی برباد کردے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور شریعت اسلامیہ کی وضاحت سے اہل زمین کی اصلاح کے بعد کسی کا غیر اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دینا فساد فی الارض کی بدترین شکل ہے کیونکہ غیر اللہ کی عبادت اور اس کی طرف دعوت دینا شرک ہے اور کتاب وسنت کی مخالفت درحقیقت فساد فی الارض اور شرک ہے۔ پس شرک کرنا غیر اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دینا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو معبود ٹھہرانا اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی کرنا سب سے بڑا فساد فی الارض ہے۔ اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو معبود مانا جائے، اسی کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے، اس کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کی جائے اور آپ ﷺ کے علاوہ کسی بھی شخص کی بات پر عمل کرنے سے پہلے بڑے غور وفکر سے یہ دیکھ لیا جائے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت تو نہیں کر رہا اور اگر کتاب وسنت کے برعکس بات کہہ رہا ہو تو اُس کی بات کو چھوڑ دینا چاہیئے کیونکہ شریعت اسلامیہ میں کسی کی سمع واطاعت ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ دنیا کے حالات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد انسان اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اصلاحِ حال کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ انسان اللہ

تعالیٰ کی توحید، اس کی عبادت اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو اپنے اوپر لازم قرار دے لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار یا آپ ﷺ کی نافرمانی کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ کی زمین میں فتنہ وفساد برپا ہو جاتا ہے، قحط سالی کا دور دورہ ہوتا ہے اور خصوصاً دشمن اسلام مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے''۔

زیر نظر آیت کریمہ کا ترجمۃ الباب والی آیت سے تعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دوسروں سے فیصلہ کروانا تمام گناہوں سے بدترین گناہ ہے جو حقیقی طور پر فساد فی الارض ہے۔ اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان اپنے تمام متنازع فیہ مسائل میں صرف کتاب وسنت کی طرف رجوع کرے۔ تمام مومنین کا یہی طریقہ اور دستور رہا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اور جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے درآں حال یہ کہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اُسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے''۔ (النسا: ۱۱۵)۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (المآئدۃ: ۵۰)

(اگر یہ اللہ کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اُن کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔

زیر نظر آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تردید کرتا ہے جو اس کے ان احکامات سے اعراض کرتے ہیں جن میں خیر ہی خیر ہے جن میں ہر قسم کے شر سے روکا گیا ہے اور ایسی آرا، اقوال اور اصطلاحات کی طرف رجوع کرتے ہیں جن کو ان لوگوں نے وضع کیا ہے جو شریعت اسلامیہ کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں جیسے تاتاریوں نے چنگیز خان کی تقلید اور اس کی آراء کے مطابق فیصلے کرنے شروع کر دیئے۔ چنگیز خان نے یاسق کے نام سے ایک دستور مرتب کیا جو حقیقت میں مختلف مذاہب مثلاً یہودیت ونصرانیت اور ملت اسلامیہ سے مقتبس تھا اور اس انتخاب میں بھی اس نے اپنی خواہشات اور ذاتی نظریہ کو ملحوظ رکھا یہ ایسا مجموعہ ہے جسے اس کے پیروکار کتاب وسنت پر مقدم قرار دیتے ہیں اور اس کو مقدس سمجھتے ہیں۔ پس جو شخص ایسے فعل کا مرتکب ہوگا وہ کافر ہے جس سے اس وقت تک جنگ کی جائے گی جب تک کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع نہ کر لے اور معمولی سے معمولی اور بڑے سے بڑے تنازع میں کتاب وسنت کو حکم نہ مان لے''۔

جو شخص عقل و خرد سے اور غور و فکر سے کام لے گا اس کے سامنے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے زیادہ عدل کہیں نہیں۔ اللہ احکم الحاکمین ہے اور ماں سے بھی زیادہ اپنی مخلوق پر رحمت و شفقت کرنے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی حاجتوں کو خوب جانتا ہے، وہ ہر چیز کے کرنے پر قدرتِ تامہ رکھتا ہے اس کے اقوال وافعال اور قضاء وقدر میں بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اس آیت کریمہ میں جاہلیت کے تمام فیصلوں کو کتاب وسنت کے فیصلوں یک مقابلے میں ترک کردینے کی وضاحت کی گئی ہے اور جس شخص نے جاہلیت کے فیصلہ کو اپنایا اس نے حق اور احسن فیصلہ سے اعراض کیا اور باطل کو حق کے مقابلے میں ترجیح دی۔

باب

مَنْ جَحَدَ شَيْئًا مِّنَ الْاَسْمَآءِ وَ الصِّفَاتِ

اس باب میں اُس شخص کا حکم بیان کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا منکر ہے۔

و قول اللہ تعالی وَ هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ قُلْ هُوَ رَبِّىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ مَتَابِ

اور یہ لوگ رحمٰن کو نہیں مانتے، ان سے کہو کہ وہی میرا رب ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہی میرا ملجا و ماویٰ ہے۔ (الرعد: ۳۰)۔

پیش نظر آیتِ کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ مشرکین قریش نے عناد اور بغض کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے نام الرحمٰن کا انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ) ''اے نبی ﷺ! اِن سے کہو اللہ کہہ کر پکارو یا، رحمٰن کہہ کر۔ جس نام سے بھی پکارو، اس کے لئے سب اچھے ہی نام ہیں''۔

الرحمٰن: اللہ کا نام بھی اور صفت بھی اس نام سے پتا چلا کہ رحمت، اللہ کی صفاتِ کاملہ میں سے ایک صفت ہے۔ مشرکین نے اللہ کے اسماء میں سے ایک ایسے اسم کا انکار کیا جو اللہ کی حمد اور اس کے کمال پر دلالت کرتا ہے، الرحمٰن کا انکار اصل میں اُس کی صفت اور معنی کا انکار ہے۔ جہم بن صفوان اور اس کے ساتھیوں کا گمانِ

باطل یہ تھا کہ الرحمٰن، اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت نہیں جو اللہ کی ذات سے قائم ہو۔اس کی دیکھا دیکھی معتزلہ، اور اشاعرہ نے بھی اس صفت کا انکار کر دیا۔اسی وجہ سے اکثر اہل سنت نے ان دونوں فرقوں کو کافر قرار دیا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مختلف شہروں میں ان کے کفر کی تقلید پانچ سو علماء نے کی۔امام الکائی نے ان سے اس کو بیان کیا ہے بلکہ اس سے پہلے طبرانی نے بھی بیان کیا ہے''۔

فرقہ جہمیہ اور ان کے پیروکاروں نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا تعطیل کی وجہ سے انکار کیا، جن صفات کو خود ربِّ کریم نے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا، اس انکار، اور تعطیل کے لئے انہوں نے ایسے اصول مرتب کئے جو بالکل غلط اور باطل تھے۔انکار کی وجہ بتاتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی صفات اجسام کی ہوتی ہیں، ان صفات کو مان لینے سے اللہ تعالیٰ کا جسم ماننا پڑے گا۔اس نوع کے دلائل ان کی کم عقلی کی دلیل ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق جیسی صفات خیال کیا۔شروع شروع میں تو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی مخلوق سمجھ لیا تھا۔آہستہ آہستہ صفاتِ کاملہ کا انکار کیا، اور ناقصات یعنی جمادات اور معدومات سے تشبیہ دی۔پہلے تشبیہ دی اور پھر تعطیل تک پہنچ گئے اور تیسری مرتبہ ان کو ناقص اور معدم اشیاء سے تشبیہ دینے کی جسارت کی۔نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نصوص کا انکار کر دیا جس میں خود اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صفات بیان کی ہیں جو حقیقت میں اس کی عظمت اور جلالت قدر کے لائق ہیں۔سلف صالحین اور آئمہ کرام ان تمام صفات کو تسلیم کرتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے بیان فرمائی ہیں۔آئمہ کرام نے ان تمام صفات کو بلا تمثیل اور بلا تعطیل مانا ہے۔کیونکہ صفات میں بحث کرنا ذات میں بحث کرنے کے مترادف ہے۔فرقہ معطلہ والے اللہ تعالیٰ کی ذات کو ثابت کرتے ہیں لیکن تشبیہ کے قائل نہیں ہیں۔پس اہل سنت کا بھی یہی مسلک ہے لیکن اہل سنت ان صفات کو بھی بلا تسبیہ و تمثیل مانتے ہیں جو صفات کہ اللہ نے اپنے لئے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے بیان فرمائی ہیں۔ان صفات کو مخلوق سے تشبیہ نہیں دیتے، اس لئے کہ اہل سنت کتاب وسنت پر ایمان رکھتے ہیں اور ان میں تناقص کے قائل نہیں ہیں۔لیکن معطلہ سرے سے کتاب وسنت کا ہی انکار کرتے ہیں۔اور اس میں تناقض ثابت کرنے کیلئے کوشاں ہیں لہٰذا عقل اور نقل دونوں لحاظ سے معطلہ کا مذہب باطل ٹھہرا۔اس پر اہل سنت، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔**فللهِ الحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔**

اہل حدیث علمائے کرام اور ان کے متاخرین جیسے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ اور

ان کے اصحاب میں کثیر علماء نے اس موضوع پر وافر ذخیرہ چھوڑا ہے۔

اہل بدعت کی کثرت، اور مختلف آراء کے باوجود ان پاکباز لوگوں نے سنت خیرالوریٰ کو بالکل پاک و صاف اور منزہ رکھنے میں اپنی عزیز عمریں کھپادیں۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء۔**

و فی صحیح البخاری قَالَ عَلِیٌّ حَدِّثُوْا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّکَذَّبَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ

صحیح بخاری میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مذکور ہے کہ لوگوں کو وہ باتیں سناؤ جنہیں وہ پہچانیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیا جائے؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زیر نظر جملہ اِرشاد فرمانے کی ضرورت اس لئے محسوس فرمائی کہ ان کے دَورِ خلافت میں لوگ احادیث بیان کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے، وعظ و ارشاد میں عام قصے کہانیاں بیان کرتے وقت ایسی ایسی باتیں احادیث کے نام سے بیان کرنا شروع کر دی تھیں جن کا کوئی اصل نہ تھا۔ لوگوں نے بعض روایات کو بالکل عجوبہ خیال کیا اور ان کی تردید بھی کی، تاہم ان میں بعض صحیح روایات بھی بیان کی جاتی تھیں۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واعظین کو ہدایات جاری فرمائیں کہ وعظ و ارشاد میں صرف وہ احادیث بیان کی جائیں جن کی صحت پر یقین ہو، اور جن سے ایک عام آدمی کو دین کے سمجھنے میں مدد ملے۔ جیسے حلال و حرام کی وضاحت کرنا، جس کا ہر شخص مکلّف ٹھہرایا گیا ہے۔ بالکل گہرے اور پیچیدہ مسائل کو زیر بحث نہ لایا جائے جن سے ایک عام آدمی حق کو قبول کرنے میں پس و پیش کرے اور جو اس کو تکذیب کی سرحدوں میں پہنچانے کا موجب بنتے ہوں۔ بالخصوص وہ باتیں ہرگز بیان نہ کی جائیں جن میں اختلاف پایا جاتا ہے اور جدل و نزاع کا موجب بنتی ہیں۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی عادت تھی کہ وہ ایسے مسائل بیان فرماتے جن کا تعلق انسان کے دین، عبادات اور معاملات سے ہوتا تھا، اور جن کا جاننا ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ عام لوگوں کو ابن جوزی کی کتب مثلاً المنعش، المرعش، اور تبصرہ کے مطالعہ سے روکا کرتے تھے، کیونکہ ان میں ضروری اور انفع اُور سے اعراض کیا گیا ہے اور ایسی چیزیں درج کی گئی ہیں جن کا عقیدے سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ واعظین کو عام قصے کہانیاں بیان کرنے سے روکا کرتے تھے کیونکہ یہ لوگ احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ’’خود امیر یا امیر کا نمائندہ ہی

تقریر ووعظ بیان کرسکتا ہے‘‘۔ اس قسم کی روک تھام کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ صراط مستقیم کی علم وعمل اور یقین محکم کے ذریعے سے حفاظت کی جائے اور یہ بدعت وخرافات سے بچ کر زندگی بسر کی جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کسی کو درست اور صحیح رکھ سکتا ہے اور اِسی سے اس کی توفیق مانگتے رہنا چاہیئے۔

متشابہ آیات میں علمائے سلف کے اقوال

مندرجہ ذیل حدیث الدرالمنثور میں موجود ہے، جس کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’پہلی کتاب، ایک ہی دروازے سے ایک ہی طریقے پر نازل ہوئی تھی۔ لیکن قرآن مجید، سات ابواب سے، سات طریقوں پر نازل ہوا اور وہ ہیں: زجر، امر، حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال۔ حلال کو حلال قرار دو اور حرام کو حرام سمجھو۔ جو حکم ملتا ہے اس پر عمل کرو۔ جس عمل سے روکا جائے اس سے رُک جاؤ، جو امثال بیان کی گئی ہیں ان سے نصیحت حاصل کرو۔ محکم آیات پر عمل کرو۔ اور متشابہات پر ایمان رکھو اور اس بات کا اِقرار کرو کہ ہم سب آیات پر ایمان لائے اور تمام قسم کی آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں‘‘۔

فیہ مسائل

☆ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں سے کسی ایک کا بھی انکار کردے تو وہ شخص ایمان سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ ☆ جس بات کو مخاطب نہیں سمجھ سکتا اُسے چھوڑ دینا۔ ☆ اُس علت کا تذکرہ جو اللہ اور رسول ﷺ کی تکذیب تک پہنچا دیتی ہے، اگرچہ انکار کرنے والے کا یہ ارادہ نہ ہو۔ ☆ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا کلام کہ جو شخص ان میں سے کسی کا انکار کرے وہ اُسے ہلاک کردے گی۔

باب

قول اللہ تعالی يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُوْنَ

یہ اللہ تعالیٰ کے اِحسان کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں بیشتر لوگ ایسے ہیں جو حق کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

قول اللہ تعالیٰ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ

یہ اللہ تعالیٰ کے اِحسان کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں بیشتر لوگ ایسے ہیں جو حق کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔(النحل:۸۳)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اس آیت کریمہ میں جس نعمت کا تذکرہ کیا گیا ہے اس میں علمائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔سفیان عن السدّی سے منقول ہے کہ اس نعمت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے''۔بعض علمائے کرام کا بیان ہے کہ اس سورت میں جن انعامات کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقی منعم ہے۔لیکن اِن مشرکین کا گمانِ باطل یہ ہے کہ وہ ان اِنعامات کے آباؤاجداد کی طرف سے وارث ہیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نے اپنا مصحف (قرآن مجید) بارہا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو سنایا، میری عادت یہ تھی کہ میں ہر ایک آیت پر رُک جاتا اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کرتا کہ: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟ اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ کیا ہوئی؟ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ جب میری تسلی ہو جاتی تو پھر آگے دوسری آیت پڑھتا۔زیر بحث آیت کریمہ کے بارے میں ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ مجاہد کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''اس نعمت الٰہی سے گھربار، چوپائے وغیرہ، کھانے پینے کی تمام اشیاء، لوہے اور روئی وغیرہ سے بنے ہوئے کپڑے مراد ہیں۔کفارِ قریش یہ جاننے کے باوجود کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، اس سے یوں انکار کرتے ہیں کہ ''یہ تمام اشیاء ہمارے آباؤاجداد کی ہیں جو ہمیں وارث بنا گئے ہیں''۔

بعض علماء نے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ جب کفار سے پوچھا جاتا کہ تمہیں رزق کون دیتا ہے؟ تو جواب دیتے ہوئے اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق رساں ہے، لیکن اس کا بایں طور اِنکار کر دیتے کہ ''ہم کو یہ رزق ہمارے معبودوں کی سفارش سے ملا ہے''۔

پیش نظر آیت ''یعرفون نعمة الله ثم ینکرونها'' کے متعلق عون بن عبداللہ لکھتے ہیں: ''مشرکین کا انکارِ انعامات یہ کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر فلاں آدمی نہ ہوتا تو یہ حالات پیدا نہ ہوتے۔یا اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو مجھ پر یہ مصیبت نہ ہوتی''۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول کو پسند کیا ہے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے علماء نے اس آیت کریمہ کو عام رکھا ہے۔کسی ایک معنی میں منحصر نہیں۔یہی زیادہ بہتر ہے کہ اس آیت میں عمومت کو برقرار رکھا جائے۔واللہ اعلم۔

فیہ مسائل

☆ نعمت کی پہچان اور اس کے اِنکار کی جتنی صورتیں ممکن تھیں، ان کی وضاحت کرنا۔ ☆اِنکار کی جتنی صورتیں ہیں وہ اکثر لوگوں کی زبان پر جاری ہیں۔ ☆ایسے کلام کا نام انکارِ نعمت ہے۔ ☆دِلوں میں اجتماع ضدین پایا جانا۔

باب

فَلَا تَجۡعَلُوۡ لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ

پس جب تم جانتے ہو تو دُوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔

فَلَا تَجۡعَلُوۡ لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ

پس جب تم جانتے ہو تو دُوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔ (البقرۃ)

الند: مثل اور نظر کو کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ''ند'' بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان تمام عبادات کو یا کسی ایک عبادت کو غیر اللہ کے لئے ادا کرے۔ جیسے بتوں کے پجاری اپنے معبودانِ باطل سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کو نفع پہنچانے اور ان سے تکلیف دُور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کی سفارش بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتے ہیں۔ پوری آیت اس طرح ہے: ''لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے۔ تمہارے بچنے کی توقع اِسی صورت سے ہوسکتی ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اُوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لئے رزق بہم پہنچایا پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ''۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالعالیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''اللہ کے شریک نہ بناؤ یعنی اس کے برابر شریک''۔

ربیع بن انس، قتادہ، السدی، ابومالک اور اسماعیل بن ابی خالد نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ: ''اپنے معبودانِ باطل کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ

کیونکہ وہ نہ تو نفع دے سکتے ہیں اور نہ تکلیف میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ تم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہو اور سمجھتے ہو کہ رسول اکرم ﷺ جس توحید خالص کی تمہیں دعوت دے رہے ہیں، وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں''۔

قتادہ رحمہ اللہ اور مجاہد اس آیت کی تشریح میں انداد کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان لوگوں میں سے کسی کی اس طرح اطاعت کرے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو''۔ انداد کے بارے میں ابن زید کا قول یہ ہے کہ ''انداد، مشرکین کے وہ الٰہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا گیا ہو اور جو صفات اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں، اُن صفات کو اِن انداد میں تسلیم کر لیا گیا ہو''۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انداد کے معنی شبیہ کئے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ ''یہود و نصاریٰ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ الٰہ ایک ہی ہے، جیسا کہ تورات اور انجیل میں مذکور ہے''۔

مجاہد رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کے مفہوم کی مزید وضاحت کے لئے ایک حدیث نقل کی ہے جو مسند احمد میں حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو پانچ کلمات کا حکم دیا کہ وہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنی اِسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کی دعوت دیں۔ ممکن ہے کہ وہ اس میں تاخیر کر دیتے کہ اتنے میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ کلمات کا حکم دیا ہے کہ ان پر خود بھی عمل کرو اور بنی اِسرائیل کو بھی اِن پر عمل کرنے کا حکم دو۔ یا تو یہ کلمات تم بنی اِسرائیل کو پہنچا دو یا میں پہنچا دوں۔ یحییٰ بن زکریا علیہ السلام بولے: میرے بھائی! مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ اس معاملے میں مجھ سے سبقت لے گئے تو ایسا نہ ہو مجھے اللہ کی طرف سے عذاب دیا جائے یا زمین میں دھنسا دیا جائے۔ چنانچہ سیدنا یحییٰ بن زکریا علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا حتی کہ مسجد بھر گئی۔ انہوں نے ایک بلند مقام پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، اور پھر قوم سے اس طرح خطاب فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ نے پانچ کلمات کا حکم دیا ہے کہ خود بھی اِن پر عمل کروں اور تم کو بھی ان پر عمل پیرا ہونے کا حکم دوں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ ''تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ مشرک کی مثال اُس غلام کی سی ہے جسے کوئی شخص اپنے خالص مال سے خرید کر اپنے کاروبار کا مختار بنا دے، لیکن یہ غلام شام کے وقت فروخت شدہ مال کی رقم اپنے آقا کی بجائے دُوسرے کسی شخص کے حوالے کرتا جائے۔ کیا غلام کی اس حرکت کو کوئی عقلمند شخص برداشت کرے گا؟ ہرگز نہیں! پس اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا فرمایا اور وہی رزق دیتا ہے۔ لہٰذا اسی کی خالص عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ ''میں تم کو نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہوں''۔ جب تک انسان

نماز کی حالت میں ہوتا ہے اور دُوسری طرف التفات نہیں کرتا، اُس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ پس جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو کسی دُوسری طرف عنانِ توجہ مبذول نہ کرو۔ تیسرا حکم یہ ہے ''میں تم کو روزے کا حکم دیتا ہوں''۔ روزہ دار کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس کے پاس کستوری کی تھیلی ہو اور اُس کے تمام ساتھی اس کی خوشبو محسوس کر رہے ہوں۔ روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔ چوتھا حکم یہ ہے ''میں تم کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا ہوں''۔ صدقہ و خیرات کرنے والے شخص کی مثال اُس قیدی کی سی ہے جس کے ہاتھ میں دُشمن نے اُس کی گردن سے باندھ دیئے ہوں اور اُسے قتل کرنے کے لئے مقتل کی طرف لے جا رہے ہوں وہ قیدی دشمن سے کہے کہ کیا میں اپنی جان جرمانہ ادا کر کے بچا سکتا ہوں؟ اور وہ دشمن کے کہنے پر اپنا سب چھوٹا موٹا مال دے کر اپنے آپ کو بچا لے۔ پانچواں حکم یہ ہے ''میں تم کو اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیتا ہوں''۔ اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے والے شخص کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس کو پکڑنے کے لئے دشمن کا پیچھا کر رہا ہو اور یہ شخص ایک قلعہ میں آ کر پناہ گزین ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے، وہ شیطان کی شرارتوں سے ایسا محفوظ رہتا ہے جیسے کسی مضبوط قلعہ میں محفوظ ہو گیا ہو''۔

یہ پانچ اُمور ذکر کرنے کے بعد رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی تم کو پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا حکم مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ یہ کہ: ۱۔ مسلمانوں کی جماعت سے وابستہ رہنا۔ ۲۔ اپنے امیر کی باتوں کو سننا اور پھر۔ ۳۔ اُس کی اطاعت کرنا۔ ۴۔ اللہ کے لئے ہجرت کرنا۔ ۵۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا۔ کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر رہا تو گویا اُس نے اپنے گلے سے اسلام کی رسی کو اُتار پھینکا، جب تک کہ وہ پھر واپس جماعت میں نہ مل جائے۔ اور جو شخص جاہلیت کی رسم ورواج کو پروان چڑھانے کی کوشش کرتا ہے تو ایسا شخص جہنم کا ایندھن بنے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر چہ وہ شخص نماز اور روزہ کا پابند ہو جب بھی جہنم کا ایندھن بنے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا: ہاں! اگر چہ وہ نماز روزے کا پابند ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔ تم مسلمانوں کو اسی نام سے پکارا کرو جس نام سے اللہ نے ان کو پکارا ہے یعنی مسلمان، مومن، اللہ کے بندے''۔

یہ حدیث حسن ہے اور اس آیت سے اس کی شہادت ملتی ہے: ''کہ یقیناً اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور اسی نے تمہیں رِزق عطا فرمایا۔ پس تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ''۔

زیرنظر آیت کریمہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنی چاہیئے کیونکہ وہ یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

زیر بحث آیت کریمہ سے اکثر مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود پر بہت سی آیات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں ابونواس سے پوچھا گیا تو اُس نے فی البدیہہ اشعار میں اس کا جواب یوں دیا: (ترجمہ) زمین کی انگوری میں غور کر، اور دیکھ ان آثار کو کہ شاہ کی کاریگری نے کیا کچھ کر دیا۔ چاندی کی آنکھیں ایسی نگاہوں سے دیکھتی ہیں جو پگھلا ہوا سونا معلوم ہوتی ہیں۔ سونے کے منبر پر شہادت دینے والے کھڑے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اللہ کے وجود پر ابن المعتز نے جو اشعار کہے وہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں وہ کہتا ہے: (ترجمہ) تعجب ہے کہ منکر کیسے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے یا کیسے اس کا انکار کرتا ہے۔ حالانکہ ہر چیز میں اس کی ایک علامت موجود ہے جو بتاتی ہے کہ وہ اللہ ایک ہی ہے۔

جناب عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ ''انداد شرکِ مخفی ہے جیسے کہ سیاہ چیونٹی اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چلے اور وہ اس طرح کہ تم کہو، اللہ کی قسم، تیری ماں کی قسم، اے فلانی، میری جان کی قسم۔ اور یہ کہے کہ اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو ہمارے ہاں چور آ جاتے اور اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو ہمارے ہاں چور آ جاتے۔ اور یہ کہ انسان اپنے ساتھی سے کہے ''جو اللہ چاہے اور تم چاہو'' اور یہ کہ ''اللہ اور فلاں شخص نہ ہوتا'' تو اس میں ''فلاں'' نہ رکھ کیونکہ یہ سب باتیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی تعریف میں آتی ہیں''۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سب شرک ہے اور اِس دَور میں اس قسم کے الفاظ لوگ کثرت سے استعمال کرتے ہیں جو نہ توحید کی معرفت رکھتے ہیں اور نہ شرک کی سنگینی سے واقفیت۔ لہٰذا ہر شخص کو ان اُمور سے بچتے رہنا چاہیئے کیونکہ یہ گنا اکبر الکبائر میں سے ہیں اس لئے ان سے سختی سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہیئے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کیا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے لئے غیر اللہ کی قسم کھانے سے اللہ کی جھوٹی قسم کھانا زیادہ بہتر ہے''۔

ہر شخص کو اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں کھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لیکن

شرک تمام بڑے بڑے گناہوں سے زیادہ سنگین ہے اگر چہ شرکِ اصغر ہی کیوں نہ ہو۔شرکِ اصغر جب تمام کبیرہ گناہوں سے زیادہ سنگین ہے تو اس سے شرکِ اکبر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو خلودِ جہنم کا موجب ہے۔

شرکِ اکبر میں سے چند اعمال مندرجہ ذیل ہیں: ☆ غیر اللہ کو مصائب و مشکلات میں پکارنا۔ ☆ غیر اللہ سے استغاثہ کرنا۔ ☆ غیر اللہ کی طرف توجہ اور رغبت کرنا۔ ☆ اپنی حوائج اور ضروریات کو غیر اللہ کے سامنے پیش کرنا۔ ☆ قبروں کی تعظیم کرنا۔ ☆ قبروں کی بایں طور پر تعظیم کرنا کہ ان کو وثن بنا لیا جائے۔ ☆ قبروں پر تعمیرات کرنا اور بڑے بڑے قبے بنا ڈالنا۔ ☆ قبروں میں مساجد تعمیر کرنا اور ان کو سجدہ گاہ قرار دینا۔ ☆ صاحب قبر کے نام پر قبہ بنانا تا کہ صاحب قبر کی عظمت باقی رہے۔ ☆ اور صاحب قبر کی طرف اقوال و اعمال اور دل سے متوجہ ہونا وغیرہ۔

اُمت محمدیہ ﷺ کی اکثریت ان افعال و اعمالِ شرکیہ میں غرق ہو چکی ہے۔ یہ ایسا شرک ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ یہ ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ نام نہاد مسلمانوں نے قرآن کریم کی واضح اور بین آیات کو جن میں سے اس شرک کی نفی کی گئی ہے ترک کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے: (ترجمہ) ''اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو بالکل جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی سچی آیات کو جھٹلائے۔ ایسے لوگ اپنے نوشتہ تقدیر کے مطابق اپنا حصہ پاتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ گھڑی آ جائے کی جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی رُحیں قبض کرنے کے لئے پہنچیں گے اُس وقت اُن سے پوچھیں گے کہ بتاؤ اب کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جنکو تم اللہ کے بجائے پکارتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ''سب ہم سے گم ہو گئے''۔ اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ ہم واقعی منکر حق تھے''۔ (الاعراف: ۳۷)۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کافر قرار دیا ہے جو اِس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارا کرتے تھے۔ ایک مقام پر ارشادِ الٰہی ہے: (ترجمہ) ''اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو''۔ (الجن: ۱۸)۔ ایک مقام پر فرمایا: (ترجمہ) ''اے نبی ﷺ کہو کہ میں تو اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا''۔ کہو ''میں تم لوگوں کے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں، نہ بھلائی کا'' (الجن: ۲۰ تا ۲۱)۔

مشرکین کا بُرا ہو کہ اُنہوں نے احکام الٰہی اور فرامین رسول ﷺ کی ہدایت کی مخالفت کی اور جس چیز سے روکا گیا تھا اُس پر عمل کیا جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اور غیر اللہ پر توکل اور بھروسہ کرنا وغیرہ۔ افسوس

کہ بعض لوگوں نے اپنے اشعار میں یوں کہا: ''اے معزز ترین مخلوق! تیرے سوا میرا کوئی ایسا نہیں جس کی میں عام مصیبتوں کے آنے پر پناہ لے سکوں۔ اگر تو مہربانی فرما کر قیامت کو میرا ہاتھ نہ پکڑے تو کہہ، ہائے قدم کا پھسلنا۔ تیری سخاوت میں سے دُنیا اور اس کی سوت (آخرت) ہے اور تیرے ہی علم میں سے لوح وقلم ہیں''۔

مندرجہ بالا اشعار میں کس قدر جہالت اور گمراہی بھری ہوئی ہے۔ شاعر اپنا عقیدہ بیان کرتا ہوا کہتا ہے کہ نجاتِ اُخروی اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ غیر اللہ کی پناہ حاصل نہ کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعر اُن حدود سے تجاوز کر گیا ہے جن سے تجاوز کرنا رسولِ اکرم ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''میری تعریف میں غلو نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق غلو کیا تھا۔ میں صرف ایک بندہ ہوں، مجھے صرف اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول کہا کرو''۔ (رواہ مالک وغیرہ)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ) ''اے محمد ﷺ ان سے کہو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں''۔ (انعام: ۵۰)۔

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی اور (ترجمہء) اشعار میں بہت بڑا اختلاف پایا جاتا ہے بلکہ حقیقت میں یہ اشعار اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہیں۔

سیدنا حذیہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ ''جو اللہ چاہے اور فلاں شخص چاہے''۔ بلکہ یہ کہو ''جو اللہ چاہے اور پھر جو فلاں شخص چاہے''۔

فیہ مسائل

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ وہ شرکِ اکبر کے متعلق جو آیت نازل ہوتی اسے شرکِ اصغر پر بھی محمول کرتے۔ ☆ غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا شرک ہے۔ ☆ غیر اللہ کے نام کی سچی قسم کھانا، اللہ کی جھوٹی قسم کھانے سے بھی بدترین فعل ہے۔

باب

ما جاء فیمن لم یقنع بالحلف الله

اس باب میں کہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کی قسم نہیں کھانی چاہیئے اور

قسم لینے والے کا فرض ہے کہ قسم کے بعد اپنے مخالف سے متعلق حسن ظن رکھے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَحْلِفُوْا بِاٰبَآئِكُمْ مَنْ حُلِفَ لَهٗ بِاللهِ فَلْيَصْدُقْ وَمَنْ حُلِفَ لَهٗ بِاللهِ فَلْيَرْضَ وَ مَنْ لَّمْ يَرْضَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے باپ دادوں کی قسمیں نہ کھاؤ۔ جو اللہ کی قسم کھائے وہ سچ بولے۔ اور جس کے لئے اللہ کی قسم کھائی ء، اُسے راضی رہنا چاہیئے اور جو راضی نہ ہو، وہ عباداللہ (اللہ کے نیک بندوں) میں سے نہیں ہے۔ (رواہ ابن ماجہ بسند حسن)۔

غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھانے کی نفی اور تردید کے بارے میں گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ سچی بات ایک ایسا عمل ہے جو اللہ کریم نے اپنے نبیوں پر واجب قرار دیا ہے اور قرآن کریم میں اِس عمل کی خصوصی طور پر ترغیب دی ہے، فرمایا: (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو''۔ (توبہ: ۱۱۹)۔ ''راست باز مرد اور عورتیں''۔ (الاحزاب: ۳۵)۔ ''اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سچے رہتے تو اُن کے لئے بہت ہی بہتر تھا''۔ (محمد: ۲۱)۔ متقی اور پرہیزگار افراد کی یہی علامتیں ہیں۔ ایسی ہی افراد کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (ترجمہ) ''بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ قیامت اور ملائکہ اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو اور اُس کے پیغمبروں کو دِل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال، رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک وہ لوگ ہیں جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق اور باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں'' (البقرۃ: ۱۷۷)۔

شریعت اسلامیہ کی ہدایات اور احکام کی روشنی میں جب مدعا علیہ سے قسم اٹھوانے کی نوبت آ جائے اور وہ اس سے قسم لے تو مدعی کو لازم ہے کہ اس کی قسم کا اعتبار کرے اور راضی ہو جائے۔ جب صورتِ حال یہ ہو کہ ایک دوسرے کے معاملات چل رہے ہوں تو مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ اس کا عذر قبول کرتے ہوئے یا تہمت و برائی سے اس کے اظہارِ برات کے پیش نظر قسم کھانے والے کی قسم منظور کرے اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کے ساتھ حسن ظن رکھے جب تک کہ اُس کے خلاف کوئی بات واضح نہ ہو جائے جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

کے اثر میں بتایا گیا ہے۔''مسلمان کی زبان سے جو بات نکلے اُس سے شر کا مفہوم نہ لو جب تک کہ تم اِس سے خیر کا محل پاتے ہو''۔

اس حدیث میں تواضع، انکساری، اُلفت اور محبت وغیرہ اوصاف پنہاں ہیں جو اللہ کریم کو انتہائی محبوب اور پسندیدہ ہیں۔صاحب عقل وبصیرت شخص سے یہ باتیں پوشیدہ نہیں ہیں۔یہ ایسے اسباب اور اعمال ہیں جنکے انجام دینے سے لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جمع ہو جاتے ہیں یہ اوصاف جس خوش نصیب کے دل میں ودیعت کر دیئے جائیں وہ حسن اخلاق کے اُس بلند ترین مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال میں یہ اوصاف سب سے وزنی ہوں گے۔یہ مکارمِ اخلاق کی آخری کڑی ہیں جیسا کہ حدیث میں موجود ہے۔

ترمذی میں سیدنا ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ''قیامت کے دن مومن کی میزان میں حسن خلق سے زیادہ اور کوئی شے وزنی نہیں ہوگی۔اللہ تعالیٰ بداخلاق، بدگو پر سخت غصے کا اظہار کرتا ہے''۔

اے نفس کے خیر خواہ! ان باتوں پر غور وفکر کر، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری صلاح وخیر خواہی کا باعث ہوں، جیسے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری، ایسے کام کر، جن سے عام مسلمانوں میں خوشی اور مسرت پیدا ہو، ایسے اُمور سے اجتناب کر جن سے اپنی برتری اور دُوسروں سے اِنقباض نمایاں ہو کیونکہ ان اُمور میں ایسا خطرناک پہلو ہے جو نہ عقل میں آتا ہے اور نہ اسے دل ہی محسوس کرتا ہے۔

اس کی تفصیلات، کتب ادب وغیرہ میں درج ہیں، یہ موقع تفصیل میں جانے کا نہیں۔تفصیلات دیکھنے کے لئے بڑی بڑی کتب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔جس آدمی کو یہ چیز عطا کی گئی اور عمل کے قابل چیزوں پر عمل کی توفیق نصیب ہوتی اور جن چیزوں کو چھوڑنا واجب ہے اُن کو چھوڑ دیا تو یہ چیزیں اُس کے دین اور عقل کے کمال کی دلیل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ایک مسکین اور کمزور بندے کو توفیق دینے والا اور اُس کا مددگار ہے۔

فیہ مسائل

☆ والدین کی قسم اُٹھانے کی ممانعت۔ ☆ جس شخص کے لئے اللہ کے نام کی قسم لی گئی اُسے قسم کے بعد راضی ہونے کا حکم۔ ☆ جو شخص قسم لینے کے بعد بھی راضی نہ ہو اُس کو وعید۔

باب

قول ما شاء الله و شئت

جواللہ چاہے اور اے محمد ﷺ جو آپ چاہیں کے الفاظ زبان سے نکالنا شرک ہے۔ زمانہ نبوی کے یہودی اور عیسائی بھی ان الفاظ کو شرک قرار دیتے تھے۔

عن قتیلہ رضی اللہ عنہا اَنَّ یَهُوْدِیًّا اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ اِنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ تَقُوْلُوْنَ مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ وَ تَقُوْلُوْنَ وَالْكَعْبَةِ فَاَمَرَهُمُ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اَرَادُوْا اَنْ یَّحْلِفُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ وَ اَنْ یَّقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ (رواہ النسائی وصححہ)۔

سیدہ قتیلہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک یہودی نے رسول اللہ ﷺ سے آ کر کہا: کہ تم لوگ بایں طور مرتکب شرک ہوتے ہو کہ کہتے ہو، جو اللہ چاہے اور تم چاہو نیز کہتے ہو کعبہ کی قسم! پس رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب وہ قسم کھانا چاہیں تو (کعبہ کی قسم نہ کہیں بلکہ) ربِّ کعبہ کی قسم کہیں اور یہ کہیں کہ جو اللہ چاہے اور پھر تو چاہے

زیرنظر حدیث سے پتا چلتا ہے کہ ☆ حق بات کہنے والا کوئی بھی ہو اُسے تسلیم کر لینا چاہیئے۔ ☆ کعبہ کی قسم نہ اُٹھانی چاہیے، اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہی وہ بیت اللہ ہے کہ حج وعمرہ کرنے کے لئے جس کا قصد کرنا فرض ہے۔ اور یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کی ممانعت عام ہے نہ کسی مقرب فرشتے کو، نہ کسی نبی مرسل کو، نہ بیت اللہ کو، غرض یہ کہ کسی کو بھی اللہ کریم کے ساتھ شریک بنانا حرام ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل عوام بیت اللہ کی قسمیں اٹھانا اور اس سے ایسا سوال کرنا جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی پورا کرسکتا ہے، جیسے قبیح عمل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ہر عقلمند، اور صاحب بصیرت شخص کے سامنے یہ مسئلہ واضح ہے کہ بیت اللہ نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے اور نہ کسی کو ادنیٰ سی مصیبت میں مبتلا کرسکتا ہے۔ اللہ کریم نے تو صرف اس کا طواف کرنا اور اس کے اندر عبادت کرنا جائز قرار دیا ہے اور اس کو اُمت محمدیہ ﷺ کے لئے قبلہ مقرر فرمایا ہے۔ بیت اللہ کا طواف کرنا جائز اور اس کے نام کی قسم اٹھانا اور اس سے دعا والتجاء کرنا حرام ٹھہرا دیا ہے۔ لہٰذا ہر عقلمند شخص کو ان اُمور میں جو بیت اللہ میں جائز، اور بعض ممنوع ہیں فرق کرنا ضروری ہے اگرچہ ساری دُنیا مخالف اور دشمن ہو جائے۔

انسان کتنی بھی تدبیریں سوچے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اِرادہ، اللہ کریم کے ارادے کے تحت اور تابع ہے۔ انسان کو اپنے ارادے کے انجام دینے کی قطعاً قدرت نہیں ہے جب تک کہ اللہ کریم نہ چاہے۔ اور وُہی کام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ جیسے فرمایا: ''اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ ربُّ العالمین نہ چاہے''۔ (التکویر: ۲۹)۔ ایک دوسرے مقام پر اِرشادِ الٰہی ہے: ''یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرلے اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔ یقیناً اللہ بڑا علیم وحکیم ہے''۔

ان آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ سے، قدریہ، اور معتزلہ کی تردید ہوتی ہے۔ یہ دونوں فرقے تقدیر الٰہی کے منکر ہیں۔ ان گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کے خلاف، انسان کام کر سکتا ہے۔ ان کے اس باطل عقیدہ کی تردید آئندہ صفحات میں تفصیل سے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ فرقے اُمت محمدیہ کے مجوسی ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا وہی عقیدہ اور موقف ہے جسے قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ شریعت کے مخالف اور موافق اعمال واقوال میں انسان کے تمام ارادے اللہ تعالیٰ کے ارادے کے تابع ہیں۔ انسان کے وُہ ارادے جو شریعت مطہرہ کے موافق ہیں اللہ کریم ان سے راضی اور خوش ہوتا ہے اور وہ عزائم جو شریعت اسلامیہ سے متصادم ہیں ان کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے لیکن وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا''۔ (الزمر: ۷)۔

زیرِ نظر حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ کعبہ کی قسم اٹھانا شرک ہے کیونکہ آنے والے یہودی نہ

یہی کہا تھا ''تم شرک کرتے ہو''۔ اور اس پر آپ ﷺ نے انکار نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ کا اِرشادِ گرامی بھی گزشتہ حدیث کی تائید کرتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم اُٹھانا اور مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ کہنا شرک ہے۔

اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جو شخص کسی بندے کو اللہ کریم کے برابر قرار دے، اگرچہ یہ برابری شرکِ اصغر میں ہی کیوں نہ ہو گویا اُس نے اللہ تعالیٰ کا ''ند'' اور مثیل قرار دیا۔ خواہ یہ شخص مانے یا انکار کرے، اس سلسلے میں کم عقل اور جاہل لوگوں کی اس بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جن کا کہنا ہے کہ جب تک ہم غیر اللہ کی عبادت نہ کریں اور شرک اکبر و شرک اصغر میں سے کسی منہیہ عنہ کا ارتکاب نہ کریں اس وقت تک ہم مشرک نہ ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے ''اللہ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے''۔

و لابن ماجة عن الطفیل اخی عائشة رضی اللہ عنہا قال رَاَیْتُ فِیْمَا یَرَ النَّآئِمُ کَاَنِّیْ اَتَیْتُ عَلٰی نَفَرٍ مِّنَ الْیَهُوْدِ قُلْتُ اِنَّكُمْ لَاَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ قَالُوْا وَ اِنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ شَآءَ مُحَمَّدٌ ثُمَّ مَرَرْتُ بِنَفَرٍ مِّنَ النَّصَارٰی فَقُلْتُ اِنَّكُمْ لَاَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ قَالُوْا وَ اِنَّكُمْ لَاَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ شَآءَ مُحَمَّدٌ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَخْبَرْتُ بِهَا مَنْ اَخْبَرْتُ ثُمَّ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَاَخْبَرْتُهٗ قَالَ هَلْ اَخْبَرْتَ بِهَا اَحَدًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ طُفَیْلاً رَاٰی رُؤْیًا اَخْبَرَ بِهَا مَنْ اَخْبَرَ مِنْكُمْ وَ اِنَّكُمْ قُلْتُمْ كَلِمَةً كَانَ یَمْنَعُنِیْ كَذَا وَ كَذَا اَنْ اَنْهَاكُمْ عَنْهَا فَلَا تَقُوْلُوْا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ شَآءَ مُحَمَّدٌ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ

سنن ابن ماجہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مادر زاد بھائی سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس پہنچا میں نے کہا تم بہتر لوگ ہوا گر سیدنا عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہ کہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم بھی بہتر لوگ ہوا گر یہ نہ کہو کہ ''جو اللہ اور محمد ﷺ چاہیں''۔ پھر عیسائیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا، میں نے کہا تم بہت اچھے لوگ ہوا گر سیدنا مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہ کہو۔ انہوں نے کہا کہ تم بھی اچھے لوگ ہو، اگر ''جو اللہ اور محمد ﷺ چاہے'' کے الفاظ نہ کہو۔ صبح ہوئی تو میں نے یہ بات کچھ لوگوں کو بتائی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ سے بھی یہ بات عرض کی۔ فرمایا کسی اور کو بھی بتایا؟ عرض کی جی ہاں! (آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے) اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا: اما بعد! طفیل (رضی اللہ عنہ) نے ایک خواب دیکھا ہے جو تم میں سے بعض کو بتا بھی دیا ہے، تم ایک ایسا جملہ

بولتے تھے کہ میں اِس سے تم کو روکنے میں شرم محسوس کرتا تھا۔تم آئندہ ''جو اللہ اور محمد چاہے'' نہ کہا کرو بلکہ کہا کرو''جو اکیلا اللہ چاہے''۔

پیش نظر حدیث میں جس خواب کا تذکرہ سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ نے کیا ہے وہ سچا خواب تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی اوراس کے مطابق عمل کرنے کی تاکید بھی فرمائی۔اس حدیث میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے فرمایا:''وہی کام ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ چاہیں گے، کہنا حرام ہے''۔ بلکہ اس حدیث اور گزشتہ حدیث دونوں میں فرمایا کہ صرف ''جو اللہ اکیلا چاہے کہا کرو''۔اس میں شک نہیں کہ اس حدیث میں جس عمل پر حکم کرنے کو کہا گیا ہے وہ اخلاص کا مکمل اور اعلیٰ ترین مقام ہے اور شرک سے بہت دُور ہے۔ کیونکہ اِس میں اس توحید کی صراحت ہے جو تہدید کے ہر پہلو کی نفی کرتی ہے۔لہٰذا ہر عقلمند اور صاحب بصیرت شخص توحید اور اخلاص کے اعلی مقام کو ہی اپنے لئے پسند کرے گا۔

طفیل رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کی خواب سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں اس مذکورہ حدیث میں مذکور الفاظ کہنے کو سختی سے منع فرمایا اور دِین اسلام کے مکمل ہونے تک اس مسئلہ کو بار بار ذہن نشین کرواتے رہے، اوراس کی تبلیغ کا حق ادا کردیا۔

طفیل بن عبداللہ کے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی جھلک پائی جاتی ہے! جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:''اچھا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

خواب اگرچہ نیند ہی کی حالت میں دیکھا جاتا ہے لیکن یہ وحی کے درجہ میں آتا ہے۔ نبی کے خواب سے امرونہی کے بارے میں وہی احکام مرتب ہوں گے جو براہِ راست وحی کے نزول سے ثابت ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فیہ مسائل

☆ شرک اصغر سے یہودیوں کا آگاہ ہونا۔ ☆ خواہشات کے دباؤ کے وقت اِنسان کا شرک سے متعلق خوب آگاہ ہونا۔ ☆ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا ہے۔ ☆ ماشاء اللہ وشاء محمد کہنا شرک اصغر ہے نہ کہ شرک اکبر۔ ☆ اچھا خواب وحی کی اقسام میں سے ہے۔ ☆ اچھا خواب بعض اوقات کسی حکم کی وضاحت اور تشریح کے لئے دکھائی دیتا ہے۔

باب

من سب الدهر فقد اذه الله

اس باب میں اس اہم بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ زمانے کو گالی دینا اللہ تعالیٰ کو ایذا رسانی کے مترادف ہے۔

وقول الله تعالی وَ قَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ (الجاثیۃ:۲۴)۔

اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دُنیا ہی کی ہے کہ یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں، صرف گمان سے کام لیتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''اللہ تعالیٰ دریہ اور کفار، اور ان کے ہمنوا مشرکین عرب کے قیامت کے انکار کے بارے میں فرماتا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کو ہی اصل قرار دیتے ہیں جس میں ایک کے بعد دوسری قوم آتی اور اپنی زندگی گزار کر چلی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک دوبارہ اٹھائے جانے، اور قیامت کے برپا ہونے کا کوئی معقول جواز نہیں ہے''۔

یہ تھا مشرکین عرب کا عقیدہ جو معاد کے منکر تھے اور فلاسفہ الٰہیین کا بھی یہی عقیدہ ہے جو نہ تو ابتدائے آفرنیش کے قائل ہیں اور نہ قیامت کو مانتے ہیں۔ نیز فلاسفہ دہریہ یا فلاسفہ دَوریہ کا بھی یہی عقیدہ ہے یہ لوگ صانع حقیقی کے منکر ہیں۔ مزید برآں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد دوبارہ ہر چیز اپنی پہلی

شکل وصورت میں آ جاتی ہے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے اور رہے گا۔پس ان لوگوں نے ہر معقول بات اور منقول دلائل کو پس پشت ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ ''ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے''۔صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''ان کو اس کا کچھ بھی علم نہیں وہ صرف ایک گمان رکھتے ہیں''۔ان مشرکین کی یہ اپنی خیالی باتیں ہیں اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

و فی الصحیح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یُؤْذِیْنِی ابْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ وَ اَنَا الدَّهْرُ اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَ النَّهَارَ و فی روایة لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰہَ هُوَ الدَّهْرُ

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کہ ابن آدم زمانہ کو گالی دے کر مجھے تکلیف دیتا ہے کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں دِن اور رات میں تبدیلی میں ہی کرتا ہوں۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''زمانہ کو گالی نہ دو کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے''۔

صحیحین،ابوداؤد،اور نسائی کی وہ روایت جو سفیان بن عینیہ،عن الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے کہ: ''ابن آدم زمانے کو گالی دے کر مجھے تکلیف پہنچاتا ہے کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں،میرے ہی ہاتھ میں تمام اُمور کی باگ ڈور ہے،دن اور رات میں تبدیلی میرا کام ہے۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ زمانے کو گالی نہ دیا کرو کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ابن آدم کو یہ بات نہ کہنی چاہیئے کہ اے زمانے! تیرا ستیاناس ہو،کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں۔دن رات کو میں ہی بھیجتا ہوں،میں جب چاہوں گا اِن کو ختم کر دوں گا''۔

مشرکین عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ زمانے کی مذمت کیا کرتے تھے۔جب بھی اُن پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہو جاتی تو زمانے کو گالی دینا شروع کر دیتے اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ ان مصائب ومشکلات کو زمانے کی طرف منسوب کرتے اور کہتے کہ ہم کو زمانے کے نشیب وفراز نے تباہ کر دیا ہے۔تو نتیجتاً ان کی گالیوں کا براہِ راست ہدف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہوتی کیونکہ حقیقی طور پر وہ تمام اُمور جو مشرک سرانجام دیتے ہیں ان کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا زمانے کو گالیاں دینے سے روک دیا گیا''۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں نے اپنے

بندے سے قرض طلب کیا اور اُس نے مجھے نہیں دیا۔ اور الٹا مجھے یوں گالی دی کہ ''ہائے زمانہ'' کیونکہ میں ہی حقیقت میں زمانہ ہوں۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہمنوا علمائے ظاہریہ نے اسی حدیث کو سامنے رکھ کر الدّہر کو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں شمار کیا ہے۔ ان کا یہ قیاس اور اجتہاد درست نہیں۔ الدّہر کے معنی کی خود اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ ''رات اور دن کو میں ہی بدل کر لاتا ہوں''۔ زمانے میں انقلاب وتغیر صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ ان میں بعض تغیرات کو لوگ اچھا سمجھتے ہیں اور بعض کو ناگوار قرار دیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جو کچھ زمانے میں خیر وشر کا وقوع ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اُس کے علم میں ہے اور اس کی حکمتوں کے مطابق ہو رہا ہے۔ جس میں کسی غیر اللہ کو قطعی طور سے شرک نہیں ہے۔ کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس سے حسن ظن رکھنا چاہیئے اور انتہائی درماندگی اور بے بسی کی حالت میں اس کی رحمت کی اُمید ہونی چاہیئے اور اسی سے توبہ واستغفار کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے اُن کی آزمائش کرتے رہے تاکہ وہ ہماری طرف رجوع کریں''۔ (الاعراف: ۱۶۸)۔ ایک مقام پر ارشادِ ربانی ہے کہ: (ترجمہ) ''اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں آخر کار تمہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔

فیہ مسائل

☆ زمانے کو گالی دینے سے روکنا۔ ☆ زمانہ کو گالی دینا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے۔ ☆ زمانے کو برا کہنا بعض اوقات گالی ہی ہوتا ہے اگرچہ انسان کے دِل میں گالی دینا مقصود نہ ہو۔

باب

التسمی بقاضی القضاۃ و نحوہٖ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کو ''قاضی القضاۃ'' کہنے کی ممانعت میں یہ عنوان تجویز

کیا ہے۔آئندہ سطور میں آنے والی حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ عنوان قائم کیا ہے اوراس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے خالق حقیقی سے مشابہت پائی جاتی ہے۔

وفی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اَخنعَ اِسمٍ عِندَ اللهِ رَجُلٌ تَسَمّٰی مَلِکَ الْاَمْلَاکِ لَا مَالِکَ اِلَّا اللهُ قَالَ سُفیَانُ مِثْلَ شَاهَانِ شَاهُ و فی روایۃ اَغیَظُ رَجُلٍ عَلَی اللهِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ اَخبَثُهُ قولہ اَخنَعَ یَعْنِیْ اَوْضَعَ

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ حقیر شخص وہ ہے جو اپنے آپ کو شہنشاہ کہلاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی شہنشاہ نہیں ہے۔سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں، جیسے شاہانِ شاہ۔ایک روایت میں ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مغضوب اور خبیث کے الفاظ بھی آئے ہیں۔اخنع کے معنی سب سے زیادہ ذلیل وخوار۔

مَلِکُ الْاَمْلَاکِ کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی بولا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے بڑا، اور عظیم کوئی بادشاہ نہیں۔اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ وہ مالک الملک ذوالجلال والاکرام ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اقتدار دیتا ہے اور وہ بھی عارضی طور پر اور جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے کہ وہ اقتدار کو ایک سے چھین کر دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے۔ثابت ہوا کہ دنیا کی سلطنت عارضی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔البتہ ربُّ العالمین اور احکم الحاکمین کی بادشاہت کامل اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔اس کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ اس کو کبھی ختم ہونا ہے۔اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں انصاف ہے وہ اس کی وجہ سے کسی کو بلند کرتا ہے اور اس کی بنیاد پر کسی کو ذلیل ورسوا کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کی تفصیلات کو اپنے علم اور اپنے فرشتوں یعنی کراماً کاتبین کے ذریعہ محفوظ رکھتا ہے۔ان ہی اعمال کے مطابق انسان کو بدلہ ملے گا۔اگر اچھے کام کیئے تو اجر ملے گا ورنہ عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! تمام حمدیں تیرے ہی لئے ہیں اور ساری کائنات کی بادشاہت تیری ہی ہے ہمہ قسم کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے تمام اُمور کی باگ ڈور تیرے ہی قبضے میں ہے۔اے اللہ! میں تمام بھلائیاں تجھی سے مانگتا ہوں اور ہر قسم کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

پس ایسے شخص کے بارے میں یہ دو اُمور بیک وقت جمع ہونے کی دو وَجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ اُس نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا، اور دوسری یہ کہ لوگ اس کلمہ کی وجہ سے اسے بڑا سمجھیں چانچہ یہ دونوں وصف ایسے ہیں جن کا یہ اہل نہ تھا۔ نتیجہ یہ شخص تمام مخلوقِ الٰہی سے زیادخبیث اللہ کے نزدیک مغضوب علیہ اور حقیر ترین بن گیا اور خبیث اور مبغوض شخص قیامت کے دن تمام مخلوق سے زیادہ حقیر اور ذلیل متصور ہوگا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بنا پر مخلوقِ الٰہی کے سامنے اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرتا رہا۔

زیر بحث حدیث میں ہر اُس امر سے ڈرایا گیا ہے جس میں اپنے آپ کو بڑا بنانے کا اظہار کیا گیا ہو۔ اس سلسلے میں سنن ابی داؤد میں ابن ابی مجلز سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابن زبیر اور ابن عامر رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لائے تو ابن عامر نے کھڑے ہو کر استقبال کی۔ لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ بدستور بیٹھے رہے۔ یہ دیکھ کر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عامر سے کہا کہ آپ بھی بیٹھ جائیں کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ”جو شخص یہ چاہے کہ دوسرے لوگ اُس کے لئے کھڑے ہوں تو اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم قرار دے لینا چاہیئے۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عصا پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عجمیوں کی طرح کسی کی تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو جس سے ایک دوسرے کی عظمت ہوتی ہو“۔ یہ صفت ان صفات سے ہے جن کو جوں کا توں سمجھنا ضروری ہے۔ اسی طرح کتاب وسنت میں جو صفات مذکور ہیں ان کا اتباع اسی طرح ضروری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کو لائق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو بلا تمثیل وتنزیہہ، اور بلا تعطیل ثابت مانتے ہیں۔ اہل سنت، صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور ان کے بعد تمام اسلامی فرقوں کا یہی مسلک اور مذہب ہے۔ اور وہ اختلاف جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے، یہ تیسری صدی ہجری کے آخری دَور کی پیداوار ہے۔ اور اسی تفریق اور اختلاف کی وجہ سے اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم صراط مستقیم سے ہٹ گئی ہے۔ یہ بات ہر اُس شخص کو معلوم ہے جو تاریخ پر گہری نگاہ رکھتا ہے۔ واللہ المستعان۔

فیہ مسائل

☆ کسی کو مَلِکَ الْاَمْلَاک یعنی شہنشاہ یا شاہانِ شاہ کے نام سے موسوم کرنے کی ممانعت۔ ☆ ہر وہ لفظ یا جملہ

جس سے مَلِکَ الاَمْلاَکِ کے معنی ظاہر ہوں، اس کی ممانعت۔ ☆اس باب میں اور دوسرے تمام مقامات پر جہاں اس قسم کی شدت اختیار کی گئی ہے، اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت۔ اگر چہ دِلی کیفیت اس کے مفہوم و معنی کی متحمل نہ بھی ہو پھر بھی اس قسم کے القاب واسماء کا استعمال ممنوع ہے۔ ☆اس بات کو بھی خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نوعیت کی تمام شدتیں صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت ہی کی وجہ سے اختیار کی گئی ہیں۔

باب

احترام اسماء اللہ تعالیٰ

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماوصفات کی تعظیم کی جائے اور اسی بنیاد پر مشرکانہ ناموں کو بدل ڈالنا ضروری ہے۔

عن ابی شریح رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ کَانَ یُکَنّٰی اَبَا الْحَکَمِ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللہَ ھُوَ الْحَکَمُ وَ اِلَیْہِ الْحُکْمُ فَقَالَ اِنَّ قَوْمِیْ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِیْ شَیْءٍ اَتَوْنِیْ فَحَکَمْتُ بَیْنَھُمْ فَرَضِیَ کِلَا الْفَرِیْقَیْنِ فَقَالَ مَ اَحْسَنَ ھٰذَا

سیدنا ابوشریح رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحکم تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا صرف اللہ ہی حَکَم ہے اور حُکم اُسی کا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری قوم کے افراد جب کسی معاملے میں اِختلاف کرتے ہیں تو میرے پاس آجاتے ہیں، میں اُن کا فیصلہ کر دیتا ہوں جس پر دونوں فریق رضامند ہو جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی اچھی بات ہے۔ فرمایا تیری اولاد کیا ہے؟ عرض کیا شریح، مسلم اور عبداللہ۔ فرمایا ان میں سے بڑا کون ہے؟ میں نے کہا شریح! فرمایا: تو ٹھیک ہے تم ابوشریح ہو۔

دنیا اور آخرت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرما کر فیصلہ کرتا ہے جو اس نے اپنے تمام انبیاء ورُسل پر نازل فرمائی۔ ان فیصلوں کو سمجھنا اُمت محمدیہ کے اہل علم

اور اصحابِ بصیرت پر اللہ تعالیٰ نے آسان فرمایا کیونکہ بحیثیت مجموع اُمت محمدیہ ﷺ گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔ بعض مسائل میں اگرچہ علمائے اُمت نے مختلف رجحانات رکھتے ہیں لیکن ان میں کسی ایک کا حق پر ہونا لازمی اور ضروری ہے، لہٰذا جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ نے قوت فہم اور صحیح بات کو سمجھنے اور پرکھنے کا ملکہ عطا فرمایا ہے اُس کے لئے حق بات کو پالینا کوئی مشکل کام نہیں۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور اُس کی خاص توفیق سے ہی ممکن ہے اور یہ اللہ کریم کا خاص عطیہ اور اس کا فضل ہے۔ ہم سب اللہ کریم سے اس عظیم عطیہ اور فضل کی بھیک مانگتے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی کا فیصلہ ہوگا، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ:

(ترجمہ) تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو، اس کا فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے'' (الشوریٰ:۱۰)

''اور اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ تعالیٰ اور رُسول ﷺ کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے''۔ (النساء:۵۹)۔

لہٰذا متنازعہ فیہ مسائل میں اللہ تعالیٰ ہی کو حکم ماننا چاہیئے۔ اس کی واحد صورت یہ ہے کہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور یا پھر اپنے جھگڑے کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا چاہیئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں جا کر فیصلہ کروایا جائے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے۔ اور اب آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی سنت اور احادیث کو مشعل راہ بنایا جائے اور اس کے مطابق اپنے اختلافات کو ختم کیا جائے۔

آجکل احکامِ کتاب وسنت سے ناواقف لوگ جس افراط وتفریط میں گھرے ہوئے ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ کتاب وسنت سے عدم واقفیت ہے وہ کتاب وسنت سے جاہل ہونے کے باوجود اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔ قیامت کے دن جب اللہ کریم اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے نزولِ اجلال فرمائے گا تو وہاں کسی کو دم مارنے کی جرات نہ ہوگی۔ وہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کے ہر قسم کی اعمال سے آگاہ اور باخبر ہے وہاں انصاف ہی انصاف ہوگا۔ اللہ کریم فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اُسے دوچند کرتا ہے اور اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے''۔ (النسا:۴۰)۔

قیامت کے دن فیصلہ بھلائی اور برائی کے درمیان ہوگا۔ ظالم کے ظلم کے مطابق اُس کی نیکیاں لے کر

مظلوم کے حوالے کردی جائیں گی اور اگر ظالم کے اعمال میں نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کی برائیاں اٹھا کر ظالم پر ڈال دی جائیں گی اور اس فیصلہ میں فریقین پر ذرہ برابر زیادتی نہ ہوگی بلکہ عدل وانصاف سے فیصلہ ہوگا۔

ابوشریح رضی اللہ عنہ کی قوم نے جب دیکھا کہ ابوشریح عدل وانصاف سے فیصلہ کرتے ہیں اور فریقین ان سے خوش ہوتے ہیں تو وہ اپنے اس وصف کی وجہ سے ہر شخص کے منظورِ نظر بن گئے۔اسی کو صلح کہتے ہیں کیونکہ صلح کا دارومدار ہی رضا پر ہے نہ کہ دوسرے پر بوجھ ڈالنے اور یہود ونصاریٰ کی طرح کہانت پر اعتماد وانحصار کرنے پر۔

صلح کا دارومدار اس پر بھی نہیں کہ اہل جاہلیت کی طرح بڑوں کے اقوال کو مستند سمجھ لیا جائے۔ چنانچہ وہ کتاب وسنت کے خلاف اپنے اکابر اور اسلاف سے فیصلہ کراتے تھے جیسے آجکل اہل طاغوت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پس پشت ڈال کر اپنی خواہشات اور مرضی کے مطابق فیصلے کرتے ہیں آجکل اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثریت اسی مرض میں مبتلا ہے۔

بعض مقلدین کا بھی یہی حال ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے جس کی تقلید کرتے ہیں اس کے قول پر اعتماد کرتے ہیں اور صحیح مسلک یعنی کتاب وسنت کو چھوڑے ہوئے ہیں۔اناللہ و انا الیہ راجعون۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی کنیت رکھنا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے بڑے لڑکے کے نام سے کنیت رکھے۔اس مسئلہ کی تائید میں محدثین کرام نے احادیث بھی نقل فرمائی ہیں

فیہ مسائل

☆ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی عزت وتکریم کرنی چاہیئے اگرچہ استعمال کرتے وقت اس کا معنی مقصود نہ ہو ☆ رب کریم کے اسماء وصفات کی عزت وتکریم کی وجہ سے نام تبدیل کر لینا۔ ☆ اپنی کنیت رکھتے وقت بڑے بیٹے کے نام کو اختیار کرنا۔

باب

من هزل بشی فیه ذکر الله او القرآن او للرسول

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ قرآن کریم، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی

ایسی چیز کا مذاق اُڑانا جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے ایک کافرانہ فعل ہے۔

قولہ تعالی وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ (التوبہ:٦٥)

اگران سے پوچھو کہ تم کیا باتیں کررہے تھے تو جھٹ کہہ دیں گے کہ ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کررہے تھے۔ان سے کہو' کیا تمہاری ہنسی، دل لگی اللہ، اس کی آیات اور رسول ﷺ ہی کے ساتھ تھی'۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ" (غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران) منافقین میں سے ایک شخص نے صحابہ کرام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ☆ ہمارے یہ قراء پیٹ کے پجاری، ☆ زبان کے جھوٹے، ☆ اور میدان جنت میں انتہائی بزدل ثابت ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس منافق کی اس غلط بات کو رسول اکرم ﷺ کے سامنے لایا گیا، یہ منافق بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔اس کی تیز رفتاری کے باعث زمین کے چھوٹے چھوٹے پتھر اس کے قدموں سے الجھ رہے تھے، ان کی پروا کئے بغیر وہ آپ کے پاس پہنچا اور آپ ﷺ نے اس بیہودہ بات کے متعلق سوال کیا تو اس منافق نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم تو آپس میں استہزا کررہے تھے اور مذاق بازی ہورہی تھی تا کہ سفر کی تکلیف محسوس نہ ہو۔آپ ﷺ نے قرآن کریم کی تازہ نازل شدہ آیت تلاوت فرمائی' (ترجمہ)"اب عذر نہ تراشو۔تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیا تو دوسرے گروہ کو تو ہم ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہے"۔(التوبہ:٦٥)۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ جنگ تبوک کے سفر کے دوران منافقین میں سے بنی اُمیہ سے ودیعہ بن ثابت، اور قبیلہ اشجع سے مخشی بن حمیر، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ کر کے ایک دوسرے سے کہنے لگے:"ان لوگوں نے بنو اصفر کے بہادروں کو جن کے ساتھ جنگ کے لئے ہم جارہے ہیں یوں سمجھ لیا ہے جیسے کہ عرب آپس میں جنگ کرتے ہیں۔اللہ کی قسم مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ کل رسیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔یہ جملہ ان منافقین نے مومنین کو ڈرانے اور خوفزدہ کرنے کے لئے کہا تھا۔مخشی بن حمیر بولا: ہم میں سے ہر شخص ایک ایک سو کوڑے کی سزا کا مستحق ہے کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ ہماری اس ناروا بات پر قرآن نازل ہو چکا ہوگا۔اُدھر رسولِ اکرم ﷺ نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ، ان منافقین نے بیہودہ باتیں کر کے اپنے آپ کو تباہ کرلیا ہے۔ان سے پوچھو کہ تم نے اس قسم کی باتیں کی ہیں؟ اگر وہ انکار کریں تو ان سے کہہ دینا کہ تم نے یہ الفاظ کہے ہیں۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے جا کر ان منافقین سے جب یہ پوچھا تو وہ فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر معذرت کرنے لگے۔ اس وقت رسول اکرم ﷺ اپنی سواری پر کھڑے تھے۔ ودیعہ بن ثابت رسول اللہ ﷺ کی سواری کی پیٹی پکڑ کر کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ ''ہم تو آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے''۔ مخشی بن حمیر بولا: یارسول اللہ ﷺ میرے اور میرے باپ کے نام نے مجھے تباہ و برباد کر دیا ہے۔ یہ سچے دل سے تائب ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔ اس عبدالرحمٰن نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مجھے شہادت نصیب ہو اور ایسی جگہ پر شہادت ہو کہ میری جگہ کا بھی کسی کو پتہ نہ چلے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء کو شرفِ قبولیت بخشا اور یہ فرزند اسلام جنگ یمامہ میں شہید ہوا اور اسکی لاش کا بھی پتا نہ چل سکا کہ کہاں ہے

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ وہ ان کو یہ فیصلہ سنا دے کہ: ''قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ'' ان لوگوں کی بات درست نہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ لوگ زبانی ایمان لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے ہیں اگرچہ یہ لوگ دِل سے تو پہلے ہی کافر تھے کیونکہ زبان سے ایمان کا اظہار اور دِل سے کفر و اِنکار کرنا ظاہری کفر کے برابر ہے۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہ ایمان کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ وہ حقیقتاً پہلے ہی کافر تھے۔ اگر یہ مراد لیا جائے کہ ''تم نے ایمان کے اظہار کے بعد کفر کا اظہار کیا ہے تو انہوں نے اس کا اظہار عام لوگوں کے سامنے نہیں کیا تھا بلکہ اپنے خاص آدمیوں میں کیا تھا اور وہ ہمیشہ اپنے خواص ہی کے ساتھ رہے۔ اور الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ہمیشہ منافق ہی رہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ''اگرچہ ان منافقین نے اعتقاداً نہیں بلکہ صرف زبان سے کفریہ کلمات کہے تھے کہ ہم نے مذاق اور استہزا کے طور پر یہ کہا تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات بینات سے مذاق کرنا کفر ہے مگر یہ اس شخص کے لئے ہوگا جس نے اس بات کا آغاز کیا۔ اگر ان لوگوں کے دل میں ایمان موجود ہوتا تو وہ لوگ اس قسم کی گفتگو نہ کرتے۔ قرآن کریم کی یہ بات بار بار واضح کرتی ہے کہ دل سے ایمان کا اقرار کرنا ظاہری عمل کو مستلزم ہے جیسے ایک جگہ فرمایا ہے: (ترجمہ) ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور رسول ﷺ پر اور ہم نے اطاعت قبول کی، مگر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ (اطاعت سے) منہ موڑ جاتا ہے۔ ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں''۔ (آیت ۵۱ تک)۔ ان آیات میں اس شخص کے

ایمان کی نفی کی گئی ہے جو اطاعت رسول ﷺ سے اعراض کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایمان داروں کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان متنازعہ فیہ مسائل میں فیصلہ کر دیں تو یہ پوری دلجمعی سے سنتے اور اطاعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ اطاعت اور فرمانبرداری ایمان کا جزوِ لاینفک ہے''۔

زیرِ نظر واقعہ میں اس بات کو پوری طرح واضح کیا گیا ہے کہ بعض اوقات انسان کو کسی جملے یا عمل کی وجہ سے کافر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں دِل کے ارادے انتہائی خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ دل کی مثال اُس سمندر کی سی ہے جس کا ساحل نہ ہو۔ نفاقِ اکبر سے خوف بھی پیدا ہوتا ہے۔ ان منافقین کے ناگفتہ بہ جملہ کہنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو ثابت کیا ہے جیسا کہ ابن ابی ملکہ نے کہا تھا: ''میں نے تیس ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے جو اپنے بارے میں نفاق سے بہت ڈرتے تھے۔

فیہ مسائل

☆ سب سے اہم اور بڑا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اکرم ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے مذاق کرے وہ کافر ہے۔ ☆ جو بھی اس قسم کے گھناؤنے فعل کا مرتکب ہوگا تو اِسی آیت کی روشنی میں اُس پر حکم لگایا جائے گا۔ ☆ چغلی اور اللہ و رسول ﷺ کے لئے نصیحت کرنے میں فرق۔ ☆ وہ عفو جسے اللہ کریم پسند کرتا ہے، اس میں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے پیش آنے میں فرق۔ ☆ بعض ایسے بھی عذر ہیں جن کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

باب

قول اللہ تعالیٰ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَ مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّ لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (فصلت:۵۰)

جونہی سخت وقت گزر جانے کے بعد ہم اُسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں،

یہ کہتا ہے کہ ''میں اسی کا مستحق ہوں اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی لیکن اگر واقعی میں اپنے رب کی طرف پلٹایا گیا تو وہاں بھی مزے کروں گا''

حالانکہ کفر کرنے والوں کو لازماً ہم بتا کر رہیں گے کہ وہ کیا کر کے آئے ہیں۔ اور انہیں ہم بڑے گندے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔

اس آیت کریمہ کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید میں مفسرین کی عبادت کو نقل فرمایا ہے جیسے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ یہ عبارتیں اتنی واضح ہیں کہ ان کو پڑھ کر انسان کی بالکل تشفی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہم ان عبارتوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

قال مجاهد رحمۃ اللہ علیہ هٰذَا بِعَمَلِيْ وَ اَنَا مَحْقُوْقٌ بِهٖ و قال ابن عباس رضی اللہ عنہ يُرِيْدُ مِنْ عِنْدِيْ وقوله قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے ''ھٰذا الی'' کا مفہوم یہ ادا کیا ہے کہ ''میں اپنے اعمال کی وجہ سے ان انعامات کا حقدار تھا''۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ''ھٰذا الی'' کا مفہوم یہ بیان فرمایا ہے کہ ''یہ انعامات میری ہی کوشش کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں''۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا فرمایا ہے ''چونکہ میں مختلف علوم و فنون کا ماہر تھا اس لئے ان کی وجہ سے مجھے یہ سب کچھ ملا ہے''۔ دوسرے علمائے کرام نے یہ فرمایا ہے کہ ''چونکہ اللہ کو میرے بارے میں یہ علم تھا کہ میں اس کا اہل اور حقدار ہوں لہٰذا مجھے یہ سب کچھ دے دیا گیا ہے''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے جو معنی بیان کئے تھے وہ دوسرے علما کے مفہوم کے خلاف نہیں۔ جس قدر مفہوم بیان کئے گئے ہیں ان میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا بلکہ ایک ہی معنی واضح ہوتے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین قسم کے شخص تھے۔ ایک کوڑھی، ایک گنجا اور ایک اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمانا چاہے تو اُن کی طرف فرشتہ بھیجا۔ فرشتہ کوڑھی کے پاس آیا اور پوچھا تجھے سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟ اُس نے جواب دیا اچھا رنگ اور اچھی چمڑی۔ اور یہ کہ یہ بیماری مجھ سے رفع ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے کراہت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اُس پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بیماری رفع ہوگئی۔ اب اُسے عمدہ رنگ بھی عطا کیا گیا اور

بہترین چمڑی بھی عنایت فرمائی گئی۔ پھر سوال کہ اب تمہیں کون سا مال زیادہ محبوب ہے؟ جواب میں اُس نے اونٹ یا گائے (راوی اسحٰق کو شک ہے) چنانچہ اسے حاملہ اونٹنی دی گئی اور کہا اللہ تیرے لئے اس میں برکت پیدا کرے۔ پھر فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور اُس سے کہا تجھے کیا چیز زیادہ پسند ہے؟ اُس نے کہا عمدہ بال اور یہ کہ یہ بیماری جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے کراہت محسوس کرتے ہیں، مجھ سے رفع ہو جائے۔ اب فرشتے نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرا اور وہ بیماری ختم ہوگئی اور ساتھ ہی اُسے بہترین بال بھی عطا کئے گئے۔ اس کے بعد فرشتے نے اس سے پوچھا تمہیں کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ کہا گائے یا اونٹ۔ چنانچہ اس کو حاملہ گائے دی گئی اور کہا اللہ تیرے لئے اِس مال میں برکت عطا کرے۔ اب فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے سوال کیا کہ تجھے کون سی چیز پسند ہے؟ اُس نے کہا یہ کہ اللہ میری بینائی واپس لوٹا دے جس سے میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اللہ نے اس کی بینائی واپس لوٹا دی۔ اس کے بعد پوچھا تجھے کون سا مال زیادہ محبوب ہے؟ کہا بکری۔ چنانچہ اس کو حاملہ بکری عطا کی گئی۔ کچھ مدت بعد ان سب کے ہاں اتنی تعداد میں بچے بڑھے کہ اُس کا ایک میدان اونٹوں کا ہوگیا، اُس کا ایک میدان گائے کا اور اُس کا بکری کا۔ پھر وہی فرشتہ کوڑھی کے پاس، اسی پہلی شکل وصورت میں آیا اور کہا کہ میں مسکین آدمی ہوں، میرے تمام اسباب منقطع ہو چکے ہیں اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ میں آج اپنے وطن میں اللہ کی مدد اور پھر تیری مدد کے بغیر نہیں پہنچ سکتا میں تجھ سے اُس ذاتِ پاک کے ذریعے سے، جس نے تجھے خوبصورت رنگ، بہتر چمڑی اور مال عطا کیا ہے، یہ سوال کرتا ہوں کہ مجھے ایک اونٹ دے دے جس پر میں سفر کر کے اپنے وطن پہنچ سکوں۔ اُس نے کہا مجھے بہت سی ضرورتیں درپیش ہیں۔ فرشتے نے کہا غالبًا میں تجھے پہچانتا ہوِ کیا تو کوڑھی نہ تھا؟ تجھ سے لوگ کراہت محسوس کرتے تھے، فقیر نہ تھا؟ تجھے اللہ عزوجل نے یہ مال عطا کیا۔ اس نے کہا یہ مال مجھے وراثت میں حاصل ہوا ہے میں نے اسے اپنے باپ دادا سے پایا ہے۔ اس نے کہا اگر تو کذب بیانی کرتا ہے تو اللہ پھر تجھے ایسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔ بعد ازاں وہ فرشتہ گنجے کے پاس اُسی کی صورت میں آیا۔ اس سے بھی وہی بات کی جو کوڑھی سے کی تھی اور اس نے بھی وہی جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا تو فرشتنے نے اس سے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے پھر ویسا ہی کر دے جیسا کہ تو اُس سے پہلے تھا۔ پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس آیا، اِسی کی شکل وصورت میں۔ کہا میں ایک مسکین اور مسافر ہوں۔ میرا تمام سامانِ سفر اور زادِ راہ ختم ہو چکا ہے۔ آج مجھے اپنی پہنچ کے لئے اللہ کی مدد اور پھر تیری امداد کے سوا کوئی اور ذریعہ دکھائی نہیں دیتا میں تجھ سے اُس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تجھے

تیری بینائی لوٹائی، ایک بکری کا سوال کرتا ہوں۔اس نے جواب دیا میں اندھا تھا، اللہ نے مجھے بینائی کی نعمت عطا فرمائی۔ تیرا جو جی چاہے لے لے اور جو جی چاہے چھوڑ دے۔ اللہ کی قسم آج تو جو کچھ بھی اللہ کے نام پر لے گا، میں اس میں تجھ سے کوئی جھگڑا نہ کروں گا۔ فرشتے نے کہا اپنا مال اپنے پاس رکھو۔تم آزمائے جا چکے۔ اللہ تجھ پر خوش ہو گیا اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)۔

پیش نظر حدیث بہت اہم ہے۔اس میں بیشمار عبرتیں اور نصیحتیں مضمر ہیں غور فرمایئے کہ پہلے دو آدمیوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کیا اور نہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اور نہ حقوق اللہ ادا کئے نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب کا شکار ہو گئے۔ البتہ نابینا شخص نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ حقوق اللہ کی ادائیگی کا فریضہ انجام دیا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ اُس نے شکر کے ان تینوں ارکان پر عمل کیا جن کے علاوہ شکر کا وجود ہی ممکن نہیں۔شکر کے تین ارکان یہ ہیں: ا۔اقرارِ نعمت۔ ۲۔انعامات کو منعم حقیقی کی طرف منسوب کرنا۔ ۳۔انعام کرنے والے کی رضا کے مطابق انعامات کو خرچ کرنا۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''حقیقت شکر یہ ہے کہ انسان انتہائی عجز و انکساری سے اللہ کریم کے انعامات کا دِل سے اعتراف کرے اور دل کی گہرائیوں سے منعم حقیقی سے محبت رکھے کیونکہ جو شخص اپنی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے انعامات کی حقیقت کو نہیں سمجھتا وہ انعامات کا شکر ادا کیسے کر سکتا ہے؟ اور جو شخص انعامات کو تو پہچان لیا ہے لیکن منعم کو نہیں پہچانتا وہ بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص مندرجہ بالا تمام اُمور کو بطریق احسن انجام دیتا ہے وہی حقیقت میں شکر کا حق ادا کرتا ہے۔ شکر کے لئے دل میں علم ہونا، علم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان منعم کی طرف میلان رکھتا ہے۔ اُس سے محبت کرتا ہے اور اُس کے سامنے عجز و انکساری سے پیش آتا ہے''۔

باب

قول اللہ تعالیٰ و للہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا و ذروا الذین یلحدون فی اسمائہ

اس باب میں اس حقیقت کو نکھا کر بیان کیا گیا ہے کہ اسمائے حسنی اللہ تعالیٰ ہی

کے ہیں، ان ہی کی وساطت سے اس کے سامنے دست دعا دراز کرو اور جو لوگ اُس کے ناموں میں شرک والحاد سے کام لیتے ہیں ان کو نظر انداز کر دو۔

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يلحدون فی اَسْمَائِه

اللہ تعالیٰ اچھے ناموں کا مستحق ہے اس کو اچھے ہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام رکھنے میں راستی سے منحرف ہو جاتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ کریم کے ننانوے نام ہیں، جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا، اللہ تعالیٰ ایک ہے اور طاق سے محبت کرتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ

الرَّحْمٰنُ	الرَّحِيْمُ	الْمَلِكُ	الْقُدُّوْس
بڑا مہربان	نہایت رحم والا	بادشاہ	پاک و بے عیب
السَّلَامُ	الْمُؤْمِنُ	الْمُهَيْمِنُ	الْعَزِيْزُ
سلامتی دینے والا	امن میں رکھنے والا	محافظ	باعزت
الْجَبَّارُ	الْمُتَكَبِّرُ	الْخَالِقُ	الْبَارِئُ
زبردست	بڑائی والا	پیدا کرنے والا	عالم کا بنانیوالا
الْمُصَوِّرُ	الْغَفَّارُ	الْقَهَّارُ	الْوَهَّابُ
صورت بنانے والا	بخشنے والا	سب پر غالب	بکثرت دینے والا
الرَّزَّاقُ	السَّتَّارُ	الْفَتَّاحُ	الْعَلِيْمُ
روزی دینے والا	عیب ڈھانکنے والا	کھولنے والا	ہر چیز جاننے والا
الْقَابِضُ	الْبَاسِطُ	الْخَافِضُ	الرَّافِعُ
بند کرنے والا	کشادہ کرنے والا	پست کرنے والا	بلند کرنے والا
الْمُعِزُّ	الْمُذِلُّ	السَّمِيْعُ	الْبَصِيْرُ

عزت دینے والا	ذلیل کرنے والا	سننے والا	دیکھنے والا
اَلْحَكَمُ	اَلْعَدْلُ	اَللَّطِيْفُ	اَلْخَبِيْرُ
فیصلہ کرنے والا	انصاف کرنے والا	باریک بین	ہر چیز سے باخبر
اَلْحَلِيْمُ	اَلْعَظِيْمُ	اَلْغَفُوْرُ	اَلشَّكُوْرُ
بردبار	بزرگ	بخشنے والا	قدردان
اَلْعَلِيُّ	اَلْكَبِيْرُ	اَلْحَفِيْظُ	اَلْمُقِيْتُ
سب سے بلند	سب سے بڑا	محافظ ونگہبان	محافظ
اَلْحَسِيْبُ	اَلْجَلِيْلُ	اَلْكَرِيْمُ	اَلرَّقِيْبُ
حساب لینے والا	بڑی شان والا	کرم والا	ہر شے کا نگہبان
اَلْمُجِيْبُ	اَلْوَاسِعُ	اَلْحَكِيْمُ	اَلْوَدُوْدُ
دعا قبول کرنیوالا	کشادہ رحمت والا	حاکم باحکمت	محبت کرنے والا
اَلْمَجِيْدُ	اَلْبَاعِثُ	اَلشَّهِيْدُ	اَلْحَقُّ
بزرگی والا	اٹھانے والا	حاضر	سچا
اَلْوَكِيْلُ	اَلْقَوِيُّ	اَلْمَتِيْنُ	اَلْوَلِيُّ
کارساز	زبردست	قوت والا	مددگار
اَلْحَمِيْدُ	اَلْمُحْصِيُ	اَلْمُبْدِئُ	اَلْمُعِيْدُ
قابل تعریف	ہر چیز گھیرنے والا	ایجاد کرنے والا	دوبارہ زندہ کرنیوالا
اَلْمُحْيِیُ	اَلْمُمِيْتُ	اَلْحَیُّ	اَلْقَيُّوْمُ
زندہ کرنے والا	مارنے والا	ہمیشہ زندہ رہنے والا	نگرانی کرنے والا
اَلْوَاجِدُ	اَلْمَاجِدُ	اَلْوَاحِدُ	اَلصَّمَدُ
غنی	بزرگی والا	اکیلا	بے نیاز
اَلْقَادِرُ	اَلْمُقْتَدِرُ	اَلْمُقَدِّمُ	اَلْمُؤَخِّرُ
قدرت والا	اقتدار والا	آگے کرنے والا	پیچھے کرنے والا

اَلْاَوَّلُ	اَلْاٰخِرُ	اَلظَّاهِرُ	اَلْبَاطِنُ
سب سے پہلا	سب سے بعد والا	حاضر	پوشیدہ
اَلْوَالِیُ	اَلْمُتَعَالِیُّ	اَلْبَرُّ	اَلتَّوَّابُ
مالک	بلندشان	بندوں پر مہربان	توبہ قبول کرنے والا
اَلْمُنْتَقِمُ	اَلْعَفُوُّ	اَلرَّءُ وْفُ	مَالِکُ الْمُلْکِ
سزا دینے والا	معاف کرنے والا	نہایت مہربان	جہانوں کا مالک
ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ		اَلْمُقْسِطُ	اَلْجَامِعُ
جلال وتکریم والا		عادل	جمع کرنے والا
اَلْغَنِیُّ	اَلْمُغْنِیُّ	اَلْمَانِعُ	اَلضَّارُّ
سب سے بے نیاز	بے پرواہ کرنیوالا	روکنے والا	ضرر پہنچانے والا
اَلنَّافِعُ	اَلنُّوْرُ	اَلْهَادِیُ	اَلْبَدِیْعُ
نفع دینے والا	روشنی دینے والا	راہ بتانے والا	ایجاد کرنے والا
اَلْبَاقِیُّ	اَلْوَارِثُ	اَلرَّشِیْدُ	اَلصَّبُوْرُ
ہمیشہ باقی رہنے والا	فنائے عالم کے بعد باقی رہنے والا	راہ نما	صبر کرنے والا

امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غرب ہے۔ یہ روایت سیدنا ابوہریرہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرق سے مروی ہے۔ اس حدیث کے علاوہ دوسری روایات میں اسمائے حسنی کا ذکر نہیں ہے۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت کا کہنا ہے جیسا کہ ولید بن مسلم اور عبدالملک بن محمد صنعانی نے زہیر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ اس کو ایک سے زائد اہل علم سے یہ بات پہنچی ہے کہ اسماء کا ذکر حدیث کے اصل الفاظ میں نہیں، بلکہ انہوں نے یہ اسمائے حسنیٰ قرآن مجید سے جمع کئے ہیں۔ جعفر بن محمد، سفیان اور ابی زید لغوی نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسمائے حسنیٰ صرف ننانوے کے عدد میں منحصر نہیں ہیں، کیونکہ مسند امام احمد میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جس شخص کو کوئی غم وحزن یا کسی قسم

کی تکلیف پہنچے اور وہ مندرجہ ذیل دعا پڑھے تو اُس کے غموں کے بادل چھٹ جائیں گے اور مصائب و مشکلات کی جگہ خوشی اور مسرت حاصل ہوگی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم وہ دعاء سیکھ لیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اُسے ضرور یاد کر لو: (ترجمہ) ''اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے۔ تیرا فیصلہ مجھ پر عدل و انصاف سے جاری ہے، اے اللہ! تیرے تمام اچھے نام جو تو نے اپنے لئے خود تجویز فرمائے ہیں یا تو نے اپنی کتاب میں نازل کئے ہیں، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھلائے یا تو نے اُن کو اپنے علم غیب میں منتخب کیا۔ ان کے ذریعہ سے میں یہ سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن کریم کو میرے قلب کی بہار میرے سینے کا نور، میرے غم کی جلا اور میرے غم واندوہ کو ختم کرنے کا ذریعہ اور سبب بنا دے۔ (اس روایت کو ابوحاتم بن حبان نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے)۔

و ذکر ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اَسْمَآئِہٖ یُشْرِکُوْنَ وَ عَنْہُ سَمُّوا اللَّاتَ مِنَ الْاِلٰہِ وَ الْعُزّٰی مِنَ الْعَزِیْزِ و عن الاعمش رحمہ اللہ یُدْخِلُوْنَ فِیْھَا مَا لَیْسَ مِنْھَا

ابن ابی حاتم نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ''یُلْحِدُوْنَ'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ شرک کرتے ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ بھی ہے کہ الحاد یہ ہے کہ لفظ الجلالۃ (یعنی اللہ) کو اللات سے اور العزیز کو عزی سے مشتق کرتے تھے۔ الحاد کے متعلق اعمش رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ایسے ناموں کا اضافہ کرتے ہیں جو حقیقت میں اللہ کے نام نہیں۔

قتادہ رحمہ اللہ نے ''یُلْحِدُوْنَ'' کا ترجمہ ''یُشْرِکُوْنَ'' کیا ہے یعنی وہ شرک کرتے ہیں۔

علی بن ابی طلحہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے الحاد کا ترجمہ تکذیب بھی نقل کیا ہے۔ کلام عرب میں الحاد اپنے مقصد سے انحراف، کجی اور ظلم پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قبر میں لحد کو بھی اسی لئے لحد کہتے ہیں کہ وہ ایک جانب ہوتی ہے اور اس کا رخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔ کیونکہ لحد اس گڑھے کو نہیں کہتے جو میت کے لئے کھودا جاتا ہے۔

الحاد کے متعلق علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''الحاد کی حقیقت میں شرک کی طرف میلان، اور صفات کی تعطیل اور انکار بھی داخل ہے''۔ اللہ کریم کے نام اور اُس کی تمام صفات ایسی ہیں جن سے انسان اللہ کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ ایسے نام ہیں جو اس کی جلالت، عظمت اور کبریائی پر دلالت کرتے ہیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''الحاد کی کئی صورتیں ممکن ہیں جیسے: ۱۔ اس کے اسماء و

صفات سے بالکل انکار کر دیا جائے۔ یا ۲۔ان کے معانی ومفہوم کوترک کر دیا جائے اور اِن کی تعطیل کو مانا جائے یا ۳۔ ان کے اصل مقصد میں تحریف کر کے کوئی دوسرا مفہوم پیش کر دیا جائے۔ یا ۴۔صحت وصواب کو چھوڑ کر تاویلات کی طرف رجوع کرلیا جائے۔ یا یہی نام مخلوق کے رکھ دیئے جائیں جیسے اہل اتحاد ملحدین نے کیا تھا یعنی انہوں نے یہی نام کائنات کی اشیائے مذموم ومحمود پر رکھ دیئے۔حتی کہ ان کے نمائندہ نے کہہ دیا کہ ''بعینہٖ یہی چیزیں ممدوح ومذموم عقلاً وشرعاً وعرفاً مسمّی ہیں''۔اللہ تعالیٰ انکی اِن باتوں سے اعلیٰ وارفع ہے۔

صاحب فتح المجید علامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''متقدمین اور متأخرین تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کریم کی وہ صفات جو اس نے خود اپنے لئے بیان کی ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں وہ جیسے بھی اللہ کریم کی عظمت وجلالت کے لائق ہیں ان کو بلا تمثیل تشبیہ وتعطیل تسلیم کیا جائے جیسا کہ قرآن کریم میں کہا گیا ہے: (ترجمہ) ''کائنات کی کوئی چیز (نہ ذات میں اور نہ صفات میں) اس کے مشابہ نہیں، وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے''۔(الشوریٰ:۱۱)۔

کیونکہ صفات میں گفتگو ذات کی گفتگو کی فرع ہے۔لہٰذا دونوں میں سے کسی پر کلام کرنا دونوں پر کلام کرنے کے برابر سمجھا جائے گا۔پس اللہ تعالیٰ کی ذاتِ حقیقی کا علم مخلوق سے کسی قسم کی تشبیہ وتمثیل دیئے بغیر ماننا ضروری ہے۔اسی طرح اس کی حقیقی صفات کو مخلوق سے بلا تمثیل وتشبیہ جاننا ضروری ہے۔لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات کے لئے بیان کردہ صفات، یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی گئی صفات کا انکار کرے، یا ان کی غلط تاویل کرے وہ فرقہ جہمیہ سے ہوگا، کیونکہ انہوں نے مومنین کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کو اپنا لیا ہے۔ ایسے ہی افراد کے بارے میں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: (ترجمہ) ''جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے درآں حال یہ کہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فائدہ جلیلہ کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں کہ: جو صفت یا خبر اللہ کریم کی ذات کے لئے بیان ہو، اس کی چند اقسام ہیں:

۱۔ جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہیں، جیسے موجود، اور ذات وغیرہ۔

۲۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار پاتی ہیں جیسے علیم، قدیر، سمیع، اور بصیر وغیرہ۔

۳۔ جو اللہ تعالیٰ کے افعال سے متعلق ہیں، جیسے خالق، رازق وغیرہ۔

۴۔ جو تنزیہ محض ہو وہ اس طرح کہ اسکے اندر کمال کا اثبات ہو نہ یہ کہ صرف نقائص کا انکار ہو جیسے القدوس السلام

۵۔ پانچویں صفت وہ ہے جس کا اکثر لوگوں نے ذکر نہیں کیا۔ یہ وہ اسم ہے جو بیشمار اوصاف پر دلالت کرتا ہے کسی خاص اور معین صفت کی وضاحت مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس سے مختلف معانی نکالے جا سکتے ہیں جیسے مجید، عظیم، صمد۔

مجید ایسی ذات کو کہا جاتا ہے جس میں بہت سی کامل صفتیں پائی جائیں۔ یہ لفظ وُسعت اور کثرت کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ: (ترجمہ) ''عرش مجید والا''۔ مجید: اللہ تعالیٰ کے عرض کی صفت ہے چونکہ اس میں وُسعت، عظمت، اور شرف ہے لہٰذا اسی بنا پر اس کو عرش مجید کہا گیا ہے۔ غور فرمایئے کہ درودِ شریف میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے جب ہم اللہ کی بارگاہ سے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر صلوۃ وسلام کا سوال کریں تو اس وقت یہی مجید کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ صلوۃ وسلام میں کثرت، وسعت اور دوام مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں یہی لفظ موزوں اور مناسب تھا۔ جیسا کہ دعا میں کہا جاتا ہے: ''مجھے بخش اور معاف فرما کیونکہ تو ہی بخشنے والا اور رحیم ہے''۔ اس دُعائیہ جملہ میں اللہ کریم کے اسماء وصفات کے ذریعہ سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے وسیلہ حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اور پسندیدہ ہے۔ ترمذی میں ایک حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''یا ذوالجلال والاکرام کے الفاظ کے ساتھ اصرار سے مانگو''۔ ایک دوسری حدیث میں دعائیہ جملے یوں ارشاد فرمائے گئے ہیں: ''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ تیرے ہی لئے تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو احسان کرنے والا ہے، زمینوں اور آسمانوں کا بنانے والا ہے۔ اے جلال اور بزرگی کے مالک''۔

اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے اس کی حمدوں کے وسیلہ سے سوال کیا گیا ہے۔ اور جملہ ''لا الٰہ الا انت المنان'' میں اسماء اور صفات دونوں کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔ قبولیت دعا کا یہ سنہری موقع ہے یہی وہ باب ہے جس کو توحید کے سلسلے میں اہم مقام حاصل ہے۔

٦۔ چھٹی صفت وہ ہے جو دو ناموں یا دو وصفوں کے جمع ہونے سے پیدا ہوتی ہے کہ ان دونوں ناموں یا وصفوں کو الگ الگ کر کے پڑھا جائے تو یہ تیسری صفت پیدا نہ ہوگی۔ جیسے الغنی الحمید، الغفور القدیر، الحمید المجید وغیرہ

اسی پر دوسرے ناموں اور صفتوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے جو قرآن کریم میں بار بار استعمال ہوئی ہیں۔ الغنی، اور الحمید الگ الگ کامل صفتیں ہیں۔ جب ان دونوں کو جمع کریں گے تو تیسری صفت پیدا ہوگی۔ جس نے اللہ

کوغنی سمجھا اور اس کی حمد بیان کی وہ بھی ثناء کے قابل ہے۔ یہ ثنا دونوں کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی پر الغفور القدیر، الحمد المجید وغیرہ کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ معرفت کا یہ بہت اونچا اور بلند مقام ہے۔

فیہ مسائل

☆ اللہ کریم کے اسماء کو ثابت کرنا۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں کا پاکیزہ ہونا۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی کے ساتھ دعا مانگنے کا حکم۔ ☆ وہ ملحدین جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں معارضہ کرتے ہیں، اُن سے قطع تعلق کرنا۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں کس قسم کا الحاد ہوتا ہے؟ اس کی وضاحت۔ ☆ جو شخص الحاد جیسے قبیح فعل کا مرتکب ہو، اس کے بارے میں وعید اور ڈانٹ۔

باب

لا یقالُ السلام علی اللہ

اس باب میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ''اللہ پر سلام ہو'' کے الفاظ زبان سے نکالنا درست نہیں ہے۔ یہ الفاظ ذاتِ الٰہی کو زیبا نہیں۔

و فی الصحیح عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال اِذَا کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الصَّلٰوۃِ قُلْنَا اَلسَّلَامُ عَلَی اللہِ مِنْ عِبَادِہٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَانٍ وَّ فُلَانٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَقُوْلُوْا اَلسَّلَامُ عَلَی اللہِ فَاِنَّ اللہَ ھُوَ السَّلَامُ

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ: ہم جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز (میں تشہد) پڑھتے تو کہتے کہ ''اللہ پر اُس کے بندوں کا سلام ہو اور فلاں فلاں شخص پر بھی سلام ہو''۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''السلام علی اللہ'' نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سلام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب فرض نماز ختم کرتے تو تین بار استغفار پڑھتے اور یہ دعا بھی پڑھتے: ''اے اللہ تو ہی سلام ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ اے عظمت اور بزرگی والے تو ہی بابرکت ذاتِ کبریا ہے''۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اہل جنت کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہی سلام ہوگا۔ قرآن کریم میں اس کی

بھی تصریح موجود ہے کہ ربِّ کریم اہل جنت کوسلامتی کا پیغام دے گا۔قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں: "سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ" رب رحیم کی طرف سے اُن کوسلامتی کا پیغام ہے۔(یٰسین :۵۹)۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص اور تمثیل سے پاک اور بے نیاز ہے وہ ایسا ربِّ کریم ہے جس میں کمال کی تمام صفات موجود ہیں اور ہر عیب اور نقص سے منزہ ومبرہ ہے۔

فیہ مسائل

☆ لفظ السلام کی تفسیر۔ ☆ یہی لفظ اہل جنت کا سلام ہونا۔ ☆ یہ لفظ ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے درست نہیں۔ ☆اس لفظ کے نہ کہنے کی وجہ۔ ☆ اُس تحیہ کی تعلیم جو اللہ تعالیٰ کے لئے زیبا ہے۔

باب

اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ

اس باب میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ انسان کو دعا کرتے وقت پورے عزم اور وثوق سے اپنی حاجات رب ذوالجلال کے سامنے پیش کرنی چاہئیں، شک اور تذبذب کی کیفیت ہرگز اپنے اُوپر طاری نہ ہونے دے۔

فی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَا یَقُلْ اَحَدُکُمُ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ اِنْ شِئْتَ لِیَعْزِمِ الْمَسْاَلَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا مُکْرِہَ لَہٗ وَ لِمُسْلِمٍ وَ لْیُعْزِمِ الرَّغْبَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَتَعَاظَمُہٗ شَیْءٌ اَعْطَاہُ

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی شخص کو یہ نہ کہنا چاہیئے کہ اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو میری مغفرت فرما۔ اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما۔ بلکہ چاہیئے کہ اپنے سوال کو پورے عزم اور پختگی سے پیش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں: "اپنے رب تعالیٰ سے بڑے وثوق سے سوال کرے کیونکہ اُس کے سامنے کوئی چیز بڑی نہیں ہے"۔

انسان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے کہیں مختلف ہے، کیونکہ بعض اوقات کوئی شخص سائل کا سوال اس لئے پورا کر دیتا ہے کہ اس کی اپنی ضرورت پوری ہونے کی توقع ہوتی ہے۔ یا سائل سے ڈر کر اس کا سوال پورا کرتا ہے حالانکہ اس کا دل مطمئن نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود دوسرے کی حاجت پوری کر دیتا ہے۔ مخلوق الٰہی سے سوال کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ اپنی ضرورت کو مسئول کے ارادے اور اس کی خواہش پر چھوڑ دے اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے کہ شائد وہ مجبور ہو کر میرا سوال پورا کرے۔ ہاں خالق کائنات اور رب العالمین سے سوال کرتے وقت ایسا انداز اختیار نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق نہیں ہے اور تمام مخلوق سے مستغنی اور بے نیاز ہے اُس کی سخاوت اور اُس کا کرم کامل ترین ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے لمحہ برابر بھی بے نیاز اور مستغنی نہیں ہوسکتا، وہ جب دینے آتا ہے تو صرف کلام ہی کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''رب کریم کے ہاتھ خزانوں سے پُر ہیں۔ وہ دن بھی خرچ کرتا رہے تو ان میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔ اللہ کے لئے غور تو کرو کہ اُس نے زمین و آسمان کی تخلیق سے لے کر آج تک کس قدر انعام و اکرام کئے ہیں؟ جو اس کے ہاتھوں میں ہے اس میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی۔ اللہ کریم کے دوسرے ہاتھ میں انصاف ہے، اس کے ذریعہ سے کسی کو بلند کرتا ہے اور کسی کو گراتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی پر انعام واکرام کی بارش کرتا ہے تو اپنی حکمت سے، اور اگر کسی کو محروم رکھتا ہے تو اس میں بھی اُس کی حکمت کے راز پوشیدہ ہیں۔ وہ حکیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ پس سائل کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے وقت پورے وثوق اور عزم سے مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مجبور ہو کر نہیں دیتا اور نہ سوال کی بنا پر دیتا ہے۔

فیہ مسائل

☆ دعا میں ''اگر تو چاہے'' نہ کہنا چاہیئے۔ ☆ اس کے سبب کا بیان۔ ☆ سوال پورے وثوق سے کرنا چاہیئے ☆ رغبت زیادہ ہونی چاہیئے۔ ☆ کثرتِ رغبت کے اسباب۔

باب

لَا يَقُوْلُ عَبْدِیْ وَ اُمَتِیْ

اس باب میں اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اپنے غلام کو ''میرا

بندہ، میری لونڈی'' نہ کہے۔

فی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ اَطْعِمْ رَبَّکَ وَ ضِّئْ رَبَّکَ وَ لْیَقُلْ سَیِّدِیْ وَ مَوْلَایَ وَ لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ وَ اَمَتِیْ وَ لْیَقُلْ فَتَایَ وَ فَتَاتِیْ وَ غُلَامِیْ

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی یوں نہ کہے کہ ''اپنے رب کو کھانا کھلا۔ اپنے رب کو وضو کروا'' البتہ یوں کہیں کہ میرا سردار، میرا آقا۔ اور کوئی شخص اپنے غلام کو بندہ اور میری لونڈی نہ کہے بلکہ یہ کہے کہ میرا غلام، میرا خادم، میری خادمہ۔

زیر نظر حدیث میں جن الفاظ کے استعمال سے روکا گیا ہے اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے مستعمل ہوتے ہیں پھر بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید میں پختگی پیدا کرنے اور شرک کے سدباب کے لئے ان کو استعمال کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ ان کے استعمال سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ لفظاً مشابہت پائی جاتی ہے اس سے روکنے کی وجہ محض یہ ہے کہ رب کریم ہی اپنے تمام بندوں کا رب ہے اور یہ لفظ جب کسی دوسرے کے لئے بولا جائے گا تو اس میں اسمی مشارکت اور مشابہت پائی جائے گی اس معمولی مشابہت کو بھی ختم کرنے کے لئے ان الفاظ کو استعمال کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ الفاظ استعمال کرتے وقت متکلم کا مقصد شرک فی الربوبیت نہیں ہوتا جو خالص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ متکلم کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ فلاں شخص کی ملکیت ہے اسی مقصد کو سامنے رکھ کر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

پس خالق اور مخلوق کے درمیان شرکت کے معمولی سے شائبہ کو بھی ختم کرنے کے لئے اور توحید کی کامل حفاظت اور شرک کے موذی مرض سے دُور رہنے کے لئے اگرچہ لفظاً ہی کیوں نہ ہو، ان الفاظ کو استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے شریعت اسلامیہ کا مدعائے احسن یہ ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کی بزرگی کا اظہار ہوتا ہے اور مخلوق سے مشابہت کا پہلو دُور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے قائم مقام الفاظ بھی فرما دیئے ہیں جیسے سیدی و مولای وغیرہ۔ اسی طرح ''عَبدِیْ اور اَمَتِیْ'' وغیرہ کے الفاظ سے بھی روک دیا ہے کیونکہ تمام مرد عورتیں اللہ کے غلام ہیں۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: (ترجمہ) ''زمین اور آسمان کے اندر جو بھی ہیں سب اُس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں''۔ (مریم: ۹۳)۔

ان دونوں جملوں کو غیر اللہ کے لئے استعمال کرنے سے شرکت لفظی پائی جاتی ہے لہٰذا اللہ کریم کی عظمت و جلالت، اس کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شرک سے بعد واجتناب کی خاطر اور توحید میں پختگی کے پیش نظر ان الفاظ کو استعمال کرنے سے منع فرما دیا گیا ہے۔ اور فرمایا کہ: ان الفاظ کی بجائے: فَتَایَ فَتَاتِیُ اور غُلَامِیُ جیسے الفاظ استعمال کر لیا کرو۔ یہ سب کچھ اس لئے بیان کیا گیا ہے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے توحید کے اہم مضمون کو انتہائی مضبوط اور مستحکم دلائل سے واضح فرمایا ہے۔ پس رحمت عالم ﷺ نے ہر وہ بات صاف الفاظ میں بیان فرمائی جس میں اُمت کی خیر خواہی اور بھلائی مضمر تھی اور ہر اُس عمل سے منع فرمایا جس سے ایک مسلمان کے دین میں نقص پڑ جانے کا خطرہ ہے۔ پس ہر بھلائی کی طرف راہنمائی فرمائی خصوصاً توحید کی طرف نیز ہر شر سے آگاہ فرمایا خصوصاً اس سے جو لفظی طور سے شرک کے قریب لے جائے۔ اگر چہ اس کا دِلی مقصد شرک کرنا نہ بھی ہو۔

فیہ مسائل

☆ سب سے اہم بات جو اس باب میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ توحید میں پختگی اور نکھار انتہائی لازمی ہے اگر چہ اس کا تعلق صرف الفاظ سے ہی ہو۔

باب

لا یرد من سال باللہ

اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوال کرتا ہے۔ اس کو خالی ہاتھ واپس نہ لوٹایا جائے

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ مَنْ سَاَلَ بِاللّٰہِ فَاَعْطُوْہُ وَ مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰہِ فَاَعِیْذُوْہُ وَ مَنْ دَعَاکُمْ فَاَجِیْبُوْہُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تُکَافِئُوْنَہٗ فَادْعُوْا لَہٗ حَتّٰی تُرَوْا اَنَّکُمْ قَدْ کَافَاْتُمُوْہُ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لے کر مانگے اُسے دو۔

اور جو اللہ تعالیٰ کے نام سے پناہ طلب کرے اُسے پناہ دو۔اور جو شخص دعوت دے اُسے قبول کرو اور جو تمہارے ساتھ نیکی کرے اس کا بدلہ دو۔ اگر بدلہ نہ دے سکو تو اس کے لئے اس قدر دعا کرو کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ اس کا بدلہ چکا دیا گیا ہے۔(رواہ ابوداؤد، والنسائی بسند صحیح)۔

زِیرِنظر حدیث کے ظاہری الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جب کوئی سائل اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرے تو اس کو خالی ہاتھ واپس کرنا منع ہے۔ یہ سوال کتاب وسنت کی روشنی کا محتاج ہے جیسا کہ کوئی سائل سوال کرے کہ میرا بیت المال میں حق ہے اور میں ضرورتمند ہوں لہٰذا میری ضرورت کو پورا کیا جائے۔ پس اس کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی اعانت کرنا واجب ہے یا کوئی سائل کسی شخص کے زائد مال میں سے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کہے تو صاحب مال کو سائل کی ضرورت کے مطابق اس کی حاجت روائی کرنا احسن ہے۔ البتہ وہ مسئول جس کے پاس زائد مال نہیں ہے تو سائل کی ضرورت کو اس انداز سے پورا کرے کہ نہ تو وہ خود تکلیف میں پڑے اور نہ اس کے اہل وعیال کو کوئی تکلیف محسوس ہو۔ اور اگر سائل کسی اضطراری حالت میں گرفتار ہے تو اس کی اس تکلیف کو رفع کرنا واجب ہے۔ اپنے مال کو خرچ کرنا شریعت اسلامی کے اعلیٰ اور ارفع مقامات میں سے ایک بلند ترین مقام ہے۔ اس سلسلے میں جود وسخا کے لحاظ سے لوگوں کے مختلف درجات ہیں۔ جود وسخا کے مقابلے میں بخل اور کنجوسی کا درجہ ہے۔ جود وسخا کتاب وسنت کی روشنی میں لائق تحسن اور عمل محمود ہے اور بخل و کنجوسی کو اسلام انتہائی بری نظر سے دیکھتا ہے اور اس کی واشگاف الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔

اللہ کریم اپنے بندوں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے مال کو خرچ کریں، کیونکہ اس کا نفع بہت ہی زیادہ ہے اور اس کے اجر وثواب میں اس سے بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ کریم اپنے بندوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: (ترجمہ) ’’اے ایمان لانے والو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اُس کی راہ میں دینے کے لئے بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو۔ حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اُسے لینا گوارا نہ کرو گے الا یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ۔ تمہیں جان لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے۔ شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی اُمید دلاتا ہے، اللہ تعالیٰ بڑا فراخ دست اور دانا ہے‘‘۔(بقرہ:۲۶۷

تا۲۶۸)۔ایک دوسرے مقام پر یوں ترغیب دی: (ترجمہ) ''اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے''۔اور یہ انفاق فی سبیل اللہ نیک خصال میں سے ہے جن کا آیت ذیل میں ذکر ہے۔اللہ کریم فرماتا ہے: (ترجمہ) ''نیکی یہ نہیں کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دِل سے مانے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا دِل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے''۔(البقرۃ:۱۷۷)۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اصولِ ایمان اور نماز کے درمیان انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اس عمل کا اجر و ثواب اور اس کا نفع کئی گنا بڑھتا رہتا ہے یہ وہ اعمال ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے: (ترجمہ) ''بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے (الاحزاب:۳۵)۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتی کہ اپنی مستورات کو بھی صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے کیونکہ اس میں اُمت کی خیر خواہی پنہاں ہے اور ان کے دینی اور دنیوی دونوں فائدے موجود ہیں۔ انصارِ مدینہ کی اسی خوبی اور عادتِ حسنہ پر الہ کریم نے ان کی تعریف فرمائی ہے؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ) ''اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں''۔(الحشر:۹)۔

مومن شخص کی عمدہ تر اور بہترین عادات میں سے ایثار افضل ترین اور اعلی عادت ہے جیسا کہ آیت مذکورہ سے واضح ہے۔ایثار ہی کے متعلق اللہ کریم اپنے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے (ترجمہ) ''اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ''۔(الدھر:۸تا۹)۔

فضیلت صدقہ سے متعلق بیشمار آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ موجود ہیں جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں کامیاب ہو تو اسے اس عمل صالح میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے۔

فیہ مسائل

☆ جو شخص اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرے اس کو پناہ دینا۔ ☆ جو شخص اللہ کریم کا نام لے کر سوال کرے اس کی ضرورت کو پورا کرنا۔ ☆ اپنے مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرنا۔ ☆ کسی کے احسان اور بھلائی کا بدلہ دینا۔ ☆ جو شخص احسان کا بدلہ نہ دے سکے، اس کے لئے دعا کرنا بھی احسان کا نعم البدل بن جائے گا۔ ☆ یعنی اتنی کثرت سے دعا کرو کہ خود تمہیں یقین ہو جائے کہ احسان کا بدلہ اتر چکا ہے۔

باب

لَا یُسْاَلُ بِوَجْهِ اللهِ اِلَّا الْجَنَّةُ

اس باب میں اس مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ کا واسطہ دے کر جنت کے سوا اور کوئی سوال نہ کیا جائے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یُسْاَلُ بِوَجْهِ اللهِ اِلَّا الْجَنَّةُ (رواہ ابوداؤد)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے صرف جنت ہی مانگنی چاہیئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ دین کے لئے طائف تشریف لے گئے اور اہل طائف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو بجائے قبول کرنے کے ٹھکرا دیا اور انتہائی بدسلوکی سے پیش آئے۔ طائف سے واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ایسی دعائیں کیں جن سے جنت کا ذکر نہیں ہے جیسے: ''اے اللہ! میں اپنی طاقت کی کمزوری، تدبیر کی درماندگی اور لوگوں کے سامنے اپنی ناتوانی کا شکوہ تیری ہی بارگاہِ قدس میں پیش کرتا ہوں۔ تو ہی کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے۔ تو مجھے کس کے سپرد کرے گا؟ کسی دُوری کی طرف جو مجھ کو مایوس کر دے یا کسی دشمن کی طرف تو میرا معاملہ سپرد کرے گا؟ اگر مجھ پر تیری ناراضی نہ ہو تو مجھے کسی قسم کی کوئی پروا نہیں ہے ہاں مجھ پر تیری عافیت کا سایہ میرے لئے بہت زیادہ وسیع ہے''۔ اس دعا کے آخری الفاظ

یہ ہیں: ''میں تیرے اُس چہرے کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے سب اندھیرے روشن ہو جائیں اور دنیا اور آخرت کے کام سنور جائیں، میں تیری پناہ لیتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا تیری ناراضی مجھ پر اُترے تیری ہی چوکھٹ ہے تو مجھ سے راضی ہو جا اور اللہ کی توفیق کے سوا گناہ سے بچنا ہے اور نہ نیکی کی طاقت ہے''۔

سوال: رسول اللہ ﷺ کے اذکار میں مندرجہ ذیل دعا بھی موجود ہے: ''اے اللہ تو سب سے زیادہ ذکر کئے جانے اور سب سے زیادہ عبادت کئے جانے کا مستحق ہے''۔ اس دعا کے آخری الفاظ یہ ہیں: ''میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے سب آسمان اور زمین روشن ہیں''۔ یہ دُعا ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے: ''میں اللہ کریم کے چہرے اور اللہ عظیم کے نام اور اس کے پورے کلمات کی پناہ لیتا ہوں موت اور ڈسنے والی چیزوں کی برائی سے اور اے رب ہر اس چیز کی برائی سے جو تو نے پیدا کی اور اس دن کی برائی سے اور اس کے بعد کی برائی سے اور دنیا اور آخرت کی برائی سے۔ احادیث مرفوعہ میں صحیح اور حسن اسناد سے ان ادعیہ کے علاوہ بھی دعائیں مذکور ہیں جن میں جنت کی طلب کا ذکر نہیں ہے ان کا جواب کیا ہو سکتا ہے؟

جواب: ان ادعیہ ماثورہ میں اگر چہ بظاہر جنت کا سوال نہیں لیکن ایسے اعمال وافعال کا ذکر موجود ہے جو جنت کے قرب کا ذریعہ اور وسیلہ بنتے ہیں اور ایسے اعمال سے اجتناب کا سوال بھی موجود ہے جو دخولِ جنت کے لئے رکاوٹ ثابت ہوں۔ پس اِن ادعیہ میں اللہ تعالیٰ کے چہرے اور اُس کے نور کے واسطہ سے اُن ہیہ اعمال کے انجام دینے کی توفیق مانگی گئی ہے جو جنت کے قرب کا ذریعہ ہیں۔ جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں یہ دعا مذکور ہے: ''اے اللہ میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور اُن اقوال واعمال کا جو مجھے جنت کے قریب کر دیں اور میں تیری پناہ لیتا ہوں آگ سے اور اُن اقوال واعمال سے جو آگ کے قریب کریں''۔

یہ دُعائیں ان لوگوں کی دعاؤں سے بالکل مختلف حیثیت رکھتی ہیں جو صرف دنیا کا مال ومتاع رزق میں وسعت اور دنیاوی زیب وزینت کی دعائیں کرتے ہیں۔ بلا شبہ دنیا کا مال ومتاع اگر نجات اُخروی کے لئے استعمال کیا جائے تو بہت ہی مستحسن عمل ہے، جس کا ان ادعیہ میں ذکر آ گیا ہے۔ پس اس میں شک نہیں کہ اللہ کریم کے نام سے صرف دنیاوی حوائج طلب کرنے کے بارے میں یہ حدیث ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ زیر نظر حدیث اور ان مذکورہ ادعیہ میں کوئی تعارض، تناقض اور اختلاف نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

زیر بحث حدیث اُن احادیثِ متواترہ میں سے ایک ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے چہرے کا اثبات پایا جاتا ہے یہ صفت کمال ہے اور اس کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی ناقص چیز سے اللہ کریم کو تشبیہ دی جائے جیسا کہ

بعض فرق باطلہ نے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا انکار کیا یا بعض صفات سے منکر ہو گئے۔ لہٰذا جس گناہ سے وہ بچنا چاہتے تھے اُس سے بڑے اور سنگین جرم میں مبتلا ہو گئے۔

اہل سنت کا سلفاً وخلفاً یہ دستور رہا ہے کہ وہ صفات جن کا ذکر رب کریم نے خود اپنی کتاب میں کیا ہے یا رسولِ کریم ﷺ نے جو صفات رب کریم کی بیان فرمائی ہیں اُن پر مکمل ایمان لایا جائے اور ان صفات کو تمثیل اور تشبیہ سے بالکل پاک اور صاف رکھا جائے۔ اہل سنت اُن تمام صفات کو تسلیم کرتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے یا رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اور مخلوق کی مشابہت سے مبرہ سمجھتے ہیں جیسے اللہ کریم کی ذات کو بلا تمثیل وتشبیہ مانتے ہیں اسی طرح اس کی صفات کو بھی بلا تمثیل وتشبیہ تسلیم کرتے ہیں۔ پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا یوں سمجھئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے کمال کا انکار کیا۔

فیہ مسائل

☆ اللہ کریم کے نام سے انتہائی اہم اور بڑے بڑے سوال ہی کرنے چاہئیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے لئے ”چہرے“ کا ثبوت۔

باب

ما جاء فی اللو

اس باب میں انسان کو مصائب ومشکلات کے وقت صبر و بردباری اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور جو لوگ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے آپ کو تقدیر کی گرفت سے آزاد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی مذمت کی گئی ہے۔

قولہ تعالیٰ یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا (آل عمران:۱۵۴)۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کئے جاتے۔

مصائب ومشکلات کے وقت جزع فزع کرنا شریعت اسلامیہ میں منع ہے اور اس پر سخت ترین وعید سنائی گئی ہے۔لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ تقدیر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا فریضہ انجام دے اس کی صورت صرف یہ ہے کہ انسان مصائب ومشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور سخت ترین حالات میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کرے۔کیونکہ ایمان کے چھ اُصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان تقدیر الٰہی پر کامل ایمان ہو۔

جنگ اُحد میں خوف اور بزدلی اور ڈر سے منافقین نے یہ جملہ کہا تھا۔سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں جنگ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ تھا اور دُشمن کا حملہ زبردست تھا کہ اچانک ہم پر نیند کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور ہم میں سے ہر مجاہد کی ٹھوڑی غلبۂ نیند کی بنا پر سینے سے لگ گئی۔سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں نے متعب بن قشیر منافق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''اگر ہمارے بس کی بات ہوتی ہم یہاں قتل ہی نہ کیئے جاتے''۔اس سے سن کر یہ الفاظ میں نے اچھی طرح یاد کر لئے۔چنانچہ اسی پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ ''وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کیئے جاتے''۔اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے: کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔مطلب یہ ہے کہ تقدیر الٰہی تھی جس سے کسی کو مفر نہیں اور یہ ایسا فیصلہ کن امر تھا جس کا بہر کیف پورا ہونا ضروری تھا۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا (آل عمران:۱۶۸)۔

ان کے جو بھائی بند جنگ لڑنے گئے اور مارے گئے ان کے متعلق انہوں نے کہہ دیا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مارے جاتے۔

منافقین نے کہا کہ اگر یہ لوگ جنگ نہ کرنے کے بارے میں ہمارا مشورہ قبول کر لیتے اور اپنے گھروں سے نہ نکلتے تو یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوتی۔اس کے جواب میں اللہ کریم نے فرمایا: (ترجمہ) ''ان سے کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو خود تمہاری موت جب آئے اُسے ٹال کر دکھا دینا''۔یعنی گھر بیٹھنے رہنے سے موت سے نجات مل سکتی ہے تو تمہیں بالکل نہیں مرنا چاہیئے اور یاد رکھو کہ موت بہر حال آنی ہے اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں جا کر پناہ لے لو۔اگر تمہارے قول میں سچائی کی ذرا سی مقدار بھی باقی ہے تو موت سے بچ کر تو دکھاؤ؟۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''زیر نظر آیت کریمہ مشہور منافق

عبداللہ بن ابی اور اُس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی''۔یعنی یہ الفاظ عبداللہ بن ابی نے کہے تھے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے جنگ اُحد کا نقشہ یوں بیان فرمایا کہ: ''جنگ اُحد کے میدان میں ہم دشمن کے مقابلہ پر صف آراء تھے کہ ہم پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی یہاں تک کہ میری تلوار ہاتھ سے بار بار گرتی اور میں اُسے بار بار پکڑتا اور منافقین کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے بچاؤ کی تدابیر میں مصروف تھے ساری فوج میں زیادہ بزدل ڈرنے والے اور حق وانصاف کو پامال کرنے میں پیش پیش یہی لوگ تھے۔ (اللہ کریم کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیوں میں مبتلا تھے یہ خالص جاہلیت کی عادت ہے) منافقین کا یہ گروہ اللہ تعالیٰ کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار ہوکر رہ گیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''غزوہ اُحد کے موقع پر مشہور منافق عبداللہ بن اُبی مسلمانوں سے علیحدہ ہوکر اپنے دوسرے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ: ''دیکھئے نہ تو اپنی بات پر عمل کیا اور نہ میری بات کو تسلیم کیا، بلکہ بچوں کی رائے کو اوّلیت دی''۔اس منافق کی یاوہ گوئی سن کر بہت سے سادہ دِل مسلمان اس کے ساتھ ہوگئے جو اس سے قبل منافق نہ تھے بلکہ وہ مسلمان تھے اور ان کے دلوں میں ایمان تھا ایمان ایک ایسا نور ہے جس کی مثال قران کریم میں متعدد بار بیان کی گئی ہے۔اگر یہ لوگ اس امتحان اور نفاق سے قبل فوت ہو جاتے تو ان کی موت اسلام پر متصور ہوتی البتہ ان کا ایمان اس مرتبہ کا نہ ہوتا جن کا امتحان ہوا اور وہ اس امتحان میں ثابت قدم رہے، اور نہ یہ ان منافقین کی طرح ہوتے جو آزمائش کے وقت مرتد ہوگئے تھے۔آجکل اکثر مسلمانوں کا تقریباً یہی حال ہے کہ بوقت آزمائش اُن کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں جس سے ایمان میں کمزوری اور نقص پیدا ہو جاتا ہے اور ان میں کی اکثریت اپنے اُوپر نفاق کی چادر اوڑھ لیتی ہے اور بعض تو دشمن کا غلبہ اور طاقت سے مرغوب ہوکر ارتداد کا برسرعام اعلان کردیتے ہیں یہ بات ہمارے اور دوسرے لوگوں کے ذاتی تجربہ میں بھی آچکی ہے کہ اگر میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا غلبہ ہو اور کسی بڑی تکلیف کا سامنا نہ ہو تو پھر ایسے کمزور مسلمان ہی رہتے ہیں۔ظاہر اور باطن میں انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ایسا ایمان آزمائش کے وقت ثابت نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ فرائض کے تارک اور محارم کے دلدادہ ہوتے ہیں۔اور یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان سے کہا گیا کہ ''تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم اسلام لائے اور تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا''۔(الحجرات) اس آیت میں اس ایمان کا ذکر ہے جو سچے مومنین کا امتیازی نشان ہے۔کتاب وسنت میں جب بھی ایمان کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے یہی ایمان مراد ہوتا ہے

ایسے سچے مومنین آزمائش اور امتحان کے وقت شکوک وشبہات کا شکار نہیں ہوتے، اس لئے کہ یہ چیز تو ایمان کو کمزور کر دیتی ہے''۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اس قسم کے کمزور ایمان والے لوگوں کا مشاہدہ ہم نے بھی کیا ہے کہ دشمن کی قوت و طاقت اور ان کا غلبہ دیکھ کر ان لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف اُن کی مدد کی اور دین اسلام کے متعلق طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ مسلمانوں سے عداوت اور دشمنی کا علی الاعلان اظہار کیا اور پھر انہوں نے اسلام کے نور کو بجھانے کی ہر ممکن کوشش کی ان کا سب سے بڑا نشانہ یہ ہوتا ہے کہ اہل اسلام میں سے اہم افراد کو ختم کیا جائے''۔ واللہ المستعان۔

وفی الصحیح عن ابی ھریرۃ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُکَ وَ اسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَ لَا تَعْجَزَنَّ وَ اِنْ اَصَابَکَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اَنِّیْ فَعَلْتُ کَذَا وَ کَذَا لَکَانَ کَذَا وَ کَذَا وَ لٰکِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰہُ وَ مَا شَآءَ فَعَلَ فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطٰنِ

صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: نفع بخش چیز کی حرص کر اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگ اور عاجز نہ بن اور کسی وقت اگر مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ تو یہ نہ کہا کرو ''اگر میں ایسا کرتا تو یوں ہوتا'' بلکہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا اور جو اُس نے چاہا وہی ہوا کیونکہ ''اگر'' شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

فیہ مسائل

کسی ناگہانی مصیبت پر یہ کہنا سخت جرم اور گناہ ہے کہ ''اگر میں یوں کرتا تو یہ مصیبت نہ آتی''۔ ☆ لفظ ''اگر'' استعمال نہ کرنے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے شیطانی اعمال کا دروازہ کھلتا ہے۔ ☆ اچھی گفتگو کی ترغیب۔ ☆ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے ایسے اعمال کا شوق دلایا گیا ہے جو نفع بخش ہیں۔ ☆ جو اس کے اُلٹ ہے، اُس یعنی عجز سے روکنا۔

النھی عن سب لریح

اس باب میں ہوا اور آندھی کو گالی دینے سے سختی سے روکا گیا ہے۔

عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَسُبُّوا الرِّیْحَ فَاِذَا رَاَیْتُمْ مَّا تَکْرَهُوْنَ فَقُوْلُوْا اللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْاَلُکَ مِنْ خَیْرِ هٰذِهِ الرِّیْحِ وَ خَیْرِ مَا فِیْهَا وَ خَیْرِ مَآ اُمِرَتْ بِهٖ وَ نَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّیْحِ وَ شَرِّ مَا فِیْهَا وَ شَرِّ مَآ اُمِرَتْ بِهٖ

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہوا کو گالی نہ دو۔ اگر تمہیں کوئی ناپسند چیز دکھائی دے تو یہ دعا پڑھا کرو۔ اے اللہ ہم تجھ سے اس ہوا سے اور جو اس میں اُس کی بہتری چاہتے ہیں اور اُس چیز کی بھی بھلائی چاہتے ہیں جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور ہم پناہ مانگتے ہیں اِس ہوا کے شر سے اور جو اِس میں ہے اور اُس چیز کے شر سے بھی پناہ مانگتے ہیں جس کا اِسے حکم دیا گیا ہے۔ (صحیح الترمذی)۔

ہوا کو گالی دینے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک ہے اور اُس کے حکم کے مطابق چلتی ہے لہٰذا ہوا کو گالی دینا، اس کے پیدا کرنے والے کو گالی دینے کے مترادف ہے جیسا کہ سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ زمانہ کو گالی دینا ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو گالی دے دی۔ اس قسم کی غلط حرکت وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کے دین سے بالکل کورے ہیں چنانچہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ جاہل اور ظالم لوگوں کی طرح ہوا کو گالی نہ دیں نہ اُس کو بُرا کہیں۔

مندرجہ بالا دعائیہ جملوں میں اللہ کریم کی عبودیت کا اظہار اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اقرار اور اللہ کریم کے لئے شر سے دفاع طلب کیا گیا ہے۔ اور اللہ کریم سے فضل جزیل اور انعاماتِ جلیلہ کی طلب موجود ہے۔ اہل توحید اور اہل ایمان کا یہی خاصہ اور علامت ہے البتہ فاسق و فاجر اور گناہ میں ڈوبے ہوئے افراد جنہوں نے توحید کا مزہ ہی نہیں چکھا جو اصل ایمان اور اس کی حقیقت ہے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء اور گڑگڑانے کے بجائے مزید نافرمانیوں میں ڈوب جاتے ہیں۔

فیہ مسائل

☆ ہوا کو گالی دینے کی ممانعت۔ ☆ جب انسان ناپسندیدہ چیز کو دیکھے تو اُس وقت نفع مند دُعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ ☆ اس بات سے بھی انسان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ ہوا اللہ تعالیٰ کے حُکم کی پابند ہے۔ ☆ اس راز سے بھی پردہ اُٹھایا گیا ہے کہ ہوا کو کبھی بھلائی اور خیر کا اور کبھی تباہی مچانے کا بھی حکم ملتا ہے۔

باب

یَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاھِلِیَّۃِ یَقُوْلُوْنَ ھَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ یُخْفُوْنَ فِیْ اَنْفُسِھِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَکَ

اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگے جو سراسر خلافِ حق تھے۔ یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟ ان سے کہو (کسی کا کوئی حصہ نہیں) اِس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ دراصل یہ لوگ اپنے دِلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اِسے آپ ﷺ پر ظاہر نہیں کرتے۔

یہ آیاتِ بینات اللہ تعالیٰ نے جنگ اُحد کے واقعہ کے ربط میں نازل فرمائیں، غزوۂ اُحد میں ایک خاص واقعہ پیش آیا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ’’اللہ تعالیٰ نے غم ورنج کے بعد تم پر تسلی نازل فرمائی یعنی غنودگی کی کیفیت تم پر طاری کی‘‘۔ (آل عمران: ۱۵۴)۔ غنودگی کی یہ حالت ایمان والوں میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنے والوں، اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھنے والوں، مصائب و مشکلات میں صبر کرنے والوں اور سچائی

کے خوگر افراد پر طاری ہو۔ یہ وہی حضرات تھے جنہیں یقین تھا کہ رب ذوالجلال اپنے رسول مقبول ﷺ کی ضرور مدد فرمائے گا اور تمام وعدوں اور توقعات کو پورا کرے گا اور دوسرے گروہ کے بارے میں فرمایا گیا: (ترجمہ) ''اور ایک فرقہ کو اپنی جانوں کا فکر تھا''۔

ان کو یہ نعمت عظمیٰ نصیب نہ ہوئی کیونکہ وہ جزع فزع، قلق واضطراب اور خوف وہراس کا شکار ہو کر اللہ تعالیٰ کے بارے میں اہل جاہلیت کے سے سوءِ ظن اور بدگمانی میں مبتلا ہو گئے ان کے اس سوء ظن کی تصدیق خود اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگے''۔ دوسرے مقام پر فرمایا: (ترجمہ) ''بلکہ تم نے یہ خیال کیا کہ رسول اور مومن اب کبھی اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر نہ آئیں گے اور یہ چیز تمہارے دِلوں کو بڑی خوشنما معلوم ہوئی اور تم برے برے گمان کرنے لگے اور تم ہلاک ہونے والی قوم تھے''۔ (الفتح: ۱۲)۔

منافقین کے اس بزدل گروہ نے جب دیکھا کہ وقتی طور پر مشرکین کو غلبہ حاصل ہو رہا ہے تو انہوں نے اس کو آخری فیصلہ سمجھا۔ ان کے دلوں میں یہ بات گھر کر گئی کہ اب اسلام اور اہل اسلام کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ شکوک وشبہات میں گرفتار لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ اہل اسلام جب کسی مصیبت میں گھر جاتے ہیں تو ان سے اسی قسم کی لغو گفتگو، اور نامعقول باتیں سرزد ہوتی ہیں۔

فیہ مسائل

☆ برے گمان کی بیشمار قسمیں ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ☆ ان برے گمانوں سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اپنے نفس کی معرفت سے بہرہ مند ہو۔

باب

ما جاء فی منکری القدر

اس باب میں بتایا گیا ہے کہ تقدیر کا انکار کرنا شریعت اسلامی سے انکار کے مترادف ہے منکرین تقدیر الٰہی کی حیثیت اسلام میں وہی ہے جو مجوسیوں کی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قدریہ اُمت محمدیہ کے

مجوسی ہیں۔ اگر یہ بیمار ہو جائیں تو ان کی تیمارداری نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازے میں شرکت نہ کرو''۔ ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے: ''ہر اُمت میں مجوسی گزرے ہیں۔ اُمت محمدیہ کے مجوسی وہ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قضاء وقدر کچھ نہیں ہے۔ ان میں سے اگر کوئی مر جائے تو اس کے جنازے میں مت جاؤ۔ اور کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی نہ کرو یہ لوگ دجال کے ساتھی ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یہ واجب ہے کہ ان کو دجال سے ملا دے''۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ فرمایا کہ اُس ذاتِ واحد کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر کسی شخص کے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو اُس کی یہ خیرات اُس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے۔

یہ کہہ کر فرمانے لگے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی جس کے الفاظ یہ ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا جس کے کپڑے بہت ہی سفید تھے اور بال انتہائی سیاہ تھے، اُس پر سفر کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے اور ہم میں سے کوئی بھی اُسے نہیں پہچانتا تھا وہ آ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے گھٹنوں پر رکھے اور عرض کناں ہوا کہ اے محمد ﷺ مجھے اسلام کے بارے میں کچھ بتائیے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان المبارک کے روزے رکھو اور طاقت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو (یہ جواب سن کر کہنے لگا آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ ہم سب سننے والے اُس پر متعجب تھے کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور پھر خود ہی اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ اُس نے پھر سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر، آخرت پر اور تقدیر پر، خواہ اچھی ہو یا بری، ایمان لائے۔ اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ اُس نے پھر کہا احسان کے بارے میں مجھے بتائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا اُسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ تصور پیدا نہ ہو تو یہ سمجھو کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر سوال کیا کہ قیامت کے بارے میں بتائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس میں مسئول سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس نے سوال کیا کہ قیامت کے آثار اور نشانات بتا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی۔ اور یہ کہ تو دیکھے گا کہ بد

اور پاؤں سے ننگے اور نادار آدمی بکریوں کے چرواہے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کریں گے۔ راوی کہتا ہے، یہ باتیں کر کے وہ شخص چلا گیا اور میں تین دن وہاں ٹھہرا۔ ایک روایت میں ہے کہ کچھ وقت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ اے عمر: تمہیں معلوم ہے یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کی، اللہ اور اُس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے تمہیں تمہارے دین کی باتیں سمجھانے کے لئے آئے تھے''۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تقدیر پر ایمان لانا ایمان کے مذکورہ چھ اصولوں میں سے ایک ہے۔ لہٰذا جس کا تقدیر پر خواہ وہ خیر ہو یا شر، ایمان نہیں ہے، یوں سمجھئے کہ اس نے دین کے ایک اصول کو چھوڑ دیا اور اس کا منکر ٹھہرا۔ ایسا شخص ان لوگوں کی طرح ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو''؟۔ (البقرۃ:۵۸)۔

مسند احمد میں عبادہ بن الولید بن عبادہ کہتے ہیں کہ ''میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس اُن کی تیمارداری کے لئے گیا تو مجھے خدشہ ہوا کہ اب آپ فوت ہو جائیں گے۔ چنانچہ میں عرض کی کہ ابا جان! مجھے وصیت فرمایئے اور خوب اچھی طرح سے وصیت فرمایئے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بٹھا دو (اور بیٹھ کر) فرمانے لگے کہ بیٹا دیکھو! تم اس وقت تک ایمان کا مزہ اور اللہ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم تقدیر الٰہی پر خواہ اچھی ہو یا بری ایمان نہ لاؤ۔ عبادہ نے سوال کیا: ابا جان! میں تقدیر کی اچھائی اور برائی کا کیسے پتا چلاؤں؟ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بولے اس طرح کہ تم کو یقین ہو کہ جو تکلیف تمہیں نہیں پہنچی وہ نہیں پہنچ سکتی تھی، اور جس تکلیف میں تم گرفتار ہو گئے وہ ٹل نہیں سکتی تھی۔ اے میرے بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا اور اُسے کہا کہ لکھ تو قلم نے اُسی وقت لکھنا شروع کر دیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا سب کچھ لکھ دیا۔ لہٰذا اے بیٹے! اگر اس پر ایمان کے بغیر تمہیں موت آ گئی تو جہنم میں جاؤ گے۔ (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۱۷)

اس حدیث اور ایسی دوسری احادیث سے ثابت ہوا کہ جو کچھ ہو چکا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے احاطہء علم میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے سات آسمان اور سات ہی زمینیں پیدا فرمائیں ان میں رب کریم کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ وہ اپنے علم کے ذریعہ سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے۔ (الطلاق:۱۲)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے تقدیر کے متعلق جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''تقدیر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دوسرا نام ہے''۔ امام ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو بہت پسند فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کوئی چیز زیادہ طاقتور نہیں ہے منکرین تقدیر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا انکار کر کے گمراہ ہو گئے بعض علمائے سلف کا کہنا ہے کہ منکرین تقدیر سے علم اور دلائل سے مناظرہ کرو۔ اگر یہ لوگ مان جائیں تو مغلوب ہو جائیں گے اور اگر انکار پر اڑے رہے تو کافر قرار پائیں گے۔

فیہ مسائل

☆ تقدیر پر ایمان لانے کی فرضیت۔ ☆ ایمان کی کیفیت کا بیان۔ ☆ جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا اُس کے اعمال کا اکارت جانا۔ ☆ اس بات کی وضاحت کہ جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ ایمان کے مزے سے بالکل محروم ہے۔ ☆ اس چیز کا ذکر جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا (یعنی قلم)۔ ☆ قلم نے حکم الٰہی سنتے ہی اُس وقت سے لے کر جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب اُسی وقت لکھ دیا۔ ☆ جس شخص کا تقدیر پر ایمان نہیں اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار۔ ☆ سلف صالحین کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ علمائے کرام سے دریافت فرما کر شبہات کا ازالہ کرتے۔ ☆ تقدیر کے متعلق جتنے شبہات پیدا ہو سکتے تھے، علمائے کرام نے اِن سب کا ایک ایک کر کے اس کا جواب دیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے دلائل کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔

باب

ما جاء فی المصورین

اس باب میں اس مسئلہ شرعی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں کہ تصویر اُتارنے اور اُتروانے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ترین عذاب کے مستوجب قرار دیئے گئے ہیں۔

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ

كَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْ لِیَخْلُقُوْا شَعِیْرَةً

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو میرے جیسی بناوٹ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ پس ایسے لوگ ایک ذرہ، ایک دانہ یا ایک جوتو بنا کر دکھلائیں؟ (بخاری ومسلم)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کی ممانعت اور حرمت کی وجہ خود بیان فرمائی کہ مصور تصویر کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق جیسی بنانے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ تخلیق کائنات اور تدبیر امر سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کا مالک، پالنے والا، خالق اور تمام مخلوق کو جدا جدا تصویریں بنانے والا ہے۔ وہی اجسامِ خاکی میں روح پھونکتا ہے جس سے ان میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ: (ترجمہ) ''(اللہ تعالیٰ وہ ذاتِ کبریا ہے) جس نے ہر چیز کو بہت عمدہ طریقے سے پیدا کیا اور انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل حقیر پانی سے پیدا کی۔ پھر اس کو درست اور ٹھیک کیا پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی پھر تمہارے فائدہ کے لئے کان، آنکھ اور دِل بنایا مگر تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو'۔ (السجدہ: ۷تا۹)۔

ولھما عن عائشة رضی اللہ عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ الَّذِیْنَ یُضَاهِئُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰہِ

صحیحین میں اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اُن لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے بنانے میں اُس کی مشابہت کرتے ہیں۔

و لھما عن ابن عباس رضی اللہ عنہ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ کُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ یُجْعَلُ لَهٗ بِکُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسٌ یُّعَذَّبُ بِهَا فِیْ جَهَنَّمَ و لھما عنه مرفوعا مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فِی الدُّنْیَا کُلِّفَ اَنْ یَّنْفُخَ فِیْهَا الرُّوْحَ وَ لَیْسَ بِنَافِخٍ

صحیحین میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر تصویر بنانے والا جہنم میں جائے گا، اس کے لئے ہر تصویر کے عوض ایک ایک جان بنائی جائے گی جس کے ذریعے اُسے جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔ صحیحین میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں کوئی تصویر بناتا ہے تو قیامت کے دن اُس سے کہا جائے گا کہ اس تصویر میں رُوح پھونکے لیکن وہ ان میں رُوح ہرگز نہ پھونک سکے گا۔

مصور جب کسی انسان یا کسی چوپائے وغیرہ کی تصویر بناتا یا فوٹو کھینچتا ہے تو اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی

ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا ہے، یہ اس کی مثل اور اس کے ہم شکل ہوں، اس میں ذرہ بھی فرق نہ ہو، یہی تصویر مصور کے لئے قیامت کے دن بہت بڑی شکل اور عذاب کا سبب بن جائے گی اور مصور کو اس کا مکلّف ٹھہرایا جائے گا کہ اس تصویر میں رُوح ڈالے لیکن وہ ایسا ہرگز نہ کر سکے گا۔ لہٰذا اس کو سخت ترین سزا دی جائے گی کیونکہ تصویر بنانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جاندار چیز کی تصویر بنانے کی جب یہ سزا ہے تو اُس شخص کی سزا کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو اس کے برابر قرار دے لے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو مشابہ ٹھہرائے، تمام عبادات کو یا کسی ایک عبادت کو غیر اللہ کے لئے انجام دے۔ اس کو اور دوسری تمام مخلوق کو تو اللہ کریم نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا تھا عبادت کا مستحق تو اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے ہر وہ عمل پسند کرتا ہے جس سے وہ راضی ہو۔ لہٰذا مخلوق کو خالق کا حق دینا، کسی لحاظ سے بھی قرین صحت اور درست نہیں اور مخلوق میں سے کوئی اس کا مستحق بھی نہیں۔ اور وہ اُمور جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کئے ہیں ان میں کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانے اور اس کے ارتکاب سے اللہ کریم کی نافرمانی لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی نافرمانیوں کو روکنے کے لئے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا، کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے، تاکہ شرک کی وضاحت بیان کریں اور مخلوق کو اس سے روکیں اور ہر قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے سرانجام دیں۔

پس اللہ تعالیٰ کی یہ سنت اور طریقہ رہا ہے کہ اس نے اپنے رسولوں، اور ان کے ماننے والوں کو نجات دی اور ان کے علاوہ جنہوں نے توحید کا انکار کیا اور شرک پر مصر رہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک قرار دیتے رہے ان کی اس عظیم نافرمانی کی وجہ سے اس نے ان کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ رب کریم شرک کی سنگینی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''بیشک اللہ تعالیٰ اس گناہ کو کبھی معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شریک بنایا جائے۔ اس گناہ کے علاوہ جس کو جو چاہے معاف فرما دے گا۔ (النساء:۱۱۶)۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو گویا وہ ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے اور اُسے پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا اس کو دُور دراز جگہ پر اڑا کر پھینک دے''۔ (الحج:۳۱)۔

صحیح مسلم میں ابوالھیاج اسدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا؟ (پہلا یہ کہ) جو تصویر نظر آئے اُسے مٹا دو۔ دوسرا یہ کہ ہر وہ قبر جو بلند ہو اُسے زمین کے برابر کر دو۔

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جس بڑی مہم کو سر کرنے کے لئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوالہیاج کو روانہ فرمایا اسی مہم پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا تھا۔ تصاویر کو اس لئے مٹانے کا حکم دیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ومماثلت پائی جاتی ہے۔ قبور کو زمین کے برابر کرنے میں حکمت یہ تھی کہ اس سے عوام کے دلوں میں قبروں اور اہل قبور کی تعظیم اور فتنے میں گرفتار ہونے کا خدشہ تھا کیونکہ شرک میں ملوث ہونے کے لئے سب سے بڑا سبب قبور کی تعظیم ہی ہے۔ لہٰذا انسان کو ان تمام اُمور کی طرف عنانِ توجہ مرکوز کرنے سے روکنے کی کوشش کی گئی جو دین اسلام اُس کے مقاصد اور اس کے فرائض وواجبات کی ادائیگی میں رکاوٹ کا باعث بن سکتے تھے۔ جن اُمور سے رسول اللہ ﷺ نے روکا تھا ان میں جب سے تساہل اور سستی واقع ہوئی ہے، اس وقت سے عوام ان میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ وہ اُمور ہیں جن سے بچنا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ قبریں اہل قبور کے لئے ایک آزمائش وابتلا بن کر رہ گئیں۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آہستہ آہستہ قبروں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی اور بڑی بڑی عبادتیں جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دینی چاہئیں تھیں وہ اہل قبور کے لئے انجام دی جانے لگیں جیسے: دُعا کرنا، مدد مانگنا، فریاد اور استغاثہ کرنا، جانوروں کو ذبح کرنا، نذر و نیاز دینا، اور ان کے علاوہ دوسری عبادات جن سے انسان مشرک ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل اور آج کل لوگوں نے جو قبور سے متعلق رویہ اختیار کر رکھا ہے ان دونوں کے درمیان موازنہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور دونوں کے طریق کار ایک دوسرے سے جدا ہیں اور یہ دونوں طریق ہائے عمل کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ☆ قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے لیکن آجکل کا مسلمان قبروں کی طرف منہ کر کے بلکہ قبرستان میں جا کر نماز پڑھنے کا عادی ہو چکا ہے۔ ☆ قبرستان کو عبادت گاہ بنانے سے رسولِ اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے لیکن آجکل قبرستان میں مسجدیں بنائی جا رہی ہیں اور ان کا نام مشاہد رکھا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے گھروں سے مشابہت ہو جائے۔ ☆ قبر پر چراغاں کرنے کو رسول عربی ﷺ نے سختی سے روکا اور منع فرمایا تھا لیکن یار لوگوں نے بڑی بڑی جائیدادیں وقف کر رکھیں ہیں جن کی آمدنی سے قبروں پر چراغاں ہوتا ہے۔ ☆ رحمت عالم ﷺ نے قبرستان پر میلے ٹھیلے لگانے سے منع فرمایا لیکن انہوں نے ایک خاص قسم کے میلے رچا رکھے ہیں جہاں بڑی دھوم دھام سے سالانہ اجتماعات منعقد ہوتے ہیں جیسے مسلمان عید یا حج کے لئے اجتماع کرتے ہیں بلکہ آجکل ان میلوں میں عیدین

سے بھی زیادہ چہل پہل نظر آتی ہے۔ ☆ رسول اکرم ﷺ نے قبر کو زمین کے برابر رکھنے کا حکم فرمایا جیسا کہ زیر مطالعہ حدیث میں مذکور ہے۔اس کی تائید صحیح مسلم کی ثمامہ بن شفی والی حدیث بھی کرتی ہے جس میں ابن شفی کہتے ہیں کہ ہم فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ سرزمین روم میں سفر کر رہے تھے کہ رودس کے مقام پر ہمارا ایک ساتھی فوت ہو گیا۔ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق اس کی قبر زمین کے برابر کر دی گئی پھر فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ قبر کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔لیکن آجکل لوگ رسول اللہ ﷺ کی ان دونوں حدیث کی مخالفت میں پورا پورا زور لگا رہے ہیں اور قبر کو اتنا اونچا کر دیتے ہیں جیسے کسی کا گھر ہو اور قبروں پر بڑے بڑے مزار اور قبے بنا رہے ہیں۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو چونا گچ کرنے اور اس پر کسی قسم کی تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''قبروں کو چونا گچ کرنے، ان پر بیٹھنے اور ان پر کسی قسم کی تعمیر کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے روکا ہے''۔ نیز یہ کہ قبر پر لکھنے سے بھی روکا ہے جیسا کہ ابوداؤد میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو چونا گچ کرنے اور ان پر کسی قسم کی عبارت لکھنے سے منع فرمایا ہے''۔لیکن آجکل بڑی بڑی تختیوں پر قرآن کریم کی آیات لکھ کر قبروں پر لگاتے ہیں۔ ☆ رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان تو یہ ہے کہ قبر پر صرف قبر والی مٹی ہی ڈالی جائے، اس کے علاوہ دوسری جگہ کی مٹی نہ ڈالی جائے۔ جیسا کہ ابوداؤد میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''رسول اکرم ﷺ نے قبر کو چونا گچ کرنے، اور اس پر کسی قسم کی عبارت لکھنے اور دوسری جگہ کی مٹی ڈالنے سے منع فرمایا ہے''۔ (ابوداؤد)۔لیکن آجکل لوگ بڑی بڑی اینٹیں اور پتھر رکھنے سے باز نہیں آتے بلکہ قبر کو چونا گچ کرنے سے بھی نہ رُکتے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی قبروں پر اینٹ وغیرہ رکھنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ قبروں کی تعظیم کرنے والے قبروں پر میلے رچانے والے اور ان پر چراغاں کرنے والے ایسے افراد جو قبروں پر مسجدیں تعمیر کرواتے ہیں، اور بڑے بڑے قبے بنانے سے نہیں رکتے اصل میں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی کھلم کھلا مخالفت کر رہے ہیں اور شریعت مطہرہ سے برسر جنگ ہیں اور سب سے بڑا ظلم یہ ہو رہا ہے کہ قبرستان میں مسجدیں بنا رہے ہیں اور پھر ان پر چراغاں بھی ہو رہا ہے حالانکہ یہ سب چیزیں کبائر میں سے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے شاگروں اور دوسرے فقہاء نے ان اُمور کو حرام قرار دیا ہے۔ ابو محمد المقدسی

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''قبروں پر چراغاں کرنا اگر جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ چراغاں کرنے والے پر لعنت نہ کرتے۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ مال بیکار ضائع ہوتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تیسرا نقصان یہ ہے کہ قبروں کی تعظیم اس طرح کی جاتی ہے جیسے مشرکین بتوں کی تعظیم کیا کرتے تھے۔

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر چراغاں کرنے والے پر لعنت کی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ قبرستان میں مسجد بنانا جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''یہود و نصاریٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے ملعون قرار دیا کہ وہ انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ اور مسجدیں بنا لیتے تھے، اس سے آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو خبردار کیا ہے''۔ (متفق علیہ)۔

قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس سے بت پرستوں سے مشابہت پائی جاتی ہے جیسے بت پرست اپنے بتوں کو پوجتے ہیں اور ان سے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان سے مشابہت ہو جاتی ہے اس لئے ممانعت کر دی گئی۔

ہم یہ بات واضح کر آئے ہیں کہ بت پرستی کی ابتدا اُس وقت ہوئی جب کہ لوگوں نے اپنے مردوں کی بے انتہا تعظیم کی اور ان کی صورتیں اور شکلیں بنا کر رکھ لیں اور پھر وقتاً فوقتاً ان کو چومتے چاٹتے رہے، اور اِن کے پاس جا کر عبادت کرتے رہے۔

فیہ مسائل

☆ تصویر بنانے والوں کے لئے سخت وعید۔ ☆ تصویر نہ بنانے کی وجہ یہ بتائی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بڑی بے ادبی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری بناوٹ جیسی بنانا چاہتا ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مخلوق کی عاجزی کا اظہار اس طرح فرمایا کہ ایک ذرہ (ایک دانہ) یا کم از کم ایک ''جَو'' ہی بنا کر دکھلائیں۔ ☆ اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ تصویر بنانے والے کو دُوسرے لوگوں سے سخت عذاب ہوگا۔ ☆ دنیا میں مصور نے جتنی تصویریں بنائی ہوں گی، اتنی ہی جانیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بنائے گا جن کے ذریعہ مصور کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ ☆ مصور کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ان تصاویر میں رُوح ڈالے۔ ☆ جہاں بھی تصویر ملے اُسے مٹا دینے کا حکم۔

باب

ما جآ فی کَثْرَةِ الْحَلْفِ

اس باب میں بکثرت قسمیں کھانے کی ممانعت، اور اس پر وعید اور تہدید کی گئی ہے

وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ

اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بغیر کفارہ ادا کئے اپنی قسموں کو یوں ہی نہ چھوڑ دیا کرو''۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کا مفہوم نقل فرمایا ہے کہ: ''خواہ مخواہ قسمیں نہ کھائی جائیں''۔ بعض اہل علم نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ: ''اپنی قسمیں توڑا نہ کرو''۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے زیر نظر آیت کے وہی معنی مراد لئے ہیں جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ذکر کئے ہیں کیونکہ زیادہ قسمیں کھانا اور بار بار قسم توڑنا آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ اس میں ایک برائی تو یہ ہے کہ قسم کو بالکل ہلکا سمجھا جاتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی برائیاں ہیں جو کمالِ توحید کے منافی ہیں۔

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ الْحَلْفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مَمْحَقَةٌ لِلْكَسَبِ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قسم کھانے سے سامانِ تجارت فروخت تو ہو جاتا ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔ (بخاری ومسلم)۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی انسان اپنے مال کے بارے میں یوں قسم اٹھاتا ہے کہ میں نے اس مال کو اتنی قیمت دے کر خریدا ہے اور مجھے اتنی قیمت مل رہی ہے تو خریدار اس کی قسم پر اعتبار کرتے ہوئے اور اس کو سچا سمجھتے ہوئے اصل قیمت سے زیادہ ادا کر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی قسم میں سچا نہیں ہوتا بلکہ جھوٹ بولتا ہے تاکہ اس کو زیادہ قیمت ملے۔ اس نے یہ جھوٹی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، بس کو اس کی سزا یہ ملتی ہے کہ اس کے مال سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ برکت کا ختم ہو جانا اتنا بڑا نقصان ہے کہ اس نے جو جھوٹی قسم اٹھا کر معمولی سی قیمت زیادہ وصول کی تھی، وہ برکت ختم ہو جانے کی تلافی نہیں کر سکتی۔ بعض اوقات تو اس قدر سزا ملتی

ہے کہ راس المال ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ رہا وہ اجر و ثواب جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ملے گا تو وہ اطاعت الٰہی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ دنیا کی زیب و زینت گنہگار کے لئے اپنی پوری رعنائی اور خوشنمائی کے ساتھ جلوہ گر ہے لیکن اس کا انجام ہلاکت اور عذاب الٰہی کے سوا کچھ نہیں۔

و عن سلمان رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ ثَلَاثَۃٌ لَّا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَ لَا یُزَکِّیْھِمْ وَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اُشَیْمِطُ زَانٍ وَ عَآئِلٌ مُّسْتَکْبِرٌ وَ رَجُلٌ جَعَلَ اللّٰہَ بِضَاعَتَہٗ لَا یَشْتَرِیْ اِلَّا بِیَمِیْنِہٖ وَ لَا یَبِیْعُ اِلَّا بِیَمِیْنِہٖ (رواہ الطبرانی بسند صحیح)

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے انسانوں سے بات نہ کرے گا، نہ اُن کو پاک کرے گا اور اُن کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔ ۱۔ بوڑھا زانی۔ ۲۔ تکبر کرنے والا فقیر۔ ۳۔ وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا مال سمجھا ہوا ہے۔ بایں صورت کہ مال کو خریدتے اور بیچتے وقت قسم ضرور اُٹھاتا ہے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَجِیْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ یَمِیْنَہٗ وَ یَمِیْنُہٗ شَھَادَتَہٗ

صحیح مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہترین دَور وہ ہے جس میں میں خود موجود ہوں، پھر وہ دَور جو میرے بعد آنے والا ہے، پھر وہ دَور جو اُس کے بعد آئے گا، اس کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کی گواہی قسم سے اور قسم گواہی سے پہلے ہوگی۔

فیہ مسائل

☆ اپنی قسم کی حفاظت کرنے کی وصیت کی گئی ہے۔ ☆ خواہ مخواہ اور جھوٹی قسم اٹھانے سے مال کی قیمت تو اچھی مل جاتی ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔ ☆ اُس شخص کو سخت ڈانٹ پلائی گئی ہے جو مال خریدتے اور بیچتے وقت خواہ مخواہ قسمیں اٹھاتا ہے۔ ☆ اس بات کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے کہ جس شخص میں گناہ میں ملوث ہونے کے امکانات انتہائی قلیل اور تھوڑے ہوں اور وہ پھر بھی گناہ کی طرف زیادہ میلان رکھے تو اُس کا یہ گناہ صغیرہ نہ ہوگا بلکہ کبیرہ گناہ شمار ہوگا۔ ☆ اُن لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جن سے قسم طلب نہیں کی جاتی لیکن وہ اس کے باوجود قسمیں اٹھاتے ہیں۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریب ترین تین یا چار اَدوار

کی تعریف فرمائی ہے اور جن نئی نئی بدعات کا ظہور ہونے والا تھا، اس کی پیشگوئی بھی فرمادی۔

باب

ما جاء فی ذمة اللّٰه و ذمة نبیه

اس باب میں وضاحت سے یہ بتایا گیا ہے کہ انسان اپنے عہد و پیمان توڑ دے تو یہ گناہ ہلکا ہے بنسبت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان توڑنے کے۔

وقوله تعالی وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوْا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (النحل:۹۱)۔

اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے اُس سے کوئی عہد باندھا ہو اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ سب افعال سے باخبر ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تاکیدی حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے قول وقرار اور عہد و میثاق کو پورا کریں اور قسموں کی کاملاً حفاظت کریں۔ اسی لئے حکم فرمایا کہ دیکھو: (ترجمہ) ''قسم اٹھانے کے بعد اُسے توڑو نہیں''۔ اس آیت کریمہ اور میں مندرجہ ذیل آیت میں کوئی تعارض نہیں ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ''۔ اور آیت (ترجمہ) ''یہ ہے تمہاری قسموں کا کفارہ۔ جب کہ تم قسم اٹھاؤ۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو''۔ (المائدہ:۸۹)۔

اور پھر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی اور ان آیات میں بھی کوئی تناقض نہیں ہے: ''اگر قسم اٹھانے کے بعد کوئی دوسرا پہلو بہتر دکھائی دے تو میں قسم کو توڑ کر بہتر پہلو اختیار کر لیتا ہوں، اور میں اپنی پہلی قسم کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں''۔

ان آیات اور حدیث پاک میں فی الواقع کوئی تعارض یا تناقض نہیں ہے کیونکہ ان آیات میں وہ قسمیں مراد ہیں جو کسی عہد و پیمان میں داخل ہیں۔ اور جن قسموں کو توڑنا جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے، ان سے وہ قسمیں مراد ہیں جو کسی کو ترغیب دینے یا کسی چیز کے نہ دینے کے بارے میں اٹھائی جائیں۔ اسی بنا پر اس

آیت میں جن قسموں کی ممانعت کی گئی ہے اُن کے متعلق مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جاہلیت کی قسمیں ہیں۔ مجاہد کے اس قول کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اسلام میں کوئی حلف نہیں، اور جاہلیت کی تمام قسموں کو اسلام نے مزید سخت کر دیا ہے''۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ایسا صاف ستھرا اور نکھرا ہوا مذہب ہے جسے جاہلیت کی قسموں کی قطعاً ضرورت اور احتیاج نہیں ہے کیونکہ اسلام سے تمسک اور اس پر عمل کی دیواریں استوار کرنا، انسان کو زمانہ جاہلیت کی تمام چیزوں سے محفوظ کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ''تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس کو جانتا ہے'' ان لوگوں کے لئے سخت تہدید اور وعید پنہاں ہے جو قسم کھانے کے بعد، اُسے توڑ دیتے ہیں

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو ایک بڑی فوج یا چھوٹے لشکر پر امیر مقرر کرتے تو اُسے اللہ سے تقوی اور اپنے ماتحت لشکر کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی بطورِ خاص وصیت فرماتے۔ پھر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُسی کا نام لے کر غزوہ کرو اور ہر شخص سے جنگ کرو جو اللہ تعالیٰ سے کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ غزوہ کرو (اور یاد رکھو) کہ نہ خیانت کرنا، نہ عہد و پیمان توڑنا، نہ کسی کو مثلہ کرنا اور نہ بچوں کو قتل کرنا۔ اور جب مشرک دشمن سے آمنا سامنا ہو تو اُس کے سامنے تین شرطیں پیش کرنا۔ اگر ان میں سے ایک بھی قبول کر لے تو اُسے منظور کر لینا۔ پھر جنگ سے رُک جانا۔ اسلام کی طرف دعوت دینا، اگر اُسے قبول کر لیں تو اس کو منظور کر لینا اور پھر انہیں دارالکفر سے دارُالسلام یعنی مہاجرین کے مقام (مدینہ طیبہ) کی طرف ہجرت کرنے کی دعوت دینا اور یہ بتانا کہ اگر یہ لوگ ہجرت کریں گے تو ان کو وہ سب حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور جو بار مہاجرین کو برداشت کرنا پڑتا ہے اُنہیں بھی برداشت کرنا ہوگا۔ اگر ہجرت سے انکار کریں تو پھر یہ لوگ اُن بدوی مسلمانوں کی طرح ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہوتا ہے اور ان کو مالِ غنیمت اور مالِ فئ میں سے حصہ نہیں ملے گا بجز اُس کے کہ وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں۔ اگر وہ اسلام لانے سے انکار کریں تو پھر اُن سے جزیہ طلب کرنا۔ اگر جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں تو قبول کر لینا اور جنگ سے رُک جانا۔ اور اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کریں تو پھر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر ان سے جنگ کرنا۔ اور اگر تم کبھی کسی قلعہ بند دُشمن کا محاصرہ کر لو اور دُشمن یہ چاہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ لے لو تو ایسا ہرگز نہ کرنا بلکہ اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ لے لینا کیونکہ اگر تم اپنا یا اپنے ساتھیوں کا ذمہ توڑ دو گے تو اس کا گناہ بہر حال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ توڑنے سے ہلکا

ہوگا اور جب تم کسی قلعہ بند دُشمن کا محاصرہ کرلو اور وہ یہ چاہے کہ تم ان کو اللہ کے حکم پر اتارلو تو ایسا ہرگز نہ کرنا، اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم کہ تو اُن میں اللہ کا حکم پا سکتا ہے یا نہیں؟ (رواہ مسلم)۔

فیہ مسائل

☆ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے ذمہ اور عام مسلمانوں کے ذمہ میں فرق۔ ☆ دو خطرناک کاموں میں سے جو زیادہ ہلکا ہو اُسے اختیار کرنے کی طرف رہنمائی۔ ☆ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ ''بسم اللہ'' کہہ کر اور صرف رضائے الٰہی کو مدنظر رکھ کر جہاد میں حصہ لو۔ ☆ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ جو اللہ سے کفر کرتا ہے اُس سے جنگ کرو۔ ☆ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور کفار سے جنگ کرو۔ ☆ اللہ تعالیٰ اور علماء کے حکم میں فرق۔

باب

مَا جَآءَ فِی الْاِقْسَامِ عَلَی اللهِ

اس باب میں اس بات کی سخت مذمت کی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی کے بارے میں اس طرح اللہ کی قسم کھائے کہ وہ فلاں شخص کو معاف نہیں کرے گا۔

عن جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ رَجُلٌ وَ اللهِ لَا یَغْفِرُ اللهُ لِفُلَانٍ فَقَالَ اللهُ تَعَالٰی مَنْ ذَا الَّذِیْ یَتَاَلّٰی عَلَیَّ اَنْ لَّآ اَغْفِرَ لِفُلَانٍ اِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهٗ وَ اَحْبَطْتُ عَمَلَکَ

سیدنا جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ ایک شخص نے کہا کہ ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ فلاں شخص کی مغفرت نہیں کرے گا''۔ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ یہ کون ہوتا ہے جو میرے متعلق قسم کھائے کہ میں فلاں شخص کی مغفرت نہیں کروں گا؟ میں نے اُس کی مغفرت کر دی اور تیرے (قسم کھانے والے کے) اعمال ضائع کر دیئے۔ (رواہ مسلم)۔

شرح السنۃ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے جو صحیح ہے اور جس کی سند سیدنا عکرمہ بن

عمار رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''میں ایک دفعہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوا تو مجھے ایک شخص نے آواز دی ''اے یمامی! اِدھر آؤ''۔ لیکن میں اس کو نہیں پہچانتا تھا۔ اُس نے کہا دیکھو! کسی سے یہ الفاظ نہ کہو کہ ''اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ تجھے کبھی نہ بخشے گا اور تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا''۔ میں نے عرض کی: اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ کون ہیں؟ اُس نے جواب دیا میرا نام ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) ہے۔ عکرمہ بن عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: یہ جملہ تو عام بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے خاندان میں سے کسی پر یا اپنی بیوی پر، یا خادم پر ناراض ہوتا ہے تو یہ الفاظ منہ سے نکل جاتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''بنی اسرائیل میں سے دو شخص آپس میں دوست تھے۔ اُن میں سے ایک بہت عبادت گزار تھا اور دوسرے کے متعلق آپ کا ارشاد تھا کہ وہ گنہگار تھا۔ عابد اُسے ہمیشہ یہ کہتا کہ یہ عادتِ معصیت ترک کر دو۔ وہ جواب دیتا کہ تم میرا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اُسے کسی ایسے گناہ میں مبتلا دیکھا جس کو وہ گناہ کبیرہ سمجھتا تھا کہنے لگا: تم باز آ جاؤ۔ گنہگار نے جواب دیا تو مجھے اللہ کے حوالے کر دے۔ کیا تجھے میرا نگران مقرر کیا گیا ہے؟ عابد نے کہا: اللہ کی قسم نہ تو اللہ تمہاری مغفرت کرے گا اور نہ تجھے کبھی جنت میں داخل کرے گا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف فرشتے کو بھیجا اور اُس نے ان کی روحیں قبض کر لیں، دونوں اللہ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ گنہگار سے کہا: تم میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ اور عبادت گزار سے فرمایا کیا تم میری رحمت کو میرے بندوں سے روک سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں اے میرے رب!!! اللہ نے فرشتوں سے کہا اِسے دوزخ کی طرف لے جاؤ''۔ یہ واقع بیان کرنے کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس شخص نے ایسی بات زبان سے نکالی جس نے اُس کی دنیا اور آخرت کو تباہ کر ڈالا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے یہ الفاظ حدیث کے اِن الفاظ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ **اَحَدُهُمَا مُجْتَهِدٌ فِي الْعِبَادَةِ** یعنی ان میں سے ایک بہت عبادت گزار تھا۔ ان احادیث میں لغزش زبان کا بیان ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کو گفتگو میں بھی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ جیسا کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''کیا ہم اپنی گفتگو کی وجہ سے بھی پکڑے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ! تیری ماں تجھے گم پائے!! تجھے معلوم نہیں کہ لوگوں کو دوزخ میں منہ کے بل یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نتھنوں کے بل، ان کی زبانوں کی کترن (یعنی گفتگو) ہی گرائے

گی۔

فیہ مسائل

☆ اللہ تعالیٰ پر قسم کھانے سے ڈرنا۔ ☆ عذابِ دوزخ ہمارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ☆ جنت کا بھی یہی حال ہے۔ ☆ انسان بعض اوقات ایسا جملہ کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ عذاب میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ ☆ بعض اوقات ایسے معاملے میں بھی بخشش ہوجاتی ہے جو انسان کے نزدیک بہت برا ہوتا ہے۔

باب

لَا یُسْتَشْفِعُ بِاللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ

اس باب میں اِس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے سامنے سفارشی کی حیثیت نہیں دینی چاہیئے خواہ وہ شخص اپنے طور پر کتنی بھی اہمیت کا مالک ہو۔

عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ نُھِکَتِ الْاَنْفُسُ وَ جَاعَ الْعِیَالُ وَ ھَلَکَتِ الْاَمْوَالُ فَاسْتَسْقِ لَنَا رَبَّکَ فَاِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِاللّٰہِ عَلَیْکَ وَ بِکَ عَلَی اللّٰہِ فَقَالَ النَّبِیُّ سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ فَمَا زَالَ یُسَبِّحُ حَتّٰی عُرِفَ ذَالِکَ فِیْ وُجُوْہِ اَصْحَابِہٖ ثُمَّ قَالَ وَیْحَکَ اَتَدْرِیْ مَا اللّٰہُ اِنَّ شَاْنَ اللّٰہِ اَعْظَمُ مِنْ ذَالِکَ اِنَّہٗ لَا یُسْتَشْفَعُ بِاللّٰہِ عَلٰی اَحَدٍ (ابوداؤد)۔

سیدنا جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر ایک دیہاتی عرض کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانیں تلف ہوگئیں، بچے بھوکے مرگئے اور مال برباد ہو

گیا۔آپ ﷺ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کیجئے ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس اور آپ ﷺ کو اللہ کے ہاں سفارشی بناتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے دیہاتی کی بات سن کر بار بار سبحان اللہ پڑھا، یہاں تک کہ اس کا اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر بھی نمودار ہوا پھر فرمایا ''تجھ پر افسوس! تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کتنی بلند ہے؟ اُس کی شان اتنی بلند ہے کہ اُسے کسی کے حضور سفارشی نہیں لے جایا جاتا''۔

حدیث میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے دیہاتی کو فرمایا: ''تجھ پر افسوس! اللہ تعالیٰ کو اس کی کسی مخلوق کے پاس سفارشی نہیں بنایا جا سکتا۔اللہ تعالیٰ کی شان اسے سے کہیں بلند ہے۔تجھ پر افسوس ہو کیا جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی شان کیا ہے؟ اُس کا عرش آسمانوں کے اُوپر قبے کی طرح ہے۔وہ عرش اس طرح چڑ چڑاتا ہے جیسے کُجاوا (زین) سوار کے بوجھ کی وجہ سے آواز کرتا ہے''۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز تصنیف ''مفتاح دارالسعادۃ'' میں رقمطراز ہیں کہ ''جب انسان اپنی اندرونی بصیرت سے اپنے آپ کی، اور اپنے رب کی معرفت تامہ حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کے سامنے بابِ آسمان کھل جاتے ہیں اور اِنسان آسمان کے چپے چپے، اس کے ملکوت اور فرشتوں پر نگاہ ڈالتا ہے اور پھر یکے بعد دیگرے تمام دروازے کھلتے جاتے ہیں۔حتیٰ کہ قلب انسانی ربِّ ذوالجلال کے عرش تک جا پہنچتا ہے۔عرش کی وُسعت، اُس کی عظمت، اُس کا جلال، اُس کی بلندی اور بزرگی دل کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے۔اُس وقت اُس کے مقابل ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے کسی چٹیل اور وسیع وعریض میدان میں چھوٹا سا گول حلقہ پڑا ہو۔اور اللہ ذوالجلال کے عرش کے اردگرد ملائکہ کی فوجیں سجدہ ریز ہوتی ہیں۔فرشتوں کے تسبیح وتحمید اور تکبیر وتقدیس کہنے کی وجہ سے ایک شور بپا ہوتا ہے۔یہ وہ مقام ہے جہاں سے تمام عالم کی تدابیر جاری ہوتی ہیں، اور تمام جہان کے لشکر کے لئے جن کی تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے، احکام صادر ہوتے ہیں، قوموں کی موت وحیات اور عزت وذلت کے فیصلے یہیں کئے جاتے ہیں۔ایک کو بادشاہ بنانے اور دوسرے سے مملکت چھین لینے کا حکم یہیں سے صادر ہوتا ہے۔نعمتوں کے اَدل بدل کا مرکز یہی ہے۔انسانی ضروریات مختلف اندازوں سے پورا کرنے کا فیصلہ یہیں سے ہوتا ہے۔نقصانات کی تلافی کرنا اور محتاج کو تونگر اور غنی بنانا سب اسی مقام پر کیا جاتا ہے۔مریضوں کو شفا دینا، کسی کی تکالیف کو دور کرنا، کسی گنہگار کو معاف کرنا، کسی کی مشکل کو حل کرنا، مظلوم کی فریادرسی اور امداد کرنا، بھولے ہوئے کو راہ دکھانا، جاہل کو عالم بنانا، بھاگے ہوئے کو واپس لانا، خوفزدہ کو امان دینا، پناہ کے طالب کو محفوظ جگہ عطا کرنا، کمزور کی مدد کرنا، عاجز اور درماندہ کی

اعانت کرنا، پریشان حال کی پریشانی رفع کرنا، ظالم سے بدلہ لینا، اور سرکش کی زیادتیوں کو روکنے کے فیصلے یہیں سے صادر ہوتے ہیں۔ یہ سب فیصلے عدل و انصاف اور حکمت کے عین مطابق جاری اور تمام عالم میں نافذ ہوتے ہیں۔ ربِّ ذوالجلال کی ذات ایسی بے مثل ذات ہے کہ بیک وقت مختلف زبانوں سے نکلی ہوئی مختلف دعائیں اور عرض داشتیں اسے کسی کا کلام سننے میں حائل نہیں ہوسکتیں۔ اور بلحاظ اختلافِ لغات اور کثرت مسائل و حاجات، اور طرفہ یہ کہ بیک وقت پکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں خلط ملط نہیں ہوتیں۔ رب کریم اصرار سے مانگنے والوں سے اُکتاتا نہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ سب کی حاجات و ضروریات کو پورا کر دے تو اُس کے خزانہ میں ذرہ بھر کمی پیدا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اس کی سب سے نمایاں صفت یہ کہ وہ **لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمُ** ہے۔

انسان یہاں پہنچ کر ربِّ ذوالجلال کی وحشت و ہیبت کی وجہ سے اُس کے سامنے سر جھکا دیتا ہے، اس کی بے پناہ عزت وعظمت کے پیش نظر انتہائی خشوع و خضوع سے اُس کے حضور کھڑا ہو جاتا اور اللہ ذوالجلال والاکرام کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا سجدہ ہوتا ہے جو قیامت تک کے لئے انسان کو سر اُٹھانے کا نام نہیں لینے دیتا۔ یہ تھا دل کا سفر جبکہ انسان اپنے وطن، گھر بار اور اہل و عیال میں ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے نشانات اور اس کی کاریگری کے بے مثل عجائب ہیں۔ پس مبارک ہو اس سفر کو، کتنا بابرکت ہے یہ سفر، اس کے نتائج و ثمرات بہت ہی زیادہ ہیں۔ اس کے فوائد اور اس کا انجام عدیم النظیر ہے۔ یہ ایسا بابرکت سفر ہے جس سے رُوح کو نئی زندگی ملتی ہے اور جو سعادت و خوش بختی کی کلید ہے، عقلمندوں کا مال غنیمت ہے۔

رہا مسئلہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے اُن کی زندگی میں سفارش کرائی جائے تو رسول اللہ ﷺ کو شفیع بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے دُعا کرائی جائے۔

باقی رہا مسئلہ فوت شدہ شخص کا تو شریعت مطہرہ نے اس کے جنازہ اور اس کی قبر پر اس کے لئے دُعا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ میت کے لئے بس اتنا ہی حکم ہے کہ اس کے لئے دُعا کی جائے البتہ میت سے دُعا کی التجا کرنے کی شریعت اسلامیہ نے اجازت نہیں دی بلکہ اس کی ممانعت کر دی گئی ہے اور کتاب وسنت میں ایسے شخص کے لئے سخت وعید آئی ہے جو مُردے سے دُعا کی التجا کرتا ہے۔ قرآن کریم اس کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے: (ترجمہ) ''اللہ کو چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اُنہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو اُن کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے

سکتے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے''۔(فاطر:۱۴ تا ۱۵)۔ اسی طرح فرمایا:''جب تمام انسان جمع کئے جائیں گے اُس وقت وُہ اپنے پکارنے والوں کے دُشمن اور اُن کی عبادت کے منکر ہوں گے''۔ (الاحقاف:۶)۔ پس ہر میت اور غائب شخص نہ تو سن سکتا ہے اور نہ دُعا قبول کرنے کی اُسے قدرت و طاقت ہے۔اور نہ وہ کسی کو نفع دے سکتا ہے اور نہ کسی کو تکلیف میں مبتلا کرسکتا ہے۔تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور خصوصاً خلفائے راشدین میں سے کسی سے بھی منقول نہیں ہے کہ اُنہوں نے کسی وقت بھی اپنی حاجات اور مشکلات رسول اللہ ﷺ کی قبر پر جا کر اُن کی خدمت میں پیش کی ہوں، خصوصاً قحط سالی کے وقت۔

جیسا کہ دَورِ خلافت فاروق ہی میں قحط سالی ہوئی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ لوگوں کو لے کر میدان میں مدینہ سے باہر نکلے تاکہ نمازِ استسقٰی پڑھی جائے۔اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ نمازِ استسقٰی پڑھائیں اور دُعا کریں کیونکہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ زندہ موجود تھے۔ثابت ہوا کہ اگر کسی شخص کے مرنے کے بعد اس سے بارش وغیرہ کے لئے دُعا کرانا جائز ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو نہ کہتے بلکہ سیدھے قبر رسول اللہ ﷺ پر خود بھی آتے اور لوگوں کو بھی لاتے۔لیکن ایسا ہرگز نہیں کیا گیا۔نہ خلفائے راشدین میں سے کسی نے کیا اور نہ کسی دُوسرے صحابی نے کیا۔

اس واقعہ سے زندہ اور فوت شدہ کے درمیان جو امتیازی فرق ہے وہ واضح ہو جاتا ہے کیونکہ زندہ شخص سے سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ موجود ہو تو دعا کرے۔

فیہ مسائل

☆ جس شخص نے یہ کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کے پاس سفارشی بناتے ہیں اِس پر ناراض ہونا اور اس کی اس بات کو خلافِ شریعت قرار دینا۔ ☆ رحمت عالم ﷺ کے چہرۂ انور کا اس طرح متغیر ہو جانا کہ صحابہ کرام کے چہروں پر بھی اس کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے یہ جملہ ناپسند نہیں فرمایا کہ ''ہم اللہ تعالیٰ کے حضور آپ ﷺ کو سفارشی بناتے ہیں''۔ ☆ سبحان اللہ کے معنیٰ و مفہوم کی وضاحت۔ ☆ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بارش کی دُعا کروایا کرتے تھے۔

باب

مَا جَآءَ فی حمایة النبی حمد التوحید و سده طرق الشرک

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے توحید کے پہلو کو کیونکر ثابت کیا اور کس طرح اُس راہ کو بند کر دیا ہے جو شرک کی طرف لے جاتی ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن اقوال و اعمال کی جو عقیدۂ توحید میں نقص و اضمحلال کا باعث بنتے ہیں، کس طرح بیخ کنی کی اور شجر توحید کی آبیاری کے لئے کیا کیا کوششیں فرمائیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے بیشمار ارشادات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں ''میری تعریف میں غلو سے کام نہ لینا جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا تھا، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو''۔ گزشتہ صفحات میں رسول اللہ ﷺ کا مندرجہ ذیل ارشادِ گرامی ذکر کیا جا چکا ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''مجھ سے استغاثہ نہ کیا جائے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہی سے استغاثہ کیا جائے''۔

ایک دوسرے کے منہ پر تعریف کرنے سے بھی سختی سے روکا ہے چنانچہ ایک شخص نے کسی کی اس کے سامنے تعریف کی تو آپ ﷺ نے سن کر فرمایا: ''تجھ پر افسوس ہے تو نے اپنی بھائی کی گردن کاٹ ڈالی''۔ ابوداؤد میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر عن ابیہ یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص نے دُوسرے کی تعریف کی تو آپ ﷺ نے تعریف کرنے والے کو تین بار فرمایا کہ ''تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: تعریف میں مبالغہ کرنے والوں سے ملو تو اُن کے منہ مٹی سے بھر دو''۔ (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)۔

عن عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ قَالَ اِنْطَلَقْتُ فِیْ وَفْدِ بَنِیْ عَامِرٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقُلْنَا اَنْتَ سَیِّدُنَا فَقَالَ السَّیِّدُ اللّٰہ تبَارکَ وَ تَعَالٰی قُلْنَا وَ اَفْضَلُنَا فَضْلًا وَّ اَعْظَمُنَا طَوْلاً فَقَالَ قُوْلُوْا بِقَوْلِکُمْ اَوْ بَعْضَ قَوْلِکُمْ وَ لَا یَسْتَجْرِیَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ

سیدنا عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بنی عامر کے ایک وفد کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہم نے عرض کی آپ ہمارے سردار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سردار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بابرکت اور بلند ہے۔ ہم نے پھر عرض کیا آپ ﷺ ہم سے افضل ترین اور بیشمار احسان کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ یا اس طرح کی مناسب باتیں کرو اور یاد رکھنا کہ کہیں شیطان

کے پھندے میں نہ آ جانا۔

رسولِ اکرم ﷺ نے اس بات کو بالکل پسند نہیں فرمایا کہ لوگ آپ ﷺ کے منہ پر مدح اور تعریف کریں تاکہ وہ غلو میں مبتلا ہو جائیں اور اس کی صراحت فرمائی کہ کسی کے منہ پر تعریف کرنے والا اگرچہ جس معاملے میں تعریف کی جا رہی ہے، وہ اس میں موجود ہی ہو، شیطانی عمل کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ تعریف کرنے والا اپنے ممدوح کو بہت ہی پر عظمت اور اعلیٰ وارفع سمجھے گا تو اس کی تعریف کرے گا اور یہ کمالِ توحید کے منافی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کا ایک مخصوص انداز اور خاص مرکز ومحور ہے جس کے اردگرد عبادت کا پورا نظام گھومتا ہے اور وہ محور ہے کسی کی محبت میں اس کے سامنے انتہائی عجز وتذلل سے پیش آنا اور یہ عجز وتذلل خضوع و خشیت اور مسکنت کو مستلزم ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

جب تعریف اور مدح کی وجہ سے انسان کے دماغ میں بڑا پن یا فخر وعجب کی کیفیت ابھر آئے گی تو عبدیت کے خاصہ میں عظیم نقص پیدا ہو جائے گا جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بڑائی میری چادر اور عظمت میرا لباس ہے، جو شخص میری ان دونوں (صفات) میں سے کسی ایک کو چھیننے کی کوشش کرے گا میں اُسے عذاب دوں گا''۔ (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ)۔ ایک روایت میں یوں ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا''۔ (مسند احمد)۔ اپنی مدح اور تعریف کو پسند کرنا بعض اوقات ذہنی اور دینی آفات ومصائب میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ بات ہر شخص کے ذہن میں رہنی چاہیئے کہ عُجب اور فخر اعمالِ صالحہ کو اس طرح کھا جاتے ہیں جیسے آگ لکڑی کو۔

یہ احتیاطی تدابیر اس لئے اختیار کی گئیں تاکہ عقیدۂ توحید کی پوری طرح حفاظت کی جا سکے اور اس میں کوئی ایسی بات شامل نہ ہو جائے جو بنیادی طور پر اس کے مزاج کے منافی ہو۔ اور پھر کہیں نوبت یہاں تک نہ پہنچ جائے کہ شرک اور اس کے جراثیم، اس کی اساس کو کمزور کر دیں۔

کسی شخص کو ''السید'' کہہ کر پکارنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب: ''بدائع الفوائد'' میں لکھتے ہیں: بعض علماء نے یہ لفظ کہنا ناجائز قرار دیا ہے۔ یہ علمائے کرم اس باب میں اسی حدیث کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کو یا سیدنا کہا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''السید اللہ تبارک وتعالیٰ''۔ اور بعض علمائے کرام نے اس کو جائز ٹھہرایا ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے انصاری ساتھیوں سے فرمایا تھا کہ ''اپنے سید کے لئے کھڑے ہو جاؤ''۔ یہ حدیث پہلی

سے زیادہ قوی اور صحیح ہے۔ مگر دونوں احادیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہاں سیادت اضافی مراد ہے لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے، صحیح ہے۔ لفظ ''السید'' اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوگا تو اس وقت اس کے معنی: مالک، مولی اور ''ربّ'' کے ہوں گے۔ وہ معنی مراد نہیں ہوں گے جو مخلوق پر استعمال کرتے وقت مراد لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جن کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا: وہاں سیادت کے وہ معنی نہیں ہیں جن معنی میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

فیہ مسائل

☆ مبالغہ آمیزی سے لوگوں کو ڈرانا۔ ☆ باوجود اس کے کہ لوگوں نے سچی اور حق بات کہی تھی لیکن رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''کہیں تم کو شیطان بہکا نہ دے''۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کہ ''میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے اُس مرتبہ سے جس پر اللہ کریم نے مجھے فائز کیا ہے، بڑھاؤ'' کی وضاحت۔

باب

ما جا فی قول اللہ تعالیٰ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمَاوَاتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الزمر:٦٧)

ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ (اس کی قدرتِ کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ پاک اور بالاتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ: ''اس میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ مشرکین نے اللہ کی کما حقہ قدر نہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرنا بھی شروع کر دی۔ اللہ کریم اُس درجہ عظمت و بلندی والا ہے کہ دوسرا کوئی اس کو نہیں پہنچ سکتا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز اس کے تصرف میں ہے''۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ جَآءَ حِبْرٌ مِّنَ الْاَحْبَارِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَامُحَمَّدُ اِنَّا نَجِدُ اَنَّ اللّٰهَ يَجْعَلُ السَّمَاوَاتِ عَلٰى اِصْبَعٍ وَالْاَرْضِيْنَ عَلٰى اِصْبَعٍ

والشَّجَرَ عَلٰی اِصْبَعٍ وَ الْمَآءَ عَلٰی اِصْبَعٍ وَ الثَّرٰی عَلٰی اِصْبَعٍ وَسَآئِرَ الْخَلْقِ عَلٰی اِصْبَعٍ فَیَقُوْلُ اَنَا الْمَلِکُ فَضَحِکَ النَّبِیُّ ﷺ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ تَصْدِیْقًا لِّقَوْلِ الْحِبْرِ ثُمَّ قَرَاَ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) ہم اپنی کتاب میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی کو ایک انگلی پر، کیچڑ کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ کر فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں''۔ یہودی عالم کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے اتنے مسکرائے کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں نمایاں طور سے نظر آنے لگیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ ''ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے (اُس کی قدرتِ کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی۔

و فِی روایۃ لمسلم والْجِبَالَ وَ الشَّجَرَ عَلٰی اِصْبَعٍ ثُمَّ یَھُزُّھُنَّ فَیَقُوْلُ اَنَا الْمَلِکُ اَنَا اللّٰہُ و فی روایۃ للبخاری یَجْعَلُ السَّمٰوٰتِ عَلٰی اِصْبَعٍ وَ الْمَآءَ وَ الثَّرٰی عَلٰی اِصْبَعٍ وَ سَآئِرَ الْخَلْقِ عَلٰی اِصْبَعٍ

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پہاڑوں اور درختوں کو ایک اُنگلی پر رکھ کر اور ان کو ہلا ہلا کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں، میں ہی اللہ، معبودِ برحق ہوں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آسمانوں کو ایک انگلی پر، پانی اور کیچڑ کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر رکھے گا۔

و لمسلم عن ابن عمر مرفوعا یَطْوِی اللّٰہُ السَّمَاوَاتِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ثُمَّ یَاْخُذُھُنَّ بِیَدِہِ الْیُمْنٰی ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا الْمَلِکُ اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَیْنَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ ثُمَّ یَطْوِی الْاَرْضِیْنَ السَّبْعَ ثُمَّ یَاْخُذُھُنَّ بِشِمَالِہٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَیْنَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ

صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دستِ راست میں لے گا، پھر فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں کہاں ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو سرکش اور متکبر سمجھا؟ پھر ساتوں زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں کہاں ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو سرکش اور متکبر سمجھا۔

یہ احادیث اور اس مفہوم کی دوسری احادیث مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی قدرت و

رفعت کے بارے میں واضح طور سے دلالت کناں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بندوں پر اس کی معرفت کے دروازے اس کی صفات کی بنا پر ہی کھلتے ہیں اور یہ تمام مخلوق اس کے کمال عجائب کی واضح علامت ہے جیسا کہ نصوصِ کتاب وسنت، سلف امت اور ائمہ کرام سے ثابت ہے۔ وہ اثبات بلا تمثیل اور تنزیہ بلا تعطیل ہے اس کی عبادت، ربوبیت، اور الوہیت میں کوئی اس کا مثیل اور ساجھی نہیں۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو ایمان کی بنیاد ہے اور جس پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے۔

مذکورہ بالا صحیح احادیث پر ہر شخص کو غور کرنا چاہیئے کہ رسول اکرم ﷺ نے ربِّ کریم کی کامل اور اس کی وہ عظمت ورفعت بیان کی ہے جو کہ اس کی ذاتِ کبریا کو زیبا ہے۔ اور بعض ان صفاتِ الٰہی کی تصدیق بھی فرمائی جن کا یہودی عالم نے ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے شایانِ شان ہے۔ اور اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ ان احادیث سے اللہ تعالیٰ کے عرشِ عظیم پر مستوی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ (نعوذ باللہ) ان اسماء وصفات سے ظاہری معنی مراد نہیں۔ اور یہ بھی کہیں نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ ہیں۔ اگر یہ باتیں درست اور صحیح ہوتیں تو اللہ تعالیٰ کے یہ امین ترین انسان اپنی اُمت کو ضرور بتاتے کیونکہ ربِّ کریم نے آپ ﷺ پر دین اسلام کو مکمل فرمایا اور تمام نعمتوں سے نوازا اور آپ ﷺ نے پوری وضاحت سے اس کو لوگوں تک پہنچا دیا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہم الی یوم الدین۔

اور دوسری طرف صحابہ کرام نے اپنے محسن اعظم ﷺ سے وہ تمام اوصاف کا علم حاصل کیا جو ربِّ کریم نے اپنی عظمت وجلات اور کمال کے سلسلے میں بیان کیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب پر ایمان لائے اور ان کو انہوں نے تسلیم کیا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ایمان لائے اُن سب صفات پر بھی ایمان لائے جو کتاب اللہ میں مذکور ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود اِن کے ایمان لانے کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتا ہے: (ترجمہ) ''جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''ہمارا اُن پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے''۔

تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام، محدثین عظام اور تمام فقہاء بھی اسی طرح ایمان لائے اور اُنہوں نے بھی اسی طرح اللہ کریم کی صفات بیان کیں جس طرح کہ خود اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائیں۔ ان بزرگانِ دین نے اللہ کی کسی ایک صفت کا بھی انکار نہیں کیا اور نہ یہ کہا کہ اِن صفات کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں اور نہ یہ کہا کہ اِن صفات سے تشبیہ لازم آتی ہے بلکہ جن لوگوں نے تشبیہ دینے کی کوشش کی ان کا

مقابلہ کیا اور بڑی بڑی کتابیں لکھ کر ان کے شبہات کی تردید کا حق ادا کر دیا۔ یہ کتب آج تک اہل سنت کے ہاں معروف اور متداول ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بطریق یونس روایت کی ہے جس میں ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے والد محترم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں اُن سات درہموں کے برابر ہیں جو کسی ڈھال میں ڈال دیئے گئے ہوں''۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کی کرسی، عرش کے مقابلے میں ایک لوہے کے چھلے کی طرح ہے جسے کسی چٹیل میدان میں پھینک دیا گیا ہو''۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ پہلے اور اُس کے آگے والے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اور ہر آسمان کے درمیان پانچ پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اور ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور کرسی اور پانی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اور عرش پانی کے اوپر ہے اور اللہ کریم عرش کے اوپر ہے۔ تمہارے اعمال میں سے کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِن دونوں کے درمیان پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔ اور ہر آسمان سے دُوسرے آسمان تک پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو برس کی مسافت کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان ایک سمندر ہے، اُس کے نچلے اور اُوپر کے حصے کا فاصلہ وہی ہے آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ہے اور اعمالِ بنی آدم میں سے کوئی عمل اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کتاب اللہ اِبتدا سے انتہا تک سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام اور تمام ائمہ کا کلام اس سے بھرا پڑا ہے کہ ربّ کریم ہر چیز سے بلند ہے اور یہ کہ وہ آسمانوں اور زمینوں سے اوپر عرش پر ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات اس پر شاہد ہیں: (ترجمہ) ''اُس کے ہاں جو چیز اُوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے اور عمل صالح اس کو اُوپر چڑھاتا ہے'' (الفاطر:۱۰)۔ ''اے عیسیٰ! اب میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا''۔ (آل عمران:۵۵)۔ ''بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا''۔ (النساء:۱۵۸)۔ ''عروج کے زینوں کا مالک

ہے، ملائکہ اور رُوح اُس کے حضور چڑھ کر جاتے ہیں''۔ (السجدة:۵)۔ ''اپنے رب سے جو اُن کے اوپر ہے ڈرتے ہیں''۔ (النحل: ۵۰)۔ ''وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ پھر اُور کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کئے''۔ (البقرة:۲۹)۔ ''درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر بلند ہوا۔ جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے، جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کئے، سب اُس کے فرمان کے تابع ہیں۔ خبردار ہو! اُسی کی خلق ہے اور اُسی کا امر ہے۔ بڑا بابرکت اللہ سارے جہانوں کا مالک و ربّ'' (الاعراف:۵۴)۔ ''حقیقت یہ ہے کہ تمہارا ربّ وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر بلند ہوا اور کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ کوئی شفاعت (سفارش) کرنے وال نہیں ہے۔ اِلا یہ کہ اُس کی اجازت کے بعد شفاعت کرے'' (یونس:۳)۔ اس آیت میں توحید الوہیت اور توحید ربوبیت دونوں کا بیان ہے۔ ''وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔'' (الرعد:۲)۔ ''نازل کیا گیا ہے اُس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا ہے زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ رحمٰن عرش پر بلند ہے''۔ (طٰہٰ:۴ تا ۵)۔ ''اور (محمد ﷺ) آپ اُس ذات پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں۔ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اپنے بندوں کے گناہوں سے بس اُسی کا باخبر ہونا کافی ہے، وہ جس نے چھ دنوں میں زمین اور آسمانوں کو اور اُن ساری چیزوں کا بنا کر رکھ دیا جو آسمان و زمین کے درمیان میں ہیں پھر آپ ہی عرش پر بلند ہوا۔ رحمٰن اس کی شان بس کسی جاننے والے سے پوچھو''۔ (الفرقان: ۵۸، ۵۹)۔ ''وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن ساری چیزوں کو جو اُن کے درمیان ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا اور اُس کے بعد عرش پر بلند ہوا۔ اُس کے سوا نہ تمہارا کوئی حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اُس کے آگے سفارش کرنے والا، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ وہ آسمان سے زمین تک دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے، اور اُس تدبیر کی رُوداد اُوپر اُس کے حضور جاتی ہے، ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمارے سے ایک ہزار سال ہے''۔ (السجدہ:۴، ۵)۔ ''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر بلند ہوا۔ اس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اُس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ جو کام بھی تم کرتے ہوئے اُسے دیکھ رہا ہے''۔ (حدید:۴)۔ ''کیا تم اس سے بےخوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تمہیں زمین

میں دھنسا دے اور یکایک زمین جھکولے کھانے لے؟ کیا تم اِس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ کیسی ہوتی ہے۔ یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ چیز ہے۔(حم السجدۃ:١٦۔١٧)۔ ''اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست اور حکیم ہے''۔(الجاثیہ:٢)۔''فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت بنا تا کہ میں راستوں تک پہنچ سکوں، آسمانوں کے راستوں تک اور موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں۔ مجھے تو یہ موسیٰ جھوٹا ہی معلوم ہوتا ہے''۔(المؤمن:٣٦۔٣٧)۔

علامہ الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف ''کتاب العلو'' میں صحیح اسناد سے اُم المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول ذکر کیا ہے؛ آپ ''اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی'' کے بارے میں فرماتی ہیں:''استواء کے معنی معلوم ہیں اس کی کیفیت سمجھ میں آنے والی نہیں ہے۔ اور اس کا اقرار کرنا ہی ایمان ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے''۔

ابن المنذر اور لالکائی وغیرہ نے اپنی اپنی کتب میں صحیح اسناد سے ذکر کیا ہے کہ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا:''استواء کی کیا کیفیت ہے؟ اُنہوں نے کہا استویٰ کا معنی معلوم ہے، اس کی کیفیت سمجھ میں آنے والی نہیں۔ اللہ تعالیٰ احکام نازل فرماتا ہے اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذِمہ ان کی تبلیغ ہے اور ہمارا فرض ان کی تصدیق کرنا ہے''۔

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:''ہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے ابوعبداللہ: قرآن کریم میں یہ آیت ہے کہ ''اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی'' استوی کی کیفیت کیا ہے؟ اس کے متعلق ہمیں بتایا جائے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سوال سن کر سر جھکا لیا اور پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر فرمایا ''اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی'' کو ہم اسی طرح مانتے ہیں جیسے اس نے اپنے لئے استعمال کیا ہے۔ اس کی کیفیت کے بارے میں ہرگز سوال نہ کیا جائے کیونکہ اللہ کے لئے کیفیت کا سوال ہی نہیں ہوتا البتہ تو بدعتی ہے (کیونکہ تو نے سوال ہی ایسا کیا ہے)۔ اسے میری مجلس سے نکال دو''۔

اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کے ثبوت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین، اور سلفِ اُمت کے اقوال اور شواہد اتنے زیادہ ہیں کہ ان کو شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ہم چند اقوال پر اکتفا کرتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور دوزخ کافروں کا ٹھکانہ

ہے۔عرش پانی کے اوپر ہے اور عرش کے اوپر رب العالمین ہے۔اس کو طاقتور فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے اور یہ اللہ کے وہ فرشتے ہیں جو نشان دار ہیں۔

تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ کریم اپنی ذات کے ساتھ عرش پر مستوی ہے اور اس کا عرش پر مستوی ہونا حقیقی ہے مجازی نہیں۔البتہ اُس کا علم ہر جگہ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا جس نے سب سے پہلے انکار کیا وہ جعد بن درہم تھا۔اُس نے جہاں استوی علی العرش کا انکار کیا وہاں تمام صفات کا بھی انکار کیا ہے۔اس بدعقیدہ شخص کو خالد بن عبداللہ القسری نے قتل کر دیا تھا۔ یہ واقعہ بہت مشہور ہے۔ جعد بن درہم کے عقیدۂ بد کو جہم بن صفوان نے پروان چڑھایا جس کو فرقہ ءجہمیہ کا امام کہا جاتا تھا۔اس نے اس عقیدہ کی خوب تشہیر کی۔اور متشابہ آیات سے استدلال کر کے سادہ لوح عوام کو گمراہ کیا۔جہم بن صفوان تابعین کے آخری دور میں ہوا ہے۔اس کے اس بدعقیدہ کی تردید میں اِس دور کے جید علماء کرام اور ائمہ نے کی۔امام اوزاعی،امام ابوحنیفہ،امام مالک،لیث بن سعد،ثور، حماد بن زید،حماد بن سلمہ،ابن المبارک رحمہم اللہ تعالیٰ۔اور ان کے بعد کے آئمہ ہدیٰ نے اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں امام شافعی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے جو زرین حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔امام صاحب فرماتے ہیں:''اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اتنے ہیں کہ جن کی تردید ممکن نہیں ہے۔دلائل معلوم ہو جانے کے بعد جو شخص انکار کرے اُسے کافر قرار دیا جائے گا البتہ دلائل معلوم ہونے سے پہلے ایسے شخص کو اُس کی جہالت کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا۔ہم ان تمام صفات کو ثابت کرتے ہیں اور تشبیہ کی تردید کرتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے تشبیہ کی تردید فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی مثل کوئی نہیں۔اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے''۔

فیہ مسائل

☆ اس حدیث میں جن علوم کا ذکر کیا گیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے دَور کے یہودیوں میں موجود تھے،اسی لئے نہ تو اُنہوں نے اِن کی تاویل کی اور نہ اُنہیں جھٹلایا۔ ☆ رسول کریم ﷺ کے سامنے جب یہودی عالم نے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بیان کی تو آپ ﷺ نے اس کی تصدیق کی اور اس کی مزید تصدیق کے لئے

عرض ناشر

عالم اسلام میں محبت ویگانگت کے داعی اور رہبر ملت اِسلامیہ، سعودی عرب کے عظیم رہنما شاہ فیصل رحمہ اللہ نے پاک و ہند کے اُردو دان طبقے اور خصوصاً مسلمانوں کے لئے ''ہدایۃ المستفید'' نامی کتاب 1974ء میں چھپوا کر فری تقسیم کروائی۔ اُن کی شہادت کے بعد یہ عظیم کتاب غائب ہوگئی اور آج تک ناپید ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں 1686 صفحات پر مشتمل تھی۔ اُردو میں شائع ہونے والی کتب میں اُس وقت سے لے کر آج تک اتنی اعلیٰ وعمدہ اور جامع کتاب شائع نہ ہوسکی۔ کمپیوٹر کے اس جدید دَور میں بھی اس کتاب کے معیار پر پورا اُترنا، اس کی کتابت، تزئین وآرائش وغیرہ تقریباً ناممکن ہے۔ اس شاہکار کتاب کو آج کے اِس مصروف ترین دَور کے باسیوں کے مزاج کے مطابق بنانے کے لئے اس کو ''مختصر'' شکل میں پیش کیا جارہا ہے تاکہ مسلمانانِ اسلام کم وقت میں بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔ اختصار کرتے وقت بعض عربی عبارات کو حذف کرتے ہوئے، اُن کا صرف ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ جو چیزیں مکرّر تھیں انہیں ایک دفعہ لکھنے کی کوشش کی گئی۔ اور کئی اقوال ایسے تھے کہ جو ایک جیسے ہی معانی رکھتے تھے، چنانچہ ان میں سے کسی ایک جامع قول کو ہی لیا گیا۔ اصل کتاب میں کئی صفحات پر پھیلی ہوئی عبارات کو ایک ہی جگہ جمع کردیا گیا اور پھر اس کے متعلق جو ارشادات تھے وہ نقل کر دیئے گئے۔ اگر اس کتاب کے اختصار کا حق ادا ہوگیا ہو تو یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور کرم نوازی ہے اور اگر اس میں کوئی نادانستہ کمی وکوتاہی ہے، لفظی اور کمپوزنگ کی اغلاط ہیں تو یہ ہماری طرف سے ہوگا جس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں اور آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ ہمیں ضرور مطلع کریں تاکہ اس کو درست کیا جاسکے۔ جزاکم اللہ خیرا

نوٹ: جو صاحبِ خیر اس کتاب کی اشاعت اور فری تقسیم میں دلچسپی رکھتے ہوں اُن کیساتھ ہر ممکن تعاون کیا جائے گا۔

ابوعلی وابن ابراہیم۔

قرآن کریم بھی نازل ہوا۔ ☆ یہودی عالم کی طرف سے جب اِس عظیم علم کا اظہار ہوا تو اس پر رسول اللہ ﷺ کا مسکرانا۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کے ثبوت کی وضاحت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سیدھے ہاتھ میں آسمان اور دوسرے میں زمینیں ہوں گی۔ ☆ اللہ تعالیٰ کا اپنے ایک ہاتھ کو بایاں بتانے کی صراحت۔

☆ اُس وقت اللہ تعالیٰ کا بڑے بڑے سرکش اور متکبرین کو پکارنا۔ ☆ بنسبت آسمان کے کرسی کا بڑا ہونا۔ بنسبت کرسی کے عرش کا بڑا ہونا۔ ☆ کرسی، پانی اور عرش تینوں کا الگ الگ ہونا۔ ☆ دو آسمانوں کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟ (کی وضاحت)۔ ☆ ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟ (کی کیفیت)۔ ☆ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے۔ ☆ زمین و آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ (کی وضاحت)۔ ☆ آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔ ☆ ساتوں آسمانوں کے اوپر جو سمندر ہے اُس کے نیچے اور اوپر پانچ پانچ سو سال کی مسافت کا راستے ہے (واللہ اعلم)۔

والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

ابن ابراہیم وابو علی

۲۵ شعبان ۱۴۲۶ھ ۲۹ بمطابق ستمبر ۲۰۰۵ء